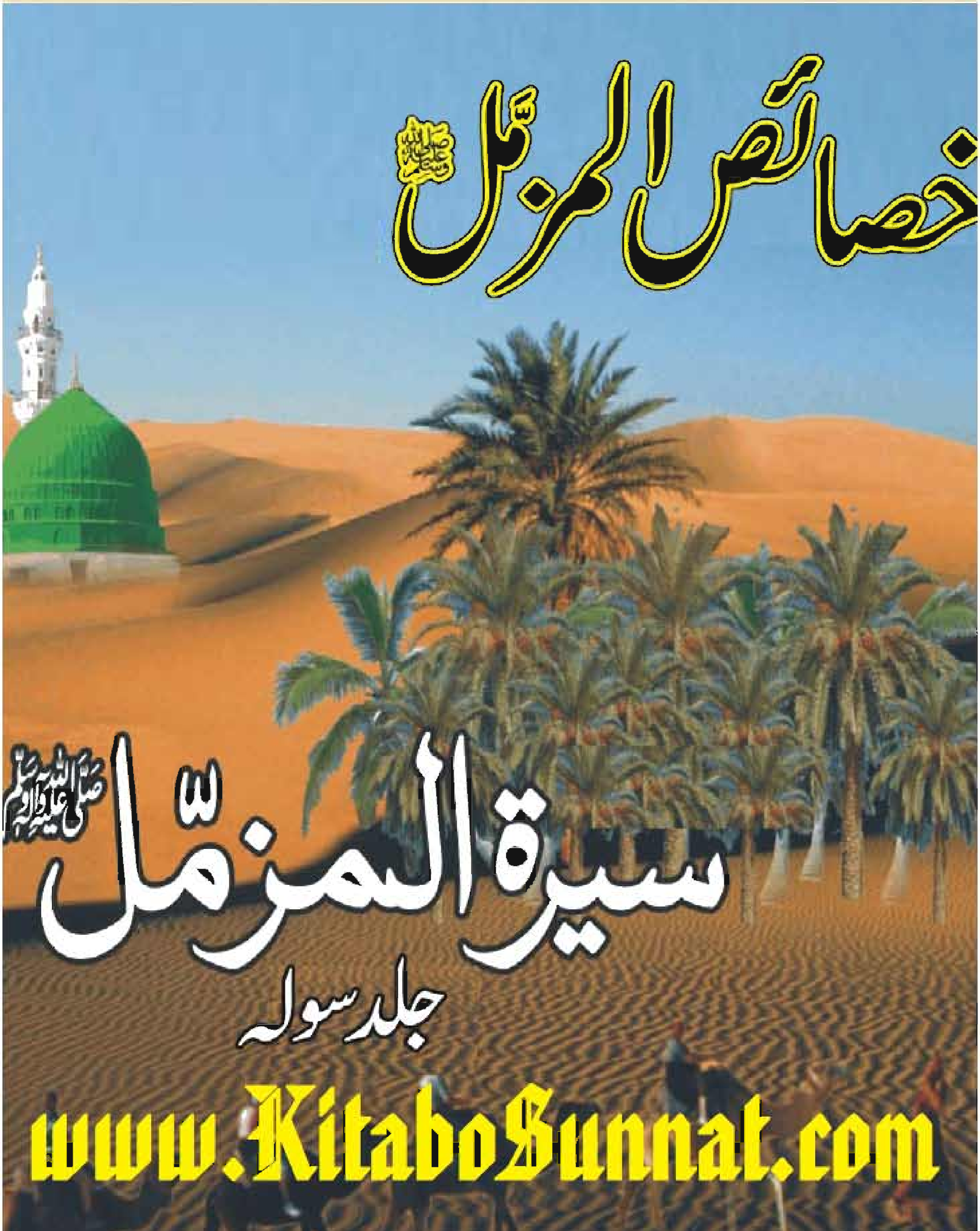

خصائص المزمل ﷺ
سیرۃ المزمل ﷺ
جلد سولہ
www.KitaboSunnat.com
افتخار احمد افتخار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد **(Upload)** کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ **(Download)** کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

افتخار احمد افتخار

رہائش؛ ڈنگہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں

فون ؛ 03006281898

میل ایڈریس ؛ ift1167@gmail.com

نام کتاب؛ سیرۃ المزمل ﷺ

جلد نمبر؛ جلد سولہ (خصائص المزمل ﷺ)

سنہ تحریر؛ ستمبر 2014ء

اہتمام؛ کتاب وسنت ڈاٹ کام

مطالعہ کے لیے؛ https://kitabosunnat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

حرفِ چند

انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے ارفع مخلوق ہے ۔اس کو عقل عطا کی گئی جس کے محیر العقول نتائج آج کی دنیا میں قدم قدم پہ لمحہ لمحہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے رویوں میں بھی انسان متنوع المزاج اور انتہائی عجیب ہے ۔اُن میں ایک بہت بڑی تعداد اُن لوگوں کی ہے جو اپنے خالق کے وجود سے انکاری ہو گئے ہیں مگر جو اقرار کرتے ہیں اُن میں بھی بہت تھوڑے ہیں جو اس کی منشا کے مطابق اپنی زندگی گزارنے پہ راضی نظر آتے ہیں۔سوال یہ ہے کہ کیا خالق کی منشا یہی ہے کہ وہ انسانوں کی کثیر تعداد کو اس آگ کا ایدھن بنا دے جو اس نے نافرمانوں کے لیے بھڑکا رکھی ہے یا یہ اس عقل کی کج روی ہے جو انسان کو اُس راہ کے نزدیک بھی

نہیں جانے دیتی جو خالق نے مقرر کی ہے ۔ مگر ساتھ ہی یہ سوال بھی موجود ہے کہ عقل ہی تو خالق تک پہنچاتی ہے ۔وہی تو ہے جو انسان کے اندر اس احساس کو زندہ رکھتی ہے کہ کوئی خالق ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ اس کی ادنی سی مخلوق ہے جس کو بلآخر خالق کے سامنے جھکنا ہے کہ اس کے بغیر تو اس کے دل میں سکون کا سایہ بھی نہیں گزر سکتا۔ چنانچہ آوازوں اور صداوں کے اس گورکھ دھندے میں عقل کہاں کھڑی ہے اس کا تعین آج کے انسان پہ اسرا ر کے بہت سے پردے کھول دے گا اور شاید اُس کے لیے خالق تک پہنچنا پہلے کی نسبت زیادہ آسان ہو جائے گا ۔چنانچہ لوگوں کے ایک گروہ نے عقل کو خدا بنا لیا ہے وہ اس کی آخری حد سے انکاری ہیں ۔ ایک اور گروہ نے عقل کو رسموں رواجوں اور معاشرتی چلن کے عوض رھن رکھ دیا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں کہ انسان کو سوچ اور فکر کی قوت بھی فراھم کی گئی ہے جس کو بروئے کار لا کر و ہ اپنے مسائل کا حل کھوج سکتا ہے ۔ ایک اور گروہ نے گزرے لوگوں کی عقل کے سہارے خود کو استوار کرنے کی کوشش کی مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا سوائے اس کے کہ انسان آبا ء پرستی کے دھوکے میں آکر فکر کے بنیادی تصور سے بھی عاری ہو گیا ۔ ایک اور گروہ نے عقل کے ذریعے خالق کائنات کے نظم میں نقائص تلاش کرنے شروع کیے تو وہ اس نتیجہ تک پہنچا کہ خالق کا تصور ہی بوگس ہے وہ لوگوں کو اس بات کی طرف بلاتا ہے کہ خالق کی تلاش کے بجائے دولت تلاش کرو کہ اس میں سکون ہے ۔ انسانی طبع میں موجود تنوع نے لوگوں کو اتنی اقسام میں منقسم کر دیا ہے کہ انسا ن محض حیرت کر سکتا ہے ۔ مگر دس ہزار سالہ انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ انسانوں کے اِن معاشروں میں ایک آواز اور بھی تھی جو انھیں قدم

قدم پہ اس بات کا احساس دلاتی رہی کہ دیکھو تم کبھی نہ جان سکو گے کہ کیسے جیا جاتا ہے اس کے لیے بھرحال تمیں میری بات سننا پڑے گی ۔کہ مجھے میرے خالق نے اس بات کا علم عطا کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اللہ کے انبیاء کی بات سنی اور اس کو عقلی طور پہ مستحکم جان کے قبول بھی کیا مگر پھر بھی اکثریت نے اپنے نفس کی پکار پہ ھی اپنی زندگی کو استوار کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج زمین کا سینہ انسان کے خون سے سرخ ھو رھا ہے لوگ امن امن پکارتے ھیں مگر اس کے جواب میں نفرت انگیز اور آگ کی طرح صریع الاثر نظریات میں منقسم لوگ دوسرے لوگوں پر آگ و آھن کے اُن ھتھیاروں سے حملہ کرتے ھیں جو انسان نے اپنی تباھی کے خود وضع کئے ھیں۔شاید تاریخ کا دھارا اپنا چکر پورا کرنے کو ہے شاید انسان آج پھر سلامتی کے اُس آفاقی جوھر کی تلاش میں ہے جو اس کے دکھوں کا مرھم بن سکے انسانیت کے دکھوں کا مرھم قرآن ہے مگر جب حامل قرآن نے اسے کھول کے نھیں پڑھا تو وہ دوسروں کو کیا بتائے گا کہ انسانی معاشروں میں پھیلے جابجا زھر کا تریاق تو اُس کے پاس ہے اسے تو خود علم نھیں یھی اُس کی عقلی شکست ہے کہ اُس نے عقل کو نفس کا قیدی بنا دیااوریھی اس کا جرم ہے اور مجرم کا تعین کرنے کے لیے کسی جھد و سعی کی ضرورت نھیں مجرم وھی ھوتا ہے جس کو امانت سونپی جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تویہ جرم ھمارا ہے کہ ھم صاحب قرآن ھیں مگر قرآن سے عاری ھیں ۔

حقیر۔

افتخار احمد افتخار

حسن ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف چند ...5

نبوت ورسالت ...17

علم ومعرفت ...26

علم غیب اور انبیاء ...41

خصائص رسالت ...52

عصمت انبیاء ...56
اجتہاد نبوی ...62
کتاب وحکمت ...71
علم وحکم ...87
بشریت انبیاء ...96
تذکیہ وتذکیر ...113
آیات اللہ، ایک تعارف ...123
براہین وعقل وفلسفہ ...130
فلسفہ قدیم وعلم کلام ...132

148... معجزہ وبرہان اور فلسفہ جدید
160... آیات، دلائل وبراہین
162... القرآن الحکیم
173... شہادت قرآن
178... الامی المزمل ﷺ
191... اہتمام تحفیظ المزمل ﷺ
197... رسول اللہ ﷺ اور جنات
208... جنوں کو اسلام کی دعوت
216... شق قمر

228... اسراء و معراج

231... معراج کی تاریخ

235... معراج النبی ﷺ

249... سفر معراج،روحانی یا جسمانی

255... رویت باری تعالیٰ

261... شق صدر کہ شرح صدر

267... معجزات

268... واقعہ ہجرت

269... غزوہ بدر

غزوہ خندق ...277

غزوہ حنین ...280

بنونظیر کی سازش ...283

غلبہ روم کی پیش گوئی ...285

معجزات، تذکرہ مزید ...289

دست شفاء ...304

نگاہ کرشمہ ساز ...313

ساقی کوثر ...326

دست کرشمہ ساز ...333

اخبار و بشارات ...342

شمائل وخصائل ...352

جمال مصطفیٰ ﷺ ...354

خصائص المزمل ﷺ ...364

اخلاق واعمال ...403

حسن معاملہ ...420

عدل وانصاف ...430

جود و سخا ...437

شرم و حیا ...448

صلہ رحمی ...451

ایفائے عہد ...463

منزل فلاح ...471

عیادت وتعزیت ...477

صداقت وامانت ...486

عفوودرگزر ...495

توکل علی اللہ ...510

زہدوقناعت ...516

مہمان نوازی ...524

راہبانیت سے اجتناب ...527

رقت قلبی ...536

شان ایثار ...543

افصح العرب ...549

اشاریہ ...557

ماخذ و مصادر و مراجع ...577

اختتام ... 698

نبوت ورسالت

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اُس پہ یقین کر لیتی ہے، حالانکہ کتنے ہی جہانِ حیرت ہیں جن کو دیکھنے کی اس آنکھ میں سکت ہی نہیں۔ ادراک کی کتنی منزلیں ہیں انسان جن سے آشنا نہیں، رفعت کے کتنے مدارج ہیں جن پہ انسانی قدم نہیں پہنچے، فکر کی دشوار گذار راہوں میں کتنے ہی ایسے مقام ہیں جہاں انسان کا سانس پھول جاتا ہے، عرفان کی کتنی وادیاں ہیں جن کا عنوان تک کوئی نہیں جانتا، حسرتوں کے کتنے ہی پڑاؤ ہیں جن کی محض خواہش ہی کی جاسکتی ہے اور بھیدوں بھرے کتنے ہی جہان ہیں جن کی توجیہ انسانی عقل سے وراء ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ نبوت و رسالت کا ہے کہ انسان کلی طور پہ نبوت ورسالت کے اسرار تک کبھی نہیں پہنچ سکتا کہ یہ معاملہ انسانی عقل کی حدِ استطاعت سے بعید ہے۔ اس لیے کہ جہاں عقل کی حد ختم ہوتی ہے وہیں سے علم وحی کا آغاز ہوتا ہے۔ علم وحی کی ماہیت اور اُس کی ارفع حیثیت کو اجاگر کرنے سے پہلے ہم یہاں نبوت ورسالت پہ کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ نبوت ورسالت کی حقیقت کا کلی ادراک تو ممکن نہیں تاہم صاحب علم

لوگوں نے قرآن و حدیث اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ مبارک سے استنباط کرتے ہوئے اس موضوع پہ سیر حاصل مباحث چھوڑے ہیں۔جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے " **معارج القدس** " میں،شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "**حجۃ اللہ البالغہ** " میں اور علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے "**سیرت النبی ﷺ**" میں اس موضوع سے بحث کی۔ہم اپنے اس کلام میں اِن بزرگوں کی سعی سے استفادہ کریں گے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ انبیاء ورسل کی بعثت کا عمومی مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کی بنا پہ لوگوں کے دلوں میں انقلاب برپا کرسکیں،انبیاء ورسل کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا کے گوشہ گوشہ کو ترانہ توحید اور سرود محبت سے معمور کردیں۔انبیاء ورسل گمراہ لوگوں کی راہنمائی راہ حق کی طرف کرتے ہیں،لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں دیتے ہیں،وہ بندوں کا رشتہ خدا سے جوڑتے ہیں،اُن کے دلوں سے غلط اوہام کو مٹاتے ہیں،وہ انسانوں کو شیطان کے طلسمی چنگل سے نجات دلا کر شرفِ انسانیت کی طرف مائل کرتے ہیں، وہ لوگوں کو اخلاقِ فاضلہ کی تعلیم دیتے ہیں،اُن کو محبت امن اور مساوات کی طرف بلاتے ہیں،انبیاء ورسل لوگوں کو حکمت و دانائی، پند و موعظت اور تہذیب وتمدن کی طرف بلاتے ہیں ازاں بعد وہ لوگوں کے قلوب کی تطہیر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

وہ لوگوں کی روحانی تشنگی کو دور کرتے ہیں،تہذیبِ نفوس کا فرض ادا کرتے ہیں جو دراصل اُن کا حقیقی فرض ہوتا ہے اور وہ یقیناً اسی ارفع منصب پر فائز ہوتے ہیں۔علماء کے ایک طبقے نے کہا کہ بہت سے وہ کام جو اللہ کے انبیاء ورسل کے ہاتھوں سے پورا ہوتے ہیں اسی طرح کے بہت سے کام بعض مصلح حکیم اور صاحب دانش بھی کرتے ہیں۔دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنی دانش کے زور پہ لوگوں کو کسی بات کی طرف بلایا اور اپنے نظریات کے استحکام کے لیے عقلی دلائل پیش کئے جس کے نتیجے میں لوگوں کا ایک ہجوم اُن کا پیرو ہوگیا۔کئی معاشروں میں اس طرح کے مصلحین کی کوششوں سے انسانوں کو سیاست اور سماجیات میں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں ہیں جس سے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ مصلحین حکماء اور دوسرے صاحبِ دانش لوگ انبیاء ورسل کے ہم پلہ ہوسکتے ہیں۔یہ ایک

سخت فکری مغالطہ ہے جس کی بیخ کنی ضروری ہے اس لیے کہ انبیاء ورسل کا کام لوگوں کی تمدنی تعمیر نہیں بلکہ وہ انسانوں کی تہذیبی تعمیر پہ مامور ہوتے ہیں۔ اگر چہ وہ لوگوں کو تمدنی رموز سے بھی آگاہ رکھتے ہیں کہ اُن کے علم کا منبع الہامی ہوتا ہے اس لیے وہ لوگوں کو ہمہ پہلو امور کی دعوت دیتے ہیں ۔تاہم اُن کی دعوت کا محور ہمیشہ انسانی قلوب کی تعمیر وتطہیر ہی رہا ہے اور وہ اسی فریضہ کو ادا کرتے ہیں ۔دوسری طرف حکماء اور مصلحین لوگوں کے قلوب میں تبدیلی پیدا کرنے کے نہ تو دعویدار ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ اُن کا منصب ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ انسانی سماجیات کی تعمیر واصلاح پہ قادر ہوتے ہیں اور اُن کا دعوی بھی محدود ہی ہوتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ منصبِ نبوت ورسالت جہد وسعی سے حاصل کرنا ممکن نہیں جیسا کہ اگر آدمی محنت کرے تو اچھا ڈاکٹر یا اچھا انجینئر بن سکتا ہے مگر یہ ممکن نہیں کہ انسان جہد وسعی کی بنا پہ نبوت ورسالت کا منصب حاصل کر سکے۔ اس بات کو قرآن حکیم میں کھول کے بیان کر دیا گیا ہے۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ جمعہ ٦٢ ۔ آیت ٤)

ترجمہ:

”یہ (نبوت) تو خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یا فرمایا کہ:

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ الانعام ٦ ۔ آیت ١٢٤)

ترجمہ:

”اللہ ہی کو اس کا علم ہے کہ کون منصبِ رسالت کا اہل ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

''نبوت انسانیت سے بالاتر ہے جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے۔وہ عطیہ الٰہی اور موہبتِ ربانی ہے، سعی و محنت اور کسب و تلاش سے اسے نہیں پایا جا سکتا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ منصبِ نبوت اور رسالت نہایت کٹھن اور دشوار فریضہ ہے جس کی ادائیگی میں انبیاء ورسل نے بہت سی قربانیاں دیں اور مشکلات برداشت کی ہیں۔ چنانچہ اس بھاری منصب کو اٹھانے کے لیے ممکنہ تیاری کے ضمن میں اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کی رہنمائی کرتا ہے اور اللہ کے وہ بندے قبول وحی کی تیاری اور استعداد حاصل کرنے کی جہد وسعی میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ بات اللہ کے فضل پہ منحصر ہے کہ وہ انسان کو پہچان کے رتبے پہ فائز کرے۔اس کے فضل کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان درجہ شرف تک پہنچ جائے۔ چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ انسانیت کے ممکن کمالات کو حاصل کرنے کے لیے بہرحال انسان کو جہد وسعی کی منزلوں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔اسی طرح اگرچہ نبوت ورسالت کوئی اکتسابی چیز نہیں مگر منشائے الٰہی کے مطابق انسان کو اس ارفع منصب کی استعداد اور تیاری کی طرف بہرحال مائل کیا جاتا ہے تاکہ وہ قبول وحی کی استعداد حاصل کر سکے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا احساس ہوا کہ انھیں کوئی بڑی ذمہ داری سونپی جانے والی ہے تو آپ ﷺ نے امورِ زیست سے فاصلہ اختیار کر لیا اور مہینوں غارِ حرا میں عزلت گزیں رہنے لگے۔رسول اللہ ﷺ بعثت سے قبل غارِ حرا میں بہت سا وقت گزارا کرتے۔ یہ تربیت کا وہ ضروری دور تھا جس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو شرفِ نبوت سے سرفراز کیا جانا تھا۔رسول اللہ ﷺ وادیٔ مکہ کی بلند و بالا پہاڑیوں پہ تشریف لے جاتے جہاں تنہائی ہوتی، سکوت ہوتا، جہاں زمین آ

سمان کی وسعتیں ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ ارتکازِ فکر میں مشغول رہتے۔ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء ورسل کی زندگیوں سے بھی اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ انھیں بھی ضروری تربیت کے اس دور سے گذارا گیا۔ چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت مذکور ہے کہ کتاب ملنے سے پہلے وہ چالیس روز تک روزہ کی حالت میں کوہ طور پہ موجود رہے اور دنیا کی آلائشوں سے یکسر الگ ہوگئے۔ اسی طرح انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا کہ وہ بھی چالیس روز تک ایک سنسان جنگل میں روزہ کی حالت میں اللہ سبحان وتعالیٰ کی عبادت واذکار میں مصروف رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تو ہم جانتے ہی ہیں کہ اول اول آپ ﷺ کو سچے خواب دکھائے گئے، اس کے بعد انھیں فرشتوں کی آوازیں سنائیں گئیں اور آخر میں غارِ حرا کی تنہائی میں جبرائیل ابدی فلاح کو وہ پیغام لے کر اترے جس نے انسانوں کی ایک کثیر تعداد کے اذہان، عقائد، اوہام تخیلات، نظریات، احساسات، اعمال، رسم ورواج، عادات واطوار اور شب وروز بدل کے رکھ دیئے اور لوگ قرآن کی الہامی تعلیمات سے آشنا ہوئے۔

اللہ کے پیغمبروں کی دیگر نشانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے علمائے تاریخ اور اصحاب دانش رقمطراز ہیں کہ اللہ کے رسول ہمیشہ نرم خو، خوش لباس، خوش اخلاق، ملنسار راستباز، طہارت نسب، نیک طنیت، امانتدار، معتدل مزاج، سنجیدہ اطوار، شجاعت سخاوت، فصاحت وبلاغت جیسے اعلیٰ اوصاف سے مزین ہوتے ہیں، وہ تمام فضائل ومحاسن سے آراستہ اور ذلیل باتوں سے مبرّا ہوتے ہیں، وہ ظالم کو معاف کر دیتے ہیں اور ذاتی انتقام پہ یقین نہیں رکھتے، وہ قرابتداروں اور ہمسائیوں کے ساتھ احسان کا سلوک کرتے ہیں اور ہمیشہ لوگوں سے حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس منصب ارفع کے لیے جن لوگوں کو بھی چنا وہ نہ تو متکبر ہوتے ہیں نہ جابر، وہ نہ جفا پیشہ ہوتے ہیں نہ بدخو، نہ وہ بزدل ہوتے ہیں نہ درشت مزاج بلکہ اس کے برعکس اُن کے خصائص گنے نہیں جاتے، وہ پیغمبری اور رسالت کا بارِ عظیم اٹھائے تندہی سے اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ وہ اپنے منصب کا پورا حق ادا کرتے ہیں اور تمام عالم میں اپنے علم کا فیض جاری کر دیتے ہیں۔ اُن کی دعوت کا آغاز چاہے جیسا بھی ہو اُن کی دعوت کا اختتام اُن کی

سر بلندی پہ ہوتا ہے اور دنیا کی تمام طاقتیں طوعاً و کرہاً اُن کے قدموں میں سرنگوں ہو جاتی ہیں۔انسان کو جانوروں پہ اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے شرف سے نوازا ہے اور شرف سے مراد عقل ہے اسی عقل کی بنیاد پر انسان اپنے سے کئی گنا زیادہ طاقتور جانوروں پہ حکومت کرتا ہے۔جانور اپنی جبلت کے دائرے میں مقید ہیں اس لیے شیر آج بھی اسی طرح شکار کرتا ہے جس طرح ہزار سال پہلے کرتا تھا اُسی طرح سوتا اور اسی طرح کھاتا ہے اُس کے طرزِ تمدن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، صدیوں پہ صدیاں گذرتیں گئیں ہاتھی شیر اور چیونٹی کا طرزِ زیست وہی ہے۔مگر انسان نے اِن صدیوں میں نہ صرف تمدن میں بہت ترقی کی بلکہ وہ تہذیبی طور پہ بھی بہت سی منزلوں سے آشنا ہوا۔

تاہم چونکہ انسان کی عقل اُسے منزل تک نہ لے جا سکتی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر تمدنی پڑاؤ پہ انسان کی راہنمائی کے لیے اپنے پیامبر پیغامِ حق کے ساتھ انسانوں کی طرف اتارے تا کہ اُن کے اندھیرے راستوں میں اجالا ہو سکے۔چنانچہ اللہ کے پیغمبروں کو اپنے نفوس قدسیہ کی بنا پر عام انسانوں پہ اسی طرح برتری حاصل ہوتی ہے جس طرح عام انسان کو جانوروں پہ برتری حاصل ہوتی ہے۔وہ اپنی پیغمبرانہ قوتوں کی بدولت نہ صرف خود راہ راست پہ قائم رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی راہ راست کی طرف بلاتے ہیں۔پیغمبروں کی عقل وفہم عام انسانوں کی عقل سے نہایت ارفع اور بعید ہوتی ہے اسی وجہ سے اُن کے اندر وحی قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔اگرچہ قرآن نے اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ کا پیغمبر بشریت میں دوسرے انسانوں ہی کی طرح ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے قرآن کے حقیقی منشا کو نہیں سمجھا اس لیے کہ خود قرآن ہی نے اُس عظیم فرق کو بھی واضح طور پہ بیان کر دیا ہے کہ پیغمبر کو وحی کی جاتی ہے اور یہی وہ عظیم الشان فرق ہے جو اللہ کے پیغمبر کو عقلیت اور معنویت میں عام انسانوں سے بالکل الگ اور ارفع کر دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ؛

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔

(القرآن الحکیم سورۃ کہف۱۸ ۔ آیت ۱۱۰)

ترجمہ:

’’میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں مگر مجھ پر وحی کی جاتی ہے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

خصائص الانبیاء میں وہ بہت سے امور شامل ہیں عام آدمی جن کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اگر چہ ظاہر میں علم وحکمت، دانش وبصیرت اور قول وفعل میں انبیاء ورسل عام آدمی سے مماثلت رکھتے ہیں مگر حقیقت میں اُن کا علم اُن کی بصیرت اور اُن کی راہنمائی کا مرکز عام انسانوں کی رہنمائی سے بہت منفرد اور ممتاز ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ خود انبیاء ورسل تک کو اُس علم وبصیرت کی حقیقی ماہیت سے اُس وقت تک آگاہی حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کا انتخاب اس خاص مقصد کے لیے نہیں کر لیتا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔

چنانچہ اس ضمن میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحاً مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلْنَاهُ نُوراً نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ..

(القرآن الحکیم سورۃ شوریٰ ۴۲ ۔ آیت ۵۲)

ترجمہ:

’’اور اسی طرح ہم نے تیرے پاس اپنے حکم سے ایک روح بھیجی، تو پہلے نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن اس کو ہم نے ایک نور بنایا ہے جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ سمجھائیں‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ جب انبیاء ورسل کے سینے اُس ہدایت کی روشنی سے منور ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اُن کی طرف اتارتا ہے تب وہ سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، حقیقت اور مجاز میں فرق کو واضح طور پہ محسوس کرنے لگتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو حکم دیا جاتا ہے کہ میں نے حقیقت کے جس علم سے تجھ کو نوازا ہے اس سے عام لوگوں کو آگاہ کرو، اُن کو ڈراؤ اور اُن کے دلوں کو پاک کرو تب انبیاء و رسل دعوتِ حق دینے کے لیے میدان عمل میں اتر آتے ہیں اور انھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

اگرچہ اکثر و بیشتر انبیاء ورسل کی مخاطب اقوام پہلے اپنے انبیاء ورسل کی باتوں پہ کان نہیں دھرتیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن میں سے بہت سے لوگوں کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے۔ہم جانتے ہیں کہ انسانوں کے معاشرے کی بنیادی اساس باہمی تعاون پہ رکھی گئی ہے اور لوگوں کو اپنے اختیاری اعمال وحرکات اور معاملات میں اجتماع وتعاون کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس اجتماع وتعاون کے بغیر انسانوں کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔مگر انسان اپنے اندر بقائے نوع اور امن کی خواہش رکھتا ہے اس لیے انسان اپنے مفاد کے لیے مل بیٹھ کر کچھ قوانین وضع کرتا ہے تاکہ اُس کی زندگی امن وچین سے گزرے اور اُس کی جان ومال اور عزت کی حفاظت کی جا سکے۔

مگر اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ مختلف اقوام یا مختلف معاشروں نے اپنی اصلاح اور امن وسکون کے لیے جو قوانین مرتب کئے اُن کے نتائج اُن کی خواہش کے مطابق نہیں نکلتے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ قانون مرتب کرتے ہوئے اصول مساوات کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور نہ کوئی ایسا قانونی دائرہ وضع کیا جاسکتا ہے جس کا جھکاؤ کسی خاص شخص قوم خاندان قبیلہ یا ملک کی طرف نہ ہو۔اس لیے کہ قانون وضع کرنے کے لیے جن انسانوں کو اختیار دیا گیا ہے وہ بھی یقیناً کسی قوم کسی خاندان کسی قبیلہ یا کسی ملک کے رہے ہوں گے، اس لیے اختیاری طور بھی اور غیر اختیاری طور پر بھی لوگوں نے قوانین وضع کرتے ہوئے اپنے ذاتی فائدے اپنے ذاتی رجحانات اور اپنی قدیمی روایات کو نظر میں رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کوئی ایسا قانون بنانے میں کامیاب نہ ہوئے جس میں دنیا کے تمام لوگوں یا اکثر و

بیشتر اقوام کے حقوق کی ضمانت فراہم کی گئی ہو۔ظاہر ہے کہ ایسا عادلانہ قانون انسانوں کے ذریعے نہیں بلکہ وحی ربانی کے ذریعے ہی بن سکتا ہے جس میں کسی خاص قوم، شخص خاندان یا قبیلہ کی طرف جھکاؤ نہ پایا جاتا ہو بلکہ وہ قانون ایسا غیر جانبدرانہ قانون ہو جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو اور اُس کا پلڑا کسی طرف جھکنے نہ پائے اور وہ تمام عالم کے انسانوں کے لیے یکساں قابلِ عمل ہو۔ اس کے لیے علم وحی کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ اصول وقوانین خالق کی طرف سے انسانوں کو منتقل ہوں جس کے ہاتھ میں نظام کائنات کی باگ ہے اور جو نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی کیفیات اور احوال سے کماحقہٗ آگاہ ہے۔چنانچہ انبیاء ورسل کے ذریعے اللہ تعالیٰ نظامِ زیست کو احسن طریقے پہ استوار کرنے کے لیے وہ احکامات اتارتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسانوں کو منتقل کرتے ہیں، جن کی پیروی کرنے والوں کے حصے میں اس دنیا کی کامیابی اور آخرمیں ابدی کامیابی آتی ہے اور اِن احکامات کا انکار کرنے والوں کے لیے اس دنیا میں بھی ذلت لکھ دی گئی ہے اور آخرت میں بھی وہ یقیناً اللہ کے غضب کا شکار ہونے والے ہیں۔نبوت ورسالت کے اِن ابتدائی کلمات کے بعد اب ہم نبوت ورسالت کے مبادیات پہ نگاہ کریں گے اور کسی حد تک اِن کو سمجھنے کی سعی کریں گے۔ ان شاء اللہ

علم ومعرفت

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انبیاء ورسل کا علم انسانی علوم کے ہر حوالے سے منفرد وممتاز ہوتا ہے اس لیے کہ اُن کے علوم کا منبع انسانی علوم سے منفرد وممتاز ہوتا ہے اور ساتھ ہی غرض وغایت میں بھی عظیم الشان فرق پایا جاتا ہے۔حکماء وصاحب دانش مصلحین واہل فلسفہ کے علوم اُن کے ذاتی ارتکاز وجہد وسعی کا نتیجہ ہوتے ہیں، جب کہ انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص علم سے نوازتا ہے اور اُن کی طرف وحی کی جاتی ہے جس کا عام انسان کو کوئی ادراک حاصل نہیں ہوتا نہیں۔انسانوں کے درمیان پائے جانے والے صاحب علم ودانش وحکماء وفلاسفہ کے علوم کا مقصد بھی اگرچہ انسانوں کی زیست کو فلاح کے ستونوں پہ استوار کرنا ہوتا ہے مگر اُن کے ہاں علم وعمل کی وہ رفعت اور منزل کو حاصل کرنے کا وہ استقلال نہیں پایا جاتا جو انبیاء ورسل کا خاصا رہا ہے۔چنانچہ علماء نے بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء سے مشابہ بعض اشخاص کے علم وعمل اور مقاصد و نیت میں اتنا عظیم بعد ہے جو معمولی سا غور کرنے پہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔علماء اس افتراق کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ مبداء اور منبع کا فرق۔

۲۔ غرض وغایت کا فرق۔

۳۔ طریق دعوت کا فرق۔

۴۔ علم وعمل کا فرق۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء ورسل کے علم کا مرکز ومحور اور منبع وماخذ وسرچشمہ تعلیم ربانی شرح صدر اور وحی والہام ہوتا پہ استوار ہوتا ہے جس کا تعلق صرف اُن نفوس سے خاص ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اِس مقصدِ خاص کے لیے چن لیا ہو، اسی کو نبوت ورسالت کہا جاتا ہے۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ حکما سوچتے ہیں اور فلاسفہ کے علم کا منبع اُن کی عقل ہوتی ہے، یعنی وہ عقل سے سوچتے ہیں عقل سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور عقل ہی سے نتائج متعین کرتے ہیں۔ مگر اس ساری مشق کے آخر میں اکثر وبیشتر اُن کو مایوسی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ خود کو منزل سے دور پاتے ہیں۔ مگر جو خالق کی طرف سے اتاری جانے والی اُس روشنی میں منزل کی طرف نکلتے ہیں جو بطور خاص اُن پہ اتاری جاتی اُن کے لیے کامیابی یقینی ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ مایوسی سے دور رہتے ہیں۔ حکماء اور اہل فلسفہ کے طریق دعوت میں بھی بین تفاوت پایا جاتا ہے اس لیے کہ اُن کے اغراض ومقاصد میں بھی بعد المشرقین ہوتا ہے۔ ایک حکیم کے اقوال اور جدوجہد کی منشا اپنی شہرت، علم کا اظہار یا قوم وملک کو کسی خاص مقصد کی طرف بلانا ہوتا ہے۔ وہ اپنی دعوت کی عمارت تمام تر حکمتوں، مصلحتوں اور علل واسباب کے ستونوں پہ استوار کرتا ہے۔ عام طور پہ وہ لوگوں کو جس امر کی طرف بلاتا ہے خود کو اس امر سے آزاد تصور کرتا ہے۔ جبکہ انبیاء ورسل کی دعوت کی اساس اللہ کے پیغام کی منتقلی اور لوگوں کی دنیوی اور آخروی فلاح کے احساس پہ رکھی ہوتی ہے۔ انبیاء ورسل لوگوں کو جس بات کی طرف بلاتے ہیں سب سے پہلے خود اس پہ عمل کرتے ہیں اور وہ اپنی جہد وسعی کا کوئی بدل لوگوں سے طلب نہیں کرتے ۔ چنانچہ اس بحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبوت ورسالت کا منصب انتہائی بلند وارفع ہے اور اس کا تقابل حکماء کی نکتہ آفرینی اور اہل فلاسفہ کی جدت طرازی سے کرنا جہل کا ایک کام ہے جس سے گریز کی راہ اختیار کرنا ہی مناسب ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ہم کو دیکھنا چاہیے کہ نبوت ورسالت تو بہت سے اُن خصائص سے مزین ہے جن کا کوئی عکس حکماء اور اہل فلسفہ کے ہاں پایا ہی نہیں جاتا۔

منصبِ نبوت ورسالت کے ساتھ بہت سی شرائط، خصائص اور لوازم ہیں جو نبوت ورسالت کو دوسرے کسی بھی شخص سے ممتاز کرتے ہیں۔ جو نبوت ورسالت کے ضروری اجزاء ہیں اور وہ خاص عناصر ہیں جو نبوت ورسالت کی دلیل کے طور پہ جانے جاتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے انبیاء ورسل کا تعلق اُن علوم سے ہوتا ہے جن کا منبع غیب کی وہ آوازیں ہیں یا وحی کی گئی وہ باتیں ہیں یا انبیاء پہ الہام کیے گئے وہ تخیلات ہیں جن سے عام انسان کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا۔ انبیاء ورسل پہ غیب سے باتیں اتاری جاتی ہیں، وہ سچے خواب دیکھتے ہیں، غیب سے علم پاتے ہیں اور روح القدس اُن کی تصدیق کرتی ہے اور اُن کے اوہام کو دور کرتی ہے اور اُن کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے سچے پیغمبر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو انسانیت کی فلاح کے لیے چن لیا ہے اور اُن کو ایک بلند اور ارفع مقام سے سرفراز کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء ورسل کے دامن سے اخلاق کے پھول جھڑتے ہیں وہ لوگوں کو فضائل کی طرف بلاتے ہیں اور اُن کے ہاتھوں سے حیرت انگیز تصرفات صادر ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو تہذیب وتمدن کے اُن رموز سے آگاہ کرتے ہیں جن میں لوگوں کی فلاح اور کامیابی کا راز ہے۔ انبیاء ورسل کا علم اور عمل شریروں کو راہ راست پہ لے آتا ہے اور وہ کام جو بادشاہ طاقت سے کرتے ہیں انبیاء اُسے اپنے اعلیٰ اخلاق وعمل سے سرانجام دیتے ہیں، وہ لوگوں کے دل بدل دیتے ہیں اور خدا سے دور بھاگنے والوں کو اُسی کے در پہ جھکا دیتے ہیں۔ انبیاء ورسل کی اس ساری جہد وسعی سے اُن کا مقصود نہ تو دنیاوی آسودگی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ شہرت اور جاہ طلبی کے خواہش مند ہوتے ہیں بلکہ اُن کی تمام تر جہد وسعی کا مدار محض اپنے خالق کی رضا کا حصول اور اُس کا پیغام احسن طور پہ لوگوں تک منتقل کر دینا ہوتا ہے۔

یہ خصائص تمام انبیاء ورسل میں یکساں طور پہ پائے جاتے ہیں کہ مذاہب عالم کے صحائف اسی بات کی گواہی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں بھی اس گواہی کو بطور تکمیلی شہادت شامل کیا ہے۔ آیئے سورۃ الانعام کچھ آیات پہ نگاہ ڈالتے ہیں جس میں انبیاء ورسل کے خصائص کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ
مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (83) وَوَهَبْنَا لَهُ
إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ
وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى
وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (84) وَزَكَرِيَّا
وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ (85)
وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى
الْعَالَمِينَ (86) وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ
وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (87) ذَلِكَ
هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا
لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (88) أُولَئِكَ الَّذِينَ
آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا
هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ (89)
أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ
عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ (90)

(القرآن الحکیم سورۃ الانعام ٦ - آیات ٨٣-٩٠)

ترجمہ:

”اور یہ تھی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم کے مقابلے میں عطا کی۔ ہم جسے چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمھارا رب نہایت دانا اور علیم ہے۔ پھر ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ جیسی اولاد عطا فرمائی۔ اور ہر ایک کو راہ راست دکھائی (وہی راہ راست جو) اس سے پہلے نوح کو دکھائی تھی، اور اس کی نسل

سے ہم نے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (ہدایت بخشی) اِس طرح ہم نیکو کاروں کو اُن کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں۔ (اِسی کی اولاد سے) زکریاؑ اور یحییٰؑ عیسیٰ اور الیاسؑ کو (راہ یاب کیا) ہر ایک اُن میں سے صالح تھا۔ (اُسی کے خاندان سے) اسماعیلؑ، الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو (راستہ دکھایا)۔ اِن میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پہ فضیلت عطا کی۔ نیز اِن کے آباؤ اجداد اور اُن کی اولاد اور اُن کے بھائی بندوں میں سے بہتوں کو ہم نے نوازا۔ انھیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور سیدھے راستے کی طرف اُن کی راہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں اِن لوگوں نے شرک کیا ہوتا اِن سب کا کیا کرایا غارت ہو جاتا یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور نبوت اور حکمت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ لوگ اِس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو (پرواہ نہیں) ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ دی ہے جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے نبی: وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے انھی کے راستہ پہ تم چلو، اور کہہ دو کہ میں (اس تبلیغ و ہدایت کے) کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے"۔ [*1]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر پیش کی گئیں آیات میں انبیاء کے نام لے کر اُن کے خصائص گنوائے گئے ہیں۔ اگر اِن کی تفہیم کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دلیل فراہم کی جس کی بدولت انھیں اپنی قوم پہ اخلاقی برتری حاصل ہوئی، اُن کی قوم نے اگرچہ اُس پیغام کا انکار کیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے لیے لے کر آئے تھے تاہم حقیقت یہی ہے کہ نمرود اپنی قوم سمیت اس بات کو جان چکا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو بات کہتے ہیں وہی حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

''یہ سب وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی تھی اور جنھوں نے ہدایت کی اسی روشنی کو اپنی اقوام تک منتقل کرنا تھا۔ وہ سب اپنے علم کے مطابق اپنے عمل میں کامل اور راست باز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو چن کر پسند کر لیا تھا اور اُن کو کتابِ حق و باطل سے فیصلہ اور حکم کی طاقت عطا فرمائی تھی۔ اور اُن کو حکم دیا کہ لوگوں کی راہنمائی کرو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

انبیاء ورسل کے علم میں سب سے اہم اور خاص علم وہ علمِ غیب ہے جو اُن کو عام انسانوں کی طرح وجدان، احساس یا عقل وقیاس سے نہیں بلکہ براہ راست وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ وحی کے آغاز سے ہی نبوت کی حقیقی استعدادِ بالقوہ کا عملی ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ کو پوری طرح سمجھنے کے لیے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ بیان کیا گیا کہ علم انسانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو انسان کو بلا واسطہ عطا ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو کسی واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔ اہل علم نے بلا واسطہ علم کو بھی کئی حصوں میں منقسم کیا ہے تاکہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

چنانچہ انھوں نے اس علم کو وجدان یعنی یقین فطرت اور ہدایت میں تقسیم کیا ہے۔

وجدان وہ یقینی ذریعہ علم ہے جس کی بنا پہ انسان کو وہ یقین حاصل ہوتا ہے جس سے انکار کرنا ممکن نہیں ہوتا، کیونکہ انسان اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے۔ اُسے اُن احساسات کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ جب اُسے بھوک لگی ہو یا سردی لگ رہی ہو یا وہ کسی خوف یا غم کا شکار ہو یا وہ خوشی اور راحت کی حالت میں ہو تو کسی فلسفی کی کوئی دلیل اُس کا یقین متزلزل نہیں کر سکتی اس لیے کہ اپنے اندر جنم لینے والے کسی بھی احساس یا تغیر کو انسان جس یقینی صورت حال کے طور پہ جانتا ہے اُس کو وجدان کہا جاتا ہے۔ علم کا دوسرا ذریعہ فطرت ہے یہ علم کی وہ صورت ہے جو وجدان ہی کی طرح یقینی ہے مگر وجدان اُس وقت حرکت میں آتا ہے جب انسان ایک شعوری سطح پہ پہنچ جاتا ہے مگر فطرت اُس

کی راہنمائی اُس کے پیدا ہونے کے فوراً بعد ہی شروع کر دیتی ہے۔علماء نے اس کو وہبی فطرت کا نام دیا ہے۔اہل فلسفہ نے اسے نوعی خصوصیت قرار دیا ہے۔فطرت یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کے اندر ایک احساس جنم لیتا ہے کہ اُسے بھوک لگی ہے اور وہ اپنی ماں کے سینے میں منہ ڈال دیتا ہے۔ جہاں سے اسے خوراک حاصل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔نوعی خصوصیات کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں انسانوں کے علاوہ جانوروں میں بھی بے شمار نوعی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔جیسا کہ شیر کا گوشت کھانا اور گھاس نہ کھانا اور بکری کا گھاس کھانا اور گوشت نہ کھانا وغیرہ۔ چنانچہ فطرت بھی علم کا ایک ذریعہ ہے جس کی بنا پہ انسان اُس سے راہنمائی حاصل کرتا ہے جیسے کہ خوشبو ہر انسان کو اچھی لگتی ہے اور بدبو ہر انسان کے لیے ناگوار احساس کو جنم دیتی ہے۔اس کے بعد ہدایت کا مرحلہ آتا ہے جسے ہدایت اولیہ بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق براہ راست انسان کے شعور سے ہے۔علم کی یہ صورت بھی انسان کو بغیر کسی تگ ودو کے حاصل ہوتی ہے۔اس کی ابتدا ماں کی گود سے ہوتی ہے اور انتہا سماج کے رویوں پہ ہوتی ہے۔یا یوں کہہ لیں کہ اپنے گھر محلے یا شہر سے وہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اُس کا گہرا اثر اُس کی شخصیت پہ ساری زندگی دیکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علم کی یہ وہ قسمیں تھیں جو انسان کو بغیر کسی جہد وسعی کے حاصل ہوتی ہیں۔

علم کی تیسری قسم وہ ہے جو انسان اپنے کسب اور کوشش سے حاصل کرتا ہے یعنی اس کے لیے اُسے کسی واسطے کی ضرورت پیش آتی ہے، چنانچہ ابتدائی طور پہ اس علم کے حصول کے لیے وہ عقل استعمال کرتا ہے جس کی بنا پہ پہلے تو وہ اُن مادی اشیاء کا علم حاصل کرتا جس سے اُس کا دن رات واسطہ رہتا ہے۔اگلے مرحلے میں وہ اُن اشیا کو جانتا ہے جو غیر مادی ہیں اور بظاہر نظروں سے اوجھل ہیں۔اِن غیر مادی اشیاء کی ماہیت اور حقیقت کو بہتر طور پہ جاننے کے لیے اُسے علم بالواسطہ کے دوسرے مرحلے میں داخل ہونا پڑتا ہے جہاں وہ عقل وقیاس سے نتائج تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے۔علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس موضوع پہ ”**سیرت النبی**“ میں عمدہ بحث کی ہے اس کا ایک اقتباس یہاں تحریر کیا جاتا ہے تا کہ بات پوری طرح سمجھ میں آسکے۔

’’علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل وقیاس، غور وفکر اور استدلال کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں۔اس کی بنیاد درحقیقت انھی معلومات پہ ہوتی ہے جن کا علم ہم کو اپنے وجدان، الہام فطری یعنی جبلت اور ہدایت اولیہ اور احساس کے ذریعے پہلے سے ہو چکا ہو۔اور انھی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کر کے اُن معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم اُن غیر معلوم مگر مشابہ وممائل امور پہ لگا کر نتیجہ حاصل کرتے ہیں۔وہ غیر معلوم امور جس پہ معلوم امور کے ذریعے کوئی حکم لگاتے ہیں اگر وہ مادی ہوتا ہے تو نتیجہ چنداں غیر مشکوک نہیں ہوتا۔سوائے اس کے کہ جزیات کا استقراء پورا نہ کیا گیا ہو یا تمثیل تام نہ ہو۔یا تجربہ ومشاہدہ نے دھوکا دیا ہو، یا کوئی اور اصولی غلطی ہوگئی ہو۔طبعیات اور سائنس کے مسائل اکثر وبیشتر اسی طرح معلوم کئے گئے ہیں۔لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے تو مادی امور پہ اس غیر مادی کو قیاس کر کے اس کی نسبت جو کچھ کہا جائے گا اس کا مرتبہ ظن وتخمین سے آگے نہیں بڑھے گا۔مگر یہ کہ وہ تمام تر فطریات، یا بدیہیات و محسوسات پہ اعلانیہ منتہی ہو۔ مابعد الطبیعۃ اور فلسفہ الٰہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں اسی لیے اِن میں اختلافات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے۔ کہ اِن کے آخری نتیجے اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حسی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں اور اِن میں سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہے۔مشابہت ومماثلت میں دھوکا ہوسکتا ہے، عقلی اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہوسکتا ہے۔غور وفکر، بحث ونظر، تحقیق وجستجو اور ترتیب مقدمات جو قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہیں وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں اسی لیے یہ علوم شکوک وشبہات سے لبریز ہیں‘‘۔[*2]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس بحث سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسانی زندگی میں یقینی علوم تین ہیں یعنی

وجدان، فطرت اور اکتساب ہیں اور یہ علوم کم وبیش انسان کو قدرت کی طرف سے عطیہ ہیں۔ یادرہے کہ نوع انسانی کی بقا انھی علوم پہ موقوف ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اِن علوم کی بنا پہ انسانی کی مادی بقاء ہی ممکن ہے اور اُس کو اپنی روحانی آسودگی کے لیے دیگر ذرائع علم کی ضرورت ہے اور یہی وہ علم ہے جو صرف انبیاء ورسل کو عطا کیا جاتا ہے اور وہ اِن علوم کی روشنی میں لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔

علماء نے انبیا ورسل کے اس علم خاص پہ جو مباحث تحریر کیئے ہیں اُن میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کے معلوم ذرائع علوم کے بعد اُن علوم کا درجہ آتا ہے جو وہاں سے شروع ہوتے ہیں جہاں معلوم انسانی علوم کی انتہا ہو جاتی ہے وہیں سے روحانی علوم کی ابتدا ہوتی ہے۔ اِن علوم کا مادیات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے اُس کو مادہ سے اُسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل ودماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے۔ علماء نے اس علم کو بھی مختلف پہلوؤں میں منقسم کیا ہے اور اُن کی درجہ بندی کی ہے۔ اس میں سب سے پہلا درجہ فراست کا ہے۔ فراست دراصل ایک عقلی انتہا ہے جس میں انسان اپنے سامنے پیش آنے والے واقعات سے آنے والے وقت کے متعلق ایک رائے قائم کرتا ہے اگر تو اُس کی رائے درست نکلے تو کہا جائے گا کہ یہ شخص صاحب فراست ہے۔ فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پہ مبنی ہوتے ہیں لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور انھی ذہنی اور عقلی مقدمات کی روشنی میں غور فکر تلاش وترتیب سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے حدس کہا جائے گا۔

اس کے بعد کشف ہے۔ کشف کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں تاہم حقیقت میں کہا جائے گا کہ علم کا یہ پہلو مادیت کے ظلماتی پردے کو چاک کر کے کسی امر کو عالم مادی سے عالم روحانی میں مشتہر کر دینا ہے۔ اس کیفیت میں بعض اوقات تو امر واقعہ کو اُس کی حقیقی شکل میں ظاہر کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات تمثیلاً اُس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کے لیے اس معاملے کو سمجھنا قدرے مشکل ہے کیونکہ یہ روحانیت کی ایک منزل ہے جس پہ ہر

کوئی فائز نہیں ہوسکتا یہ علم کا وہ پہلو ہے جو شدید تزکیہ نفس کا تقاضا کرتا ہے۔اس امر کو سہل بنانے کے لیے خواب کو اپنے سامنے رکھیں کہ انسان جب دنیا و مافیہا سے غافل گہری نیند سو رہا ہوتا ہے، اُس کا دماغ تب بھی کام کر رہا ہوتا ہے اور انسان کو عالم خواب میں مختلف جہانوں میں لیے پھرتا ہے۔عالم کشف اور عالم خواب میں بے حد مماثلت ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ خواب عالم نیند کی بات ہے اور کشف عالم بیداری میں ہوتا ہے۔خواب اور کشف میں ایک بڑا فرق یہ بھی ہے کہ خواب ہر قسم کے ہر شخص دیکھتا ہے مگر کشف کی روحانی منزل صرف خاص لوگوں کے حصے میں آتی ہے جنھوں نے اپنے نفس کو مطیع و تابع فرمان بنا رکھا ہو۔عالم کشف میں انسان کے ظاہری حواس اسی طرح اپنے افعال میں مشغول رہتے ہیں جس طرح کہ اس کا معمول ہو مگر اُس کی آنکھیں ظاہر کے منظر سے بیگانہ ہو جاتی ہیں اور اُس منظر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں جس کی طرف اُسے متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔روحانی علوم کے مدارج میں اس سے اگلا مرحلہ الہام کا ہے۔

الہام کے لفظی معنی ہیں غیب سے کوئی بات کسی دل میں ڈال دینا۔کوئی ایسا خیال جس کا بظاہر کوئی امکان نہ ہو بجلی کے کوندے کی طرح کسی کی آنکھوں کے سامنے لہرا جائے۔الہام علم روحانیات کا ایک ایسا پہلو ہے جو کسی علم، تلاش و جستجو، تحقیق و غور اور ترتیب مقدمات کے بغیر ہی اچانک ہی کہیں سے چلا آتا ہے۔اور انسان کے دل میں وہ خیال جڑ پکڑ جاتا ہے جو اُس کے دل میں یونہی چلا آیا ہو۔یہ خیال کہاں سے آتا ہے کیوں کر آتا ہے اس کے جواب مختلف ہو سکتے ہیں مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ وہ آتا ہے اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے لیے کسی روحانی منزل کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں سے سب لوگوں کو حصہ دیا گیا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ انسان اپنی پست ترجیحات میں اس قدر مگن رہے کہ غیب سے اترتے کسی خیال کو وہ نظر انداز کر دے اور خود کو خیر سے محروم کر لے۔ممکن ہے جو خیال کسی دل میں اترا ہو اس کی صحت بعد کو حسی تجربات اور عقلی دلیلوں سے بھی ثابت ہو جائے، تاہم یہ وہ خیال جسے ہم یہاں الہام کہہ رہے ہیں پہلے پہل وہ انسانی ذہن پہ کسی حسی تجربے یا عقلی دلیل کے نتیجہ کے طور پہ

وارد نہیں ہوتا بلکہ بس وارد ہو جاتا ہے۔اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں شعرا کو اس کا خاص تجربہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ پہروں کسی مصرع کو موزوں کر کے بیٹھے رہتے ہیں مگر دوسرا مصرع غائب ہو جاتا ہے پھر اچانک ہی کہیں سے آوارد ہوتا ہے اور شعر موزوں ہو جاتا ہے۔
اس ضمن میں سائنس دانوں، اہل فلسفہ اور محققین کے وہ خیالات اور تصورات بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو اچانک ہی اُن کے ذہن میں کہیں سے وارد ہوئے اور زندگی کا کوئی پہلو بے نقاب ہو گیا۔جیسے کہ اول اول رایٹ برادران نے سوچا کہ انسان ہوا میں اڑ سکتا ہے اور پھر یہ تخیل اُن کے ذہن میں جڑ پکڑ گیا اور آخر انسان نے ہوا میں اڑنا سیکھ لیا اور آج ہر لمحہ لاکھوں لوگ مختلف ہوائی جہازوں میں محوِ سفر ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں اور یہ امر انسان کے لیے ذرا بھی حیرت کا باعث نہیں۔
روحانی علوم کے اس تسلسل کا حتمی اور آخری مقام علم وحی ہے۔وحی کا لغوی معنی یہ ہے کہ کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں سے جنبش دیئے بغیر اخفا اور آہستگی سے دوسرے کے دل میں ڈال دینا۔ اصطلاحاً وحی کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو غیبی ذریعے سے مطلع کر دینا۔علم وحی علم واطلاع کی آخری حد ہے اور روحانی علوم کے مدارج کی ارفع ترین شکل جس سے عام انسان کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا بلکہ یہ علم صرف انبیاء ورسل سے خاص ہے۔
چنانچہ جس طرح علم کی جسمانی یا مادی قسمیں تین ہیں یعنی وجدانیات، حسیات اور بدیہیات عام انسانوں کے لیے یقینی ذرائع علم ہیں، اسی طرح کشف، الہام اور وحی انبیاء ورسل کے لیے یقینی ذرائع علم ہیں۔اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا درجہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے یعنی وجدان، اس کے بعد حسیات کا درجہ ہے اور اس سے نیچے بدیہیات کا درجہ ہے اسی طرح روحانی عالم میں سب سے یقینی اور پختہ ذریعہ علم وہ ہے جو تمام تر روحانی ہے۔چنانچہ روحانی علوم میں سب سے اوپر علم وحی کو رکھا جائے گا اس کے بعد الہام ہے اور اس کے بعد کشف کا درجہ ہے۔روحانی علوم کے جو ذرائع اور قسمیں یہاں بیان کی گئی ہیں یہ قرآن پاک کی اصطلاحیں نہیں بلکہ اِن کو اہل علم نے وضع کیا ہے۔قرآن حکیم صرف وحی کا

تذکرہ ہے تاہم یادرہے کہ الہام اور کشف کے ذریعے بھی وحی کی جاتی رہی ہے۔جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ وحی سے اصلاً مراد یہ ہے کہ اشارہ سے بات کرنا یعنی دل میں کسی بات کا بغیر کسی آواز کے اتر آنا اب اگر یہ امر حالت بیداری میں وقوع پذیر ہوا ہے تو کشف ہے اور اگر عالم خواب میں ہے تو رویا ہے۔

اسی طرح انبیاء ورسل کو اس طرح بھی وحی کی جاتی رہی ہے کہ اُن کو آواز تو آرہی ہوتی ہے مگر متکلم نظر نہیں آرہا ہوتا، اس صورت حال کو الہام کہا جائے گا، جبکہ وحی کی سب سے واضح صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ کا پیغام لے کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتا ہے اور اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام اُس تک منتقل کردیتا ہے جس کو سن کر اللہ کا نبی اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیتا ہے اسی کو عام طور پہ وحی کہا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ پہ اکثر و بیشتر اسی صورت میں قرآن حکیم اتر تا رہا ہے۔لیکن اس کا یہ قطعاً مطلب نہیں کہ باقی بیان کی گئیں صورتوں کو وحی نہیں کہا جائے گا بلکہ وحی کشف و الہام کی صورت میں کی جاتی رہی ہے خود قرآن حکیم اس کی شہادت دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ (51)

(القرآن الحکیم سورۃ شوریٰ ۴۲۔ آیت ۵۱)

ترجمہ؛

”اور کسی آدمی کی یہ تاب نہیں کہ وہ اللہ سے بات کرے لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اُس کو وحی کردیتا ہے، بےشک اللہ بلند اور حکمت والا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یعنی روحانی علوم کے وہ تینوں ذرائع علم جن کا بیان اوپر گزرا ہے وہ تینوں ہی لفظ وحی میں شامل ہیں اور تینوں طریقوں ہی سے انبیاء ورسل کو وحی کی جاتی رہی ہے۔یعنی فرشتے جس کو اللہ کا قاصد بھی کہا گیا ہے جس کے ذریعے بات کا پہنچنا اور پردے کے پیچھے سے بات کرنا یا اشارہ سے بات کرنا یا کسی خیال کا دل پہ القا کر دینا وحی کی اجمالی صورتیں ہیں اور اصطلاع میں اِن تینوں صورتوں کو وحی کہا جائے گا اور اِن تینوں طریقوں سے ہی رسول اللہ ﷺ کو غیبی تعلیم و اطلاع دی جاتی رہی ہے اور اس امر کو لفظ وحی ہی سے تعبیر کیا گیا ہے جو مکالمہ الٰہی کے مترادف بھی مستعمل ہے۔کافر رسول اللہ ﷺ پہ الزام لگاتے کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اُس کو معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ خود سے ہی گھڑ لیتے ہیں اِن ظالموں کو قرآن حکیم میں جواب دیا گیا ہے کہ:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى (3) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (4)

(القرآن الحکیم سورہ نجم ۵۳۔ آیات ۴-۳)

ترجمہ:

''نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے جو اس کو کی جاتی ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ بات اب حتمی طور پہ سمجھی جا سکتی ہے کہ روحانی مدارج کے اِن علمی پہلوؤں کو علماء نے عام لوگوں کی آسانی کے لیے جن اقسام میں منقسم کیا ہے وہ اجنبی اور بعید اصطلاحات نہیں ہیں بلکہ اِن کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ روحانی طریقہ گفتگو دوسرے طریق سے ممتاز و منفرد ہو جائے۔چنانچہ بیداری میں اشارہ سے بات کرنے کو کشف کہا جائے گا،خواب کے عالم میں اسی پیغام کو رویا کہا جائے گا۔یاد رہے کہ عام طور پہ انبیاء ورسل پہ وحی کا آغاز رویا صادقہ کی صورت ہی کیا جاتا رہا ہے۔رسول اللہ ﷺ پر بھی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ناموس مبارک نے اترنا تھا تو اس سے پیشتر نبی اکرم ﷺ کو

بہت سے رویا صادقہ دکھائے گئے تا کہ آپ ﷺ وحی کو قبول کرنے کی استعداد حاصل کرسکیں اور جب جبرائیل اُن کی طرف براہ راست اللہ کا پیغام لے کراتریں تو آپ ﷺ زیادہ اجنبیت محسوس نہ کریں۔اسی طرح پردہ کے پیچھے سے بات کرنا الہام ہے اور جب فرشتہ مجسم شکل میں خود حاضر خدمت ہوجائے اور اللہ کا پیغام منتقل کرے تو اس کو وحی کہا جائے گا۔

سورۃ شوریٰ کی جن آیات کا اوپر مطالعہ کیا گیا ہے اُن کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے فرمایا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ کسی بندہ کی یہ تاب نہیں کہ وہ خدا سے بات کرے لیکن اِن تین طریقوں سے۔اس کے بعد آخر میں جو فرمایا کہ وہ بلند و بالا اور حکیم ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اُس کی بلندی اور برتری و رفعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے کلام کے شرف کا مستحق نہ سمجھے مگر اس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنے بندگان خاص سے عام بندوں کی ہدایت وراہنمائی کے لیے اِن تین غیر معمولی طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے کلام کرے۔

ہم بیان کرچکے ہیں کہ غیبی ذریعہ اطلاع کی سب سے بلند قسم کو اصطلاح میں وحی کہا جائے گا روحانی مدارج علم کا یہ وہ درجہ ہے جس میں عام آدمی کو کوئی حصہ نہیں دیا گیا تاہم دیگر دو ذرائع علم جو غیبی اطلاعات کا مخزن ہیں اُن میں سے ہر شخص کو تھوڑا بہت حصہ دیا گیا ہے۔جیسا کہ رویا صادقہ ہے کہ بہت سے لوگوں کو رویا صادقہ دکھایا جاتا ہے۔ازاں بعد اس کی ایک صورت عام انسان کی زندگی میں پیش آنے والے وہ واقعات بھی ہیں جو پراسرار اور نا قابل فہم ہوتے ہیں جن کی توجیہہ کرنا عام طور پہ دشوار تصور کیا جاتا ہے۔تاہم اگر انسان اِن پراسرار اور نا قابل فہم واقعات پہ نگاہ عمیق ڈالے تو اعلیٰ ترین ذریعہ علم کا دھندلا سا خاکہ اُس پہ واضح ہوجائے گا۔تب وہ وحی کی ماہیت کو کسی قدر جان لے گا۔مگر تب بھی یہ صرف ایک اجمالی تصور سمجھا جائے گا اور اسے حقیقت قرار نہ دیا جائے گا۔اس لیے کہ وحی کی حقیقی ماہیت سے یا تو خود خالق آگاہ ہے یا پھر اُس کا وہ خاص بندہ جس کو اس راز کا حصہ دار بنایا گیا ہے۔اہل فلسفہ نے کہا ہے کہ غیر جسمانی اور غیر حسی مادی ذرائع علم کے سمجھنے اور باور کرنے میں جو استبعاد معلوم ہوتا ہے وہ نا قابل فہم واقعات پہ غور کرنے سے کسی حد تک دور ہوسکتا ہے خصوصاً آج کے اس جدید عہد میں جب کہ سائیکالوجی یعنی نفسیات کے میدان میں اہل علم نے بہت سی

منزلیں طے کرلی ہیں اوراُن کی تحقیقات کے نتیجے میں بہت سی نامعلوم قوتوں کا ثبوت فراہم ہو رہا ہے جو مادی زندگی کے متوازی روحانی میدان میں روبہ عمل ہیں۔آج لوگ (Esperchalizm) نامی علم کے ذریعے ارواح سے مخاطب ہیں اوراُن سے کلام وخطاب و سلسلہ جنبانی ہورہی ہے اور یہ فن دورجدید میں ایک مستقل سائنس کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے۔

✡ ✡ ✡

علم غیب وانبیاء

اس دور میں انبیاء رسل کا علم غیب کثرت سے زیر بحث رہا ہے اور مختلف مکاتبِ فکر نے قرآن اور سنت کی روشنی میں مختلف تصورات وضع کیے ہیں اور اپنے وضع کردہ تصور ہی کو درست قرار دینے پہ بضد ہیں۔ حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ اس معاملے میں اشتباہ کی کوئی گنجائش ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ کچھ لوگ ایک انتہا پہ براجمان ہیں اور انبیاء و رسل کو عام آدمی سے ذرا بھی ممتاز کرنے پہ تیار نہیں ہوتے اور دوسرا گروہ دوسری انتہا پہ براجمان ہے اور انبیاء رسل کو خالق کے معاملات میں متصرف تصور کرنے لگتا ہے، چنانچہ معاملہ الجھ کے رہ گیا ہے۔ دراصل اس معاملے کی اصل صورت اِن دونوں نظریات کے بیچ ہی موجود ہے۔ ضرورت صرف تحمل اور تفکر کی ہے منزل زیادہ دور نہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو عام بشر قرار دیتے ہیں اُن کے لیے ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ انبیاء و رسل خاص طور پہ آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا اللہ کے ہاں کیا درجہ ہے اُس تک انسان کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت محمد ﷺ کو نہایت بلند اور ارفع مقام عطا فرمایا ہے۔ عام انسان اُن مقامات کا ادراک نہیں رکھتا جو خالق کے ہاں انبیاء و رسل کو حاصل ہیں۔ رسالت کا معاملہ خاص ہے، عام آدمی کو اس کا کوئی شعور نہیں۔ اس لیے اُسے اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ مبادا اُس کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نکل جائے جو شانِ رسالت اور مقامِ رسالت سے فروتر ہو اور اُس کا سارا عمل ضائع ہو کے رہ جائے۔ اس لیے خالق اور اُس کے محبوب کے معاملات خالق

اور اُس کا محبوب ہی بہتر طور پہ جانتے ہیں، عام آدمی کو اِن معاملات میں لب کشائی سے گریز کی راہ ختیار کرنی چاہیے۔ دوسری طرف کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے درجات کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے قوم بنی اسرائیل کو بھول جاتے ہیں جنھوں نے اول اول اپنے انبیاء و رسل کو اللہ کا سایہ قرار دیا، پھر اللہ کا عکس قرار دیا، پھر اللہ کے وجود کا ایک حصہ بتایا اور آخر میں انھیں ابن اللہ بنا دیا جس کے نتیجے میں لعنت کا طوق اُن کے گلے میں ڈال دیا گیا۔

اسلام کا خالص عقیدہ یہ ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بارہا خود رسول اللہ ﷺ ہی کی زبانی اس امر کا اظہار کرایا ہے تاکہ امت کسی اشتباہ میں نہ پڑے۔ اور اِن مقامات کو قرآن حکیم میں محفوظ و مامون بھی بنایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا کہ:

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ..

(القرآن الحکیم سورۃ یونس ۱۰۔ آیت ۲۰)

ترجمہ؛

''کہہ دے اے پیغمبر! غیب تو صرف اللہ کے لیے ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ نمل میں ارشاد ہوتا ہے کہ؛

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ..

(القرآن الحکیم سورۃ نمل ۲۷۔ آیت ۶۵)

ترجمہ؛

''کہہ دے کہ آسمانوں میں اور زمین میں خدا کے سوا کوئی نہیں جس کو غیب کا علم ہو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورہ الانعام میں فرمایا ہے کہ؛

وَلَا اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ الانعام ٦۔ آیت ٥٠)

ترجمہ؛

”اور میں غیب نہیں جانتا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ جن میں ارشاد ہوتا ہے کہ؛

فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا، اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ۔۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ جن ٧٢۔ آیت ٢٧)

ترجمہ؛

”تو اللہ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ آل عمران میں فرمایا کہ؛

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطۡلِعَكُمۡ عَلَى الۡغَيۡبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجۡتَبِىۡ مِنۡ رُّسُلِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ٣۔ آیت ١٧٩)

ترجمہ؛

”اور نہ تھا اللہ کہ غیب کی باتوں پہ تجھ کو مطلع کرتا، لیکن یہ کہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے

جس کو چاہے چن لیتا ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَآءَ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ البقرہ ۲۔ آیت ۲۵۵)

ترجمہ:

"اور وہ خدا کے علم سے ذرہ برابر کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اتنے کا جتنے کا وہ (اللہ) چاہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر پیش کی گئی آیات سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ علم غیب کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر انھی آیات میں اس بات کو بھی کھول دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس علم سے جس قدر چاہتا ہے اپنے اِن پسندیدہ بندوں یعنی انبیاء ورسل کو نوازتا بھی ہے۔ غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انبیاء تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ لوگوں کو غیب کے اُن امور سے آگاہ کریں جن سے وہ آشنا نہیں ہوتے۔ چنانچہ اس بات کو اس طرح طے کیا جاسکتا ہے کہ خدا کے سوا علم غیب کسی کو حاصل نہیں اور یہ اُس کا ذاتی علم ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں، مگر انسانوں کی فلاح کے لیے انبیاء رسل کا جو سلسلہ ہزاروں سال سے جاری تھا اور جو سیّدی حضرت محمد ﷺ پر اختتام پذیر ہوا، انھیں اس علم سے ضرور حصہ دیا گیا ہے تا کہ وہ لوگوں کے لیے منزل فلاح کے خدوخال واضح کرسکیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ذاتی علم سے انبیاء کی تعلیم واطلاع کے لیے اُن کو بعض امور سے قبل از وقت آگاہ کردیا جاتا ہے تا کہ وقت کا رسول اپنی قوم کی راہنمائی احسن طریقے سے کرسکے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علوم غیب سے جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اُس کو بذریعہ وحی اپنے انبیاء ورسل کو آ گاہ کرتا ہے۔ بااین ہمہ بعض باتوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہ قطعی فیصلہ سنا دیا کہ اُن کا علم میرے سوا کسی کو نہیں، جیسا کہ روزِ قیامت کا علم، بارش کا علم، موت کا علم، شکم مادر میں کیا ہے اور کل کیا ہوگا، اِن امور کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ اِن امور کا تعلق باری تعالیٰ سے خاص ہے۔ بعض لوگوں کا یہ اصرار کہ انبیاء ورسل کا علم غیب قطعی اور کامل ہوتا ہے محض ایک فکری مغالطہ ہے اس لیے کہ قرآن حکیم میں اس بات کو کھول کے بیان کر دیا گیا ہے کہ انبیاء ورسل کو غیب سے صرف اسی قدر علم حاصل ہوتا ہے جس قدر اُن کو اپنی امت کی فلاح کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ بعض آیات میں خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس بات کا تمھیں علم نہ تھا اگرچہ ہم اُس کو جانتے تھے۔ قرآن حکیم سے کچھ آیات تحریر کی جاتی ہیں جو ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

چنانچہ سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ!

عَفَا اللّٰہُ عَنۡکَ لِمَ اَذِنۡتَ لَہُمۡ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ صَدَقُوۡا وَ تَعۡلَمَ الۡکٰذِبِیۡنَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۹۔ آیت ۴۳)

ترجمہ:

”خدا نے تجھ سے در گذر کیا، کیونکہ آپ نے اُن کو اجازت دی تا آنکہ تجھے معلوم ہو جائے جو سچ بولے اور جھوٹوں کو جان لیتا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے منافقین کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

مَرَدُوۡا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُہُمۡ نَحۡنُ نَعۡلَمُہُمۡ...

(القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۱)

ترجمہ:

”یہ لوگ نفاق پہ اڑے ہیں آپ اِن کو نہیں جانتے مگر ہم جانتے ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِن آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل کو غیب کے جن امور سے مطلع فرماتے ہیں اُن کا تعلق فریضہ رسالت کی ادائیگی اس کی مصلحتوں اور شریعتوں سے ہوتا ہے ۔اس کے بعد ہم چند الفاظ علم غیب کی حقیقت اور ماہیت کے بارے میں بھی عرض کرنا چاہتے ہیں۔غیب دراصل تو اُن امور کو کہتے ہیں جو کل کے پردے میں مستور ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں جہاں جہاں غیب کا لفظ استعمال ہوا ہے اُن مواقع پہ غور کرنے سے اس لفظ کے اجمالی اور تفصیلی دونوں پہلو واضح ہو جاتے ہیں ۔ اجمالاً اس کا اطلاق اُن امور پہ ہوتا ہے جن کا علم انسان اپنے روایتی ذرائع علم سے حاصل نہیں کرسکتا۔جو اس کے فطری اور طبعی ذریعے ہیں جن کا تفصیلاً ذکر پیچھے گذر چکا ہے۔اِن فطری ذرائع علم سے انسان کی پہنچ جن امور تک نہیں ہوتی انھی کو امورِ غیب یا علم غیب کہا جاتا ہے۔یا یوں کہہ لیں کہ اُس شئے یا اُن اشیاء کا علم جو انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی قوی کی نگاہوں سے اوجھل ہوں انھی امور کو غیب کہا جائے گا ۔یا وہ امور جن کا اندازہ انسان اپنے مروجہ علوم سے نہیں لگا سکتا وہ امور غیب ہیں جیسے کہ روز قیامت کا علم یا موت کی گھڑی کا علم۔غائب کے مقابل ظاہر ہے یعنی جو چیز نظروں کے سامنے ہو یا جس چیز کا احساس وادراک انسان اپنے ذاتی علوم وذرائع سے حاصل کرسکتا ہو وہ امورِ غیب کی ضد تصور ہوں گے۔چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بار بار خود کو ” عَـــالِـمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَة “ کہا ہے۔[*3]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اگر تھوڑا گہرائی میں جا کر علمِ غیب کا مطالعہ کریں تو قرآن حکیم کے حوالے سے ہم جانیں گے کہ قرآن حکیم نے چار امور کو غیب میں شامل کیا ہے۔

☜ زمانہ ماضی کے واقعات جن کا علم بعد کو نہ تو حواس کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ عقل و فکر کے ذریعے اس کے متعلق کوئی حتمی بات پیش کی جاسکتی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

☜ اور کل کا سورج جب طلوع ہوگا تو اُس کے دامن سے کیا کیا عجائب برآمد ہوں گے اس کا علم بھی غیب میں ہے جس کا جاننے والا صرف خالق ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

☜ غیب کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان کے مسکن سے دور کیا ہو رہا ہے اِن امور کا تعلق گو ماضی اور مستقبل سے نہیں ہے بلکہ اِن کا تعلق زمانہ حال سے بھی ہوسکتا ہے تاہم کسی دور کی مسافت میں اسی زمانے میں کیا ہو رہا ہے یہ انسان کے لیے اجنبی ہے اور غیب کے امور میں داخل ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

☜ وہ امور بھی عالمِ غیب میں داخل ہیں جو غیر مادی ہونے کی وجہ سے ہمارے حواس اور عقل کے تنگ دائرہ عمل سے قطعاً باہر ہیں۔ جیسے کہ ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے، جنت اور دوزخ کا ادراک ہمیں حاصل نہیں، ہم باری تعالیٰ کی رویت سے محروم ہیں۔ اگرچہ اُس کی ذات اور موجودگی پہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ اسی کو ایمان کہا جاتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذیل میں پیش کی جانے والی آیات میں انسان کی نارسائی کے نشانات کو بیان کیا جارہا ہے۔

سورہ یونس میں فرمایا کہ:

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ O

(القرآن الحکیم سورۃ یونس ۱۰۔ آیت ۲۰)

ترجمہ:

''تو کہہ دے کہ غیب کا علم تو صرف خدا ہی کے لیے ہے، انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ---

(القرآن الحکیم سورۃ الاعراف ۷۔ آیت ۱۸۷)

ترجمہ:

''خدا ہی کے پاس ہے قیامت کا علم وہ قیامت کو پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ اس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ لقمان میں فرمایا کہ :

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَ

یِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ لقمان ۳۱۔ آیت ۳۴)

ترجمہ؛

''کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین پہ مرے گا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ لقمان کی اسی آیت میں آگے جا کے فرمایا کہ :

وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ لقمان ۳۱۔ آیت ۳۴)

ترجمہ؛

''اور اللہ ہی جانتا ہے کہ رحموں کے اندر کیا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

پھر سورہ ھود میں فرمایا کہ :

وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ۔

(القرآن الحکیم سورۃ ھود ۱۱۔ آیت ۱۲۳)

ترجمہ؛

''اور خدا ہی کے لیے زمینوں اور آسمانوں کا غیب''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ حجرات میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ حجرات ۴۹۔ آیت ۱۸)

ترجمہ؛

"بے شک خدا ہی جانتا ہے زمینوں اور آسمانوں کا غیب"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الانبیاء میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

اَلَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَیۡبِ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱۔ آیت ۴۹)

ترجمہ؛

"تو جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں غیب میں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بقرہ کی پہلی آیت میں فرمایا کہ :

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱)

ترجمہ؛

"وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ مریم میں فرمایا گیا کہ :

جَنّٰتِ عَدۡنِ اِنِّیۡ وَعَدَالرَّحۡمٰنُ عِبَادَہٗ بِالۡغَیۡبِ۔

(القرآن الحکیم سورۃ مریم ۱۹۔ آیت ٦١)

ترجمہ؛

" وہ جنت جس کا وعدہ اُس مہربان خدا نے اپنے بندوں سے کیا ہے غیب میں ہے"۔

✡ ✡ ✡

خصائص رسالت

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی، اس میں انسان کو اپنا نائب بنایا، اُسے عقل و معرفت عطا کرکے اس امتحان میں ڈالا کہ وہ خالق کو پہچان لے اور اپنی زندگی کے حقیقی مقصد تک رسائی حاصل کرلے۔مگر انسان نے عقل و معرفت کی اس دولت کو خالق کی پہچان حاصل کرنے کے بجائے دیگر امور میں ضائع کرنا شروع کردیا۔تب اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو امام و پیشوا و ہادی بنا کر دنیا میں اتارا تا کہ وہ لوگوں کی راہنمائی کریں، اُن کو ہدایت دیں۔علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں پائی جاتی ہیں۔بہیمی اور ملکوتی، اِن میں سے پہلی قوت تو وہ ہے جو انسان کے نفس کو توانا کرتی ہے اُسے برائی اور گمراہی کی طرف مائل کرتی ہے اور انسان کو راہِ حق سے پھیر دیتی ہے چنانچہ انسانی طبع میں طمع و حرص، استیلا و جبر، شہوت و تمنا جیسے داعیات بہیمی قوت کے تحت ہی جنم لیتے ہیں۔جبکہ اسی انسانی طبع میں غور و فکر، صبر و شکر، حسن اخلاق، عبادت و اطاعت جیسے داعیات بھی موجود ہیں جو انسان کی ملکوتی قوت کا اظہار ہیں۔چونکہ خیر و شر کے یہ داعیات متوازی طور پہ انسانی طبائع میں

جاری وساری رہتے ہیں اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اِن میں سے کوئی ایک داعیہ یکسر مفقود ہو جائے صرف یہ ہوسکتا ہے کہ اِن میں سے ایک داعیہ غلبہ اختیار کر لے اور دوسرا داعیہ دب کر رہ جائے۔ خالق کی منشا تو یہ ہے کہ انسان میں خیر کا داعیہ غالب رہے۔اسی میں اُس کی بھلائی ہے بلکہ ساری دنیا کی بھلائی ہے مگر عام طور پہ انسانی اذہان پر ملکوتی داعیہ کی بجائے بہیمی داعیہ غالب آجاتا ہے اور یہی امر کائنات میں بپا ہر فساد کا باعث ہے۔

انسانی معاشروں میں امن وسکون اور فلاح وترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہ بہیمی قوتوں کے مقابل ملکوتی قوتوں کی پیروی کو ترجیح دے۔اسی میں اُس کے قلب کا سکون مضمر ہے اور اسی بنا پہ وہ روحانی اطمینان محسوس کرسکتا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی روحانی کامیابی کا دارومدار اس بات پہ ہے کہ اُس کی بہیمی قوت اس کے ملکوتی داعیہ کے تابع رہے۔ عقل سلیم اُن اصولوں اور طریقوں کو معلوم کرسکتی ہے جن کے ذریعے سے بہیمت کے تابع ملکوتیت ہونے کے فائدے اور گناہ وعصیان کے نقصانات ظاہر ہیں۔اگرچہ انسان اپنی عقل سے اِن امور کو جان سکتا ہے جن میں اس کی فلاح ہے مگر یہ تو ایک عقلی امکان ہے۔ عملی طور پہ صورت حال بہت مختلف ہے اور لوگوں کی ایک عظیم اکثریت کو یا تو حقیقت کی چاہ نہیں یا پھر وہ حقیقت کو جانتے بوجھتے نظر انداز کرتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسانوں میں عام طور پہ بہیمت کا غلبہ ہی دیکھا گیا ہے۔

خیر اگرچہ بالکل ہی مفقود ہو کے نہیں رہ گیا بلکہ خیر کا احسن عمل بھی متوازی طور پہ جاری وساری ہے مگر اس خیر کے باوجود عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان کی آنکھوں پر اس ظاہری دنیا کے لذائذ، حرص وطمع، بیجا خواہشوں اور غفلتوں کے اتنے تو بر تو پردے پڑے ہیں کہ انسان کے اصلی اور فطری وجدان کی صدا گھٹ کے رہ گئی ہے اور اُس کا دامن احساسِ زیاں تک سے خالی ہو گیا ہے۔انسان کے اندرونی وجدان کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے وہ حق وباطل، خیر وشر اور نیکی اور بدی کی پہچان تک کھو چکا ہے ۔چنانچہ جب بھی ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہے کہ انسانوں کی اکثریت میں قوت بہیمت کا بے پناہ غلبہ ہو جائے، تب اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر احسان کیا اور اپنی مخلوق کی اصلاح کے لیے انبیاء ورسل کو دنیا میں بھیجا تا کہ وہ انسانوں کی راہنمائی حقیقی منزل کی طرف کرسکیں۔علماء نے بیان کیا ہے کہ نظام

عالم میں اللہ تعالیٰ کا جو تدبیری حکم نافذ ہے وہ ملائکہ کے ذریعے سے ہے جو کائنات کا تمام نظام سنبھالے ہوئے ہیں۔کائنات میں موجود تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے اس تدبیری حکم کے تابع ہیں اور بغیر کسی چوں چرا کے خالق کی منشا کے مطابق عمل پیرا ہیں۔مگر انسان کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے کہ جس طرح کائنات کی موجودات جس میں زمین و آسمان، شجر و حجر اور سمندر و پہاڑ جیسے مہیب وجود شامل ہیں، اللہ کی تابع فرمان ہیں اسی طرح انسان اپنی عقل سے اس امر پہ کاربند ہو جائے۔خالق کی منشا کیا ہے یہی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے انبیاء ورسل دنیا میں تشریف لاتے ہیں اور اِن امور میں انسان کی راہنمائی کرتے ہیں جن کا علم انسان کو اس سے قبل نہیں ہوتا۔یہاں ہم خصائص رسالت سے کچھ بحث کریں گے کہ اللہ کے انبیاء اگرچہ بظاہر انسانوں ہی سے ہوتے ہیں مگر اُن کا معاملہ بہت سے پہلوؤں سے انفرادیت لیے ہوئے ہے۔انبیاء ورسل چونکہ اُس امانت کے امین ہوتے ہیں جو خالق کائنات نے انسانوں کی طرف منتقل کرنا ہوتی ہے اس لیے انبیاء ورسل کا منصب جس قدر افضل اور ارفع ہے اسی قدر انبیاء ورسل کا کام بھی دشوار اور پیچیدہ ہے۔چنانچہ ہم یہاں کتاب وحکمت، عصمت انبیاء، بشریت انبیاء، اجتہاد نبوی اور دعوت وتزکیہ جیسے امور پہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں تاکہ نبوت اور رسالت کی حقیقی ماہیت کو جاننے میں قدرے آسانی ہو۔

ان صفحات میں ہم اُن امور سے بحث کر رہے ہیں جن کا تعلق خالصتاً امورِ نبوت و رسالت کے ساتھ ہے۔ اگرچہ اس ضمن میں انسانی علم کافی محدود ہے تاہم علماء نے نبوت ورسالت کی ماہیت میں کافی مباحث چھوڑے ہیں جن کی روشنی میں ہم ان صفحات کوقلمبند کر رہے ہیں۔

عصمت انبیاء

جب رسول اللہ ﷺ کی عربوں میں بعثت ہوئی تب عرب یہودیوں سے قریب تھے اور یہودیوں میں عصمتِ انبیاء کا تصور نہایت ناقص تھا۔وہ نبی کو صرف مستقبل کی خبر بتانے والا جانتے تھے۔اُن کے ہاں انبیاء کی عصمت کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔اُن کے خیال میں انبیاء سے گناہ بھی صادر ہوتے تھے اور انبیاء بھی دوسرے عام لوگوں کی طرح لغویات اور فروعیات میں مشغول رہتے تھے۔اُن کی کتابوں میں بھی انبیاء ورسل کے متعلق ایسی باتیں تحریر کی گئی ہیں جو شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں۔اگرچہ اہل نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات کو معصوم مانتے ہیں مگر اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر نبی اور رسول معصوم ہوتا ہے۔عقلی حیثیت سے بھی جب تک انبیاء کی عصمت کے اصول کو پختہ نہ مان لیا جائے تب تک ایک نبی اور عام حکیم اور مصلح میں فرق واضح نہیں ہوسکتا اور نہ ہی انسان کا دل انبیاء اور رسل کی طرف سے پہنچائے گئے پیغام پہ یقین کرنے کو تیار ہوتا ہے۔اس لیے کہ جب تک کسی کی کامل صداقت اور صحت علم کا اعتبار حاصل نہ ہو انسان اُس کی پیروی پہ کس طرح مائل ہوسکتا ہے۔اہل عرب جن کی طرف آنحضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا اُن کے ہاں کہانت مقبول تھی اور کاہن اُن کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے۔اُن کے شعرا پر جوش اور پر تاثیر کلام نظم کرتے تھے۔اہل عرب اپنے کاہنوں اور شعرا کی باتوں پہ کامل یقین رکھتے تھے۔اس لیے جب نبی اکرم ﷺ کی طرف قرآن اترنا شروع ہوا تو اہل عرب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جو کلام ہمیں سنا رہے ہیں یہ کلام وہ کسی جن یا

شیطان سے سیکھتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں اہل عرب کے اس خیال کی تردید کی گئی وہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ قوم بنی اسرائیل نے اپنے بہت سے انبیاء کے بارے میں جو ناروا باتیں گھڑ رکھیں تھیں اُن کا بھی ابطال کیا جائے۔ جہاں اُن کے اس خیال کی تردید کی گئی کہ نبی اکرم ﷺ جو کلام اُن کو سناتے ہیں وہ کسی شیطان یا جن کا کلام ہے وہیں اُن کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ انبیاء و رسل کا مقام بہت ارفع ہے اور انبیاء و رسل شیطانوں کے فریب سے آزاد متقی پرہیزگار اور نیکوکار ہوتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهٗ لَيۡسَ لَهٗ سُلۡطٰنٌ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ○ اِنَّمَا سُلۡطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَوَلَّوۡنَهٗ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِهٖ مُشۡرِكُوۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ نحل ۱۶۔ آیات ۹۹۔۱۰۰)

ترجمہ؛

”شیطان کا زور ایمان والوں پہ نہیں چلتا اور نہ اُن پر جو اپنے رب پہ بھروسہ رکھتے ہیں ۔اس کا زور انھی پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اپنے رب کے شریک ٹھہراتے ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ نحل میں ہی آگے ارشاد فرمایا کہ :

وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ النحل۱۶۔ آیات ۱۲۸۔۱۲۷)

ترجمہ:

"اور صبر کرو، تیرا صبر کرنا بھی خدا ہی کی مدد سے ہے۔اور نہ تو اِن پہ غمگین ہو اور نہ اِن کے فریب سے تنگدل ہو، بے شک خدا اِن کے ساتھ ہے جو پرہیز گار اور نیکو کار ہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ شعرا میں ارشاد ہوا کہ:

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ○ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ شعرا ۲۶۔ آیات ۲۲۱۔۲۲۳)

ترجمہ:

"کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پہ اترتے ہیں، اِن پہ اترتے ہیں جو جھوٹ گھڑتے ہیں، گنہگار ہوتے ہیں، لوگوں کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ غیب کی باتیں سن رہے ہیں، اور وہ اکثر جھوٹے ہوتے ہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ جاثیہ میں فرمایا کہ :

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ يَسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(القرآن الحکیم سورۃ جا ثیہ ۴۵۔ آیات ۷۔۸)

ترجمہ:

''پھٹکار ہو اُس پہ جو جھوٹ گھڑنے والا گنہگار ہے، خدا کی آیتوں کو جو اس کو پڑھ کے سنائی جاتی ہیں وہ سنتا ہے اور پھر اپنے غرور پہ اڑا رہتا ہے، گویا اُس نے سنا نہیں تو اُس کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیت۷۹)

ترجمہ:

''اُس آدمی کے لیے جس کو اللہ کتاب اور فیصلہ اور نبوت دے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کے میرے بندے بن جاؤ''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر پیش کی گئی آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جانے والے انبیاء و رسل سچے ہوتے ہیں اور لوگوں کو سچ ہی کی طرف بلاتے ہیں، وہ نہ جھوٹے ہوتے ہیں، نہ جھوٹ گھڑنے والے ہوتے ہیں، وہ شیطانوں کی بجائے اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے فرشتوں سے کلام کرتے ہیں اور ہدایت کا پیغام وصول کرتے ہیں تا کہ لوگوں کو ہدایت کی تعلیم دے سکیں۔ یہ تو کچھ لوگ ہیں جو رسولوں کی بات کو مشتبہ بنانے کے لیے باتیں گھڑ لیتے ہیں۔

اللہ کے پیغمبروں کی دعوت کا منشا تو خدا کی بندگی کا اعلان ہوتا ہے نہ کہ لوگوں کو اپنا بندہ اور پرستار بنانا وہ تو اس گناہ سے کوسوں دور رہتے ہیں۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیات ۱۶۱۔۱۶۴)

ترجمہ؛

"کسی پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ وہ کچھ چوری سے چھپا لے اور جو کوئی بات چھپا لے گا قیامت کے دن لے کر اُس کو حاضر ہوگا۔ پھر اُس وقت ہر شخص کو اُس کے کام کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور اُن پہ ظلم نہ ہوگا، کیا جو شخص خدا کی خوشنودی کی پیروی کرے، وہ اِس جیسا ہوسکتا ہے جو خدا کا غضب کمائے، اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے، انسانوں کے خدا کے نزدیک کئی درجے ہیں، اور خدا اُن کے ہر کام سے خبردار ہے، بے شک کہ اللہ نے ایمان والوں پہ احسان کیا کہ اِن میں انھی میں سے ایک ایسے رسول کو بھیجا جو اِن کو اس کی آیتیں پڑھ کے سناتا ہے، اور اُن کو پاک صاف بناتا ہے، اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے، بے شک اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ان آیات میں بھی اُسی بات کا اعادہ کیا گیا ہے جن کا تذکرہ پہلے کیا جاچکا ہے کہ انبیاء ورسل کی شان اس قدر ارفع و بلند ہوتی ہے کہ اُن سے کسی بھول چوک کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ جو کچھ اپنے رب سے پاتے ہیں نہایت ایمانداری سے اُسے اپنی امت کو منتقل کر دیتے ہیں۔ انبیاء ورسل اپنی قوم کی دعوت میں تکلیف برداشت کرتے ہیں اپنی راتوں کی نینداوردن کا چین غارت کرتے ہیں اوراپنی امت کوراہ ہدایت پہ لانے کی بھرپور جہد وسعی کرتے ہیں۔ وہ خیر کے داعی ہوتے ہیں اور خیر کی راہوں کی طرف بلانے والے ہوتے ہیں اس لیے جو لوگ اُن کی اطاعت اختیار لیتے ہیں وہ دنیا جہان کی خیر سمیٹ لیتے ہیں۔

✡✡✡

اجتہادِ نبوی

علماء سے اس معاملے کے بیچ بہت سے مباحث موجود ہیں جن کی روشنی میں بات کھل کے سامنے آ جاتی ہے۔بعض علمائے اصول نے کتاب وسنت دونوں کو وحی مانا ہے اور دونوں کے درمیان یہ تفریق کی ہے کہ کتاب اُس وحی کا نام ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور سنت اُس وحی کو کہا جاتا ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی۔اس تشریح کا حقیقی مقصود حقیقۃً تلاوت وعدم تلاوت کا فرق نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے جو محفوظ ہیں۔وہ الفاظ اسی طرح محفوظ ہیں جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ پہ نازل کیے گئے۔اِن کا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی پیش گوئی میں داخل ہے۔اس لیے امت کا اس بات پہ یقین ہے کہ قرآن ہی دنیا کی واحد اور محفوظ الہامی کتاب ہے۔چنانچہ جن الفاظ کی ہم تلاوت کرتے ہیں اور جن کو قرآن کہا جاتا ہے علماء نے اُسے وحی متلو کہا ہے اور اُن الفاظ کو جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہیں اُن کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔چونکہ قرآن حکیم کے الفاظ میں کمی بیشی اور حذف واضافہ کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے وہ محفوظ و مامون ہے اور اُس کو اسی طرح تلاوت کیا جاتا ہے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی مگر وہ باتیں جن کو حدیث کہا جاتا ہے اور مسلمان انھیں سنت کے طور پہ اپنائے ہوئے ہیں اِن میں الفاظ سے زیادہ معنی کی حیثیت ہے اسی لیے وحی غیر متلو کی صرف پیروی کی جاتی ہے اسے نماز میں نہیں پڑھا جاتا اور نہ ہی اِن کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں بلکہ صرف اُن کے معنی سے استدلال کیا جاتا ہے اور اُن کی روشنی میں امت کے لیے قوانین وضع کئے جاتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اس ضمن میں اپنی تحقیق میں فرمایا ہے کہ احادیث وسنن کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو بعینہٖ ہی قرآن پاک میں مذکور ہیں، دوسری قسم وہ ہے جن میں قرآن حکیم کی آیات کی تشریح کی گئی ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جن کا ذکر قرآن پاک میں نہ تفصیلاً ہے نہ اجمالاً اور یہی تیسری قسم قابل بحث ہے۔

اس کے متعلق لوگوں نے مختلف نظریات پیش کئے ہیں اگرچہ وہ باہم قریب ہی ہیں اور اُن میں بین فرق نہیں پایا جاتا۔

مثلاً یہ کہ:

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو رسول اللہ ﷺ کی کلی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے خیر کے سوا کچھ بھی نہیں نکلے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہر لحہ اپنے انبیاء کا احاطہ کئے رہتی ہے چنانچہ انبیاء سے اجتہاد میں بھی غلطی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو کبھی کوئی ایسا حکم نہیں دیا جس کی اصل کتاب مبین میں موجود نہ ہو اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جس امر کی طرف بھی مائل کیا اُس میں اللہ کی رضا ہر حال میں شامل رہی ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ:

رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث القاء فی الرّوع ہیں۔ یعنی جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا وہ اللہ ہی نے آپ ﷺ کے دل میں ڈالا تھا۔

پھر علمائے سلف نے کہا:

وہ تمام امور جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں کتاب الٰہی سے الگ مگر مستقل پیغام ربانی کا ذریعہ ہیں اور اُن پہ اُسی طرح عمل کیا جائے گا جس طرح کہ قرآن کی آیات پہ عمل کیا جاتا ہے۔

چنانچہ احادیث وسنن کے ضمن میں اوپر جو چار نظریات پیش کئے گئے اِن میں باہم کوئی زیادہ

فرق نہیں پایا جاتا۔ پہلی رائے میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہ صریح وحی کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو وحی اترتی رہی ہے اس کو ابتدا ہی سے توفیق ازلی بھی عنایت ہوتی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ پیش آمدہ امور میں اللہ رب العزت کی رضا جان لیتے اور اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ آگے فرمایا گیا رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے جو بات بھی کہتے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی آپ ﷺ کے دل میں القاء کرتے ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے خیر کے سوا کبھی کچھ نہ نکلا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ بھی فرماتے ہیں اُس کی اصل کتاب پاک میں یقیناً موجود رہی ہے اگرچہ انسان اپنی کم فہمی کی وجہ سے اُس تک نہ پہنچ سکے۔ اسی خیال کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول وہ احکام جن کی اصل بظاہر قرآن حکیم میں موجود نہ ہو اُن کی اصل بھی درحقیقت قرآن حکیم میں موجود ہے اور اللہ کے رسول ہوائے نفس کے بہکاوے میں کبھی نہیں آتے۔

اس لیے حکم دیا کہ ''تمہارا رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اُس سے رک جاؤ'' اسی میں تمھارا دنیاوی اور اخروی فائدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے رسول اللہ ﷺ تمہیں جو حکم دیتے ہیں وہ دراصل کتاب مبین ہی سے مستنبط ہوتے ہیں اور یہ استنباط عام انسانی ذہن کی کارفرمائی نہیں ہے کہ اس میں غلطی کا کوئی شائبہ پایا جائے بلکہ یہ تو اُس پیغمبرانہ قوت وفہم کا نتیجہ ہے جو اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو عطا کر رکھی ہے اس لیے اس پیغمبرانہ قوت فہم کی تعبیر خواہ الہام سے کرو، القاء سے کرو یا اس کو حکمت نبوی کا نتیجہ قرار دیا جائے بات ایک ہی ہے۔ چنانچہ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکامات کی تعمیل بھی اُسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ قرآن حکیم کی وحی کی پیروی فرض کردی گئی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جس امر کی طرف بھی بلایا اس کے جزیات یقیناً کتاب الٰہی کے کلیات کے تحت ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات اخذ، استباط اور فہم رسالت کی پیغمبرانہ قوت وعلم کا نتیجہ ہیں جس کو حکماء نے ملکہ نبوت اور اہل شرع نے حکمت سے تعبیر کیا ہے۔ جو کسی خطا اور غلطی سے یکسر پاک ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جب کوئی نئی بات پیش آتی اور صحابہ اسے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تو پہلے تو آپ ﷺ وحی کا انتظار کرتے اگر وحی آنے میں تاخیر ہوتی تو آپ ﷺ گذشتہ وحی شدہ احکامات کے تطابق سے کوئی حکم جاری فرما دیتے۔ علمانے رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کو اصطلاح میں ''اجتہادِ نبوی'' کا نام دیا ہے۔ یہ عمل دراصل اُس روشنی میں انجام پاتا جس سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا سینہ روشن کر رکھا تھا۔ فقہا کا اس بات پہ یقین ہے رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد اسی حکمت ربانی کے فیض کا نتیجہ ہے جس کو حکمت کہا گیا ہے۔ اس لیے اجتہادِ نبوی کو بھی دراصل ایک نص کی حیثیت حاصل ہوگی اور وہ امت کے لیے واجب العمل اور خطا سے پاک ہوگا۔ کیونکہ یہ مقدمہ اپنی جگہ ثابت ہے اللہ کے رسول معصوم، گناہ وعصیان سے پاک، ضلالت وگمراہی سے دور اور ہوائے نفس سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس لیے امورِ رسالت اور امورِ دین میں اُن سے رائے کی غلطی نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ کہ اگر اس بات کا شائبہ بھی راہ پا جائے کہ انبیاء رسل سے اجتہاد کی غلطی ہوسکتی ہے تو سارے کا سارا دین مشکوک ہو کے رہ جائے اور پوری امت اشتباہ میں پڑ جائے۔

چنانچہ بعض اوقات ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی فیصلہ فرمایا مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی آپ ﷺ کو اس سے عمدہ فیصلے سے آگاہ فرما دیا اور بعض امور میں خیر کے کسی پہلو کو پیش نظر رکھ کر اس سے بہتر پہلو سامنے لایا گیا۔ چنانچہ اگر یہ کہا جائے اگرچہ انبیائے رسل سے اجتہاد میں غلطی ہوسکتی ہے تو درست ہوگا۔ مگر یاد رہے کہ انبیاء ورسل کا اپنی اجتہادی غلطی پہ قائم رہنا امر محال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فوراً ہی اِن کی اصلاح فرما دیتا ہے اور ہدایت کے ذریعے اُن کی رہنمائی فرماتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے بھی قابل قدر ہے ہم یہاں کچھ اُس سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں،

انھوں نے ''**حجۃ البالغہ**'' میں فرمایا ہے:

رسول اللہ ﷺ سے جو روایتیں احادیث کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں اُن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے ہے۔

اور یہ آیت اسی قسم کی احادیث کے متعلق نازل کی گئی۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَمَا نَہٰکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۔

(القرآن الحکیم سورۃ حشر ۵۹۔ آیت ۷)

ترجمہ:

''پیغمبر تمہیں جو بھی دے لے لو اور جس سے چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ علوم معاد یعنی قیامت اور آخرت کے احوال جزا و سزا اور عجائب الملوک اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے ۔اِن کا دارومدار صرف وحی پر ہے۔قوانین شریعت اور عبادات و معاملات کا معاملہ بھی احادیث کی اسی قسم میں داخل ہیں جن کا براہ راست تعلق قرآن حکیم میں واضح نظر آتا ہے کہ دراصل تو ایسی احادیث آیات قرآنی کی تشریح ہی ہیں۔تاہم بعض معاملات میں رسول اللہ ﷺ سے اجتہاد بھی ثابت ہے مگر امت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا اجتہاد بہر حال وہی حیثیت رکھتا ہے جو قرآن وسنت کو حاصل ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس امر سے پاک اور منزہ رکھا ہے کہ آپ ﷺ کا دین کے معاملات میں کوئی اجتہاد اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہو۔چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر اجتہاد کسی خاص نص و آیت سے استنباط کا نتیجہ ہو جیسا کہ عام طور پہ خیال کیا جاتا ہے۔بلکہ آپ ﷺ کے اجتہاد کی زیادہ تر صورت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے شریعت اور وضع قانون کے مقاصد، انسانوں کی آسانی اور بھلائی اور اصولی مقاصد کا قانون آپ ﷺ کو تعلیم کر دیا تھا، وہ مقاصد جن کا ماخذ وحی تھا آپ ﷺ اسی کلی و اصولی قانون کے ذریعے جو آپ ﷺ کو سکھا دیا گیا تھا اسی کی بنا پہ آپ ﷺ معاملات کی تشریح فرما دیا کرتے تھے،حکمت کی متفرق باتیں اور عام

مصلحتیں جن کے لیے آپ ﷺ نے نہ کوئی وقت مقرر کیا نہ اِن کے حدود بتائے، مثلاً اخلاق صالحہ۔اور اخلاق صالحہ کا بیان بھی تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے، لیکن اُن میں سے اکثر کا تعلق اجتہاد پر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو باہمی معاملات واجتماع کا کلی قانون تعلیم کردیا تھا اور آپ ﷺ نے حکمت کی بہت سی باتیں اُسی کلی اور اصولی تعلیم سے مستنبط کیں۔چنانچہ فضائل و اعمال اور اُن پہ عمل کرنے والوں کے مناقب کا تعلق بھی اس قاعدہ اور قانون سے ہے۔اِن میں سے بعض کا دارومدار وحی پہ اور بعض کا اجتہاد پہ ہے۔اِن قوانین کا بیان اوپر گذر چکا ہے اور ہم اسی قسم کی شرح کرنا اور اُن کے معنی بیان کرنا چاہتے ہیں دوسری قسم کی روایتیں وہ ہیں جن کا تعلق امورِ دین یا تبلیغ رسالت سے نہیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف ایک آدمی ہوں جب میں تم کو اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو یہ سمجھو کہ میں تو صرف ایک آدمی ہوں، جیسا کہ چھوہارے لگانے والے واقعہ میں آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں نے تو ایک خیال کیا تھا میرے خیال پہ تم لوگ عمل نہ کیا کرو ہاں مگر جب میں تم سے دین کی کوئی بات بیان کروں تو اُس پہ ہر حال میں عمل کیا کرو کیونکہ میں خدا پہ جھوٹ نہیں باندھتا۔اور اسی ضمن میں علم طب سے متعلق کچھ حدیثیں ہیں یا آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم سیاہ رنگ کے ایسے گھوڑے پہ سوار ہو جس کی پیشانی میں تھوڑی سی سفیدی ہو، جیسی روایات بھی اسی قسم میں داخل ہیں جن کا دارومدار عمومی تجربے پہ ہے۔آپ ﷺ نے جو کچھ عادتاً کیا یا اتفاقاً کیا وہ بھی اسی میں داخل ہے یا آپ ﷺ نے کچھ واقعات بیان کیے جن کا چرچا قوم میں عام تھا جیسے کہ اُم زرع اور اُس کی نو سہیلیوں کی داستان یا حرافہ کے قصے وغیرہ۔اسی بات کو حضرت زید بن ثابتؓ نے اس طرح بیان کیا ہے جب کچھ لوگوں نے اُن سے درخواست کی کہ وہ اُن سے رسول اللہ ﷺ کی کچھ احادیث بیان کریں تو انھوں نے فرمایا لوگو سنو میں تو رسول اللہ ﷺ کا پڑوسی تھا جب آپ ﷺ پہ وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ مجھے بلا بھیجتے اور آپ ﷺ کے

حکم سے نازل ہونے والی وحی کولکھ لیا کرتا۔لیکن جب ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہوتے تو جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو رسول اللہ ﷺ بھی دنیا کا ذکر کرتے جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو رسول اللہ ﷺ بھی آخرت کا ذکر کرتے جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے ساتھ اس میں شامل ہوجاتے تو کیا میں اِن تمام باتوں کو بطور حدیث لکھ دوں۔ چنانچہ اسی ضمن میں بہت سی وہ باتیں بھی آجائیں گی جن کو آپ ﷺ نے اپنے زمانے کی جزئی و عارضی مصلحت کے طور پہ کیا۔مثلاً فوجوں کو آراستہ کرنا، جنگی علامات کا تعین، یا وہ احکام جو رسول اللہ ﷺ نے جنگی مہموں کے سربراہان کو دیئے جن کی غرض وغایت اور انحصار اُس وقت کی ضروری مصلحتوں سے تھا اور امت کے لیے اِن امور کی اطاعت ضروری نہیں۔اسی طرح حضرت عمرؓ جب خلیفہ تھے تو انھوں نے اپنے کسی ساتھی سے کہا اب ہم کو حج میں اکڑ کر چلنے کی کیا ضرورت ہے جب کہ قوم قریش جن کی خاطر ہم یہ کام کیا کرتے تھے اُن کو رب العزت نے یا تو ہلاک کر دیا ہے یا اُن کو ہدایت بخش دی ہے۔تاہم چونکہ حضرت عمرؓ کو اپنے اس اجتہاد پہ اعتماد نہ تھا اس لیے انھوں نے لوگوں کو اس طرف متوجہ نہ کیا بلکہ چپ ہو رہے۔انھیں خوف ہوا کہ شاید اس امر کا کوئی خاص سبب ایسا ہو جس سے وہ آگاہ نہ ہوں، چنانچہ لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت جاری رہی کہ وہ صفا و مروہ کی سعی کے دوران اُسی طریق کو اختیار کرتے ہیں جس پہ رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں کاربند رہے تھے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ اس ساری بحث سے جو خلاصہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے ارشادات کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کا براہ راست تعلق پیغمبرانہ فرائض، تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے اور یہ تمام امور وحی و تعلیم سے ماخوذ ہیں اس لیے یہ احکامات حتمی اور ناقابل تغیر ہیں اور دوسری قسم میں وہ عام باتیں شامل ہیں جن کا تعلق امورِ دین سے نہیں ہے۔اولالذکر ناقابل تغیر علوم کو علماء نے دو

حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ جو براہ راست وحی الٰہی کی صورت رسول اللہ ﷺ پہ اتاری گئیں اور انہی میں بعض وہ احکامات بھی شامل ہیں جو اجتہاد نبوی کا نتیجہ ہیں۔اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا:

"پیغمبروں کا یہ اجتہاد دوسرے عام انسانی مجتہدین کے اجتہادات کے برخلاف خطا و غلطی سے یکسر پاک ومنزہ ہوتا ہے۔کیونکہ اِن کی رائے خطا و غلطی پر باقی رکھی جانے سے محفوظ بنا دی گئی ہے۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا پیغمبرانہ اجتہاد بھی بمنزلہ وحی کے ہے پیغمبرانہ اجتہاد کی اس تشریح کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ فیصلہ نہایت آسان ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ ملکہ نبوت ، الہام ، القا، حکمت ربانی اور فہم نبوی سے جو کچھ مراد لیتے ہیں اس میں اور اجتہاد نبوی میں عملاً کوئی فرق نہیں کہ اس اجتہاد سے مقصود وہ قوت عملیہ یا الہامیہ یا نبویہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ خاص پیغمبر کے سینے میں ودیعت رکھتا ہے اس لیے مجتہدانہ اجتہاد اور پیغمبرانہ اجتہاد کے درمیان صرف لفظ کی مشارکت ہے وحی کی نہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سابقہ امتوں اور اُن پہ نازل ہونے والے احکامات وقوانین کا معاملہ آنحضرت محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی امت پہ نازل ہونے والے احکامات اور قوانین سے قدرے مختلف ہے اس لیے کہ سابقہ اقوام نے نہ تو اُن الہامی کتابوں کو محفوظ رکھا اور نہ ہی انھوں نے اُن شریعتوں کی حفاظت کا کوئی اہتمام کیا جو اُن پہ اتاری گئی تھیں، چنانچہ توراۃ زبور اور انجیل میں احکام الٰہی اور اُن کے حکماء کے اقوال غلط ملط ہو کے رہ گئے جس کی وجہ سے اُن کی شریعتیں اور احکامات غیر محفوظ تصور کیے جانے لگے۔تاہم آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ چونکہ اللہ کے آخری پیغمبر تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب لے کر انسانوں کی طرف اترے تھے اس لیے قرآن حکیم کی حفاظت کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا اور یہ

کتاب پندرہ صدیاں گذرنے کے باوجود محفوظ و مامون ہے۔اسے ہر قسم کی تخلیط اور آمیزش سے محفوظ کر دیا گیا۔گذشتہ اقوام کے برعکس مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کے اقوال و افعال تک کو محفوظ رکھا ہے جس کی وجہ سے اسلام کا چہرہ آج بھی نکھرا نکھرا اور اُجلا اُجلا ہے۔چنانچہ کوئی غیر مسلم شخص جب اپنے دین کا تقابل اسلام سے کرتا ہے تو وہ فوراً ہی اس حقیقت تک پہنچ جاتا ہے کہ اب اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کے دامن میں حتمی خیر ہے۔[*4]

✡ ✡ ✡

کتاب وِحکمت

اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو نبوت جیسے اعلیٰ منصب کے لیے منتخب کرتا ہے انھیں بہت سے فضائل اور بہت سے خصائص سے مزین کرتا ہے، اُن میں سے ایک خاص نعمت کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار کیا گیا ہے اور وہ ہے حکمت۔

سوال یہ ہے کہ حکمت سے کیا مراد ہے؟

جیسا کہ عام طور پہ سمجھا جاتا ہے کہ حکمت سے مراد دانائی کی بات، عقل مندوں کے سے کام ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ لفظ حکمت کے حقیقی معنی اس سے بہت بعید اور ارفع ہیں۔ اردو زبان میں اس سے یہی معنی مراد لیے جاتے ہیں تاہم عربی زبان میں اسی لفظ حکمت کے معنی اور مفہوم اردو زبان سے بلند تر اور قدرے مختلف ہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنَّ مِنَ الشِّعْرِ الْحِکْمَۃً وَ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لِسَحْرًا

”بعض شعر حکمت ہوتے ہیں اور بعض تقریریں جادو“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یعنی سحر کے مافوق الانسانی تصور کی طرح لفظ حکمت میں بھی کوئی مافوق البشری تصور ضرور موجود ہے۔ چنانچہ علمائے اردو نے درست طور پہ اس تکلف کو جگہ دی ہے کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی

حکمت کو بیان کرتے ہیں تو مفرد حکمت کی بجائے حکمت الٰہی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔اور حقیقت بھی اس کے قریب تر ہے اس لیے کہ علمائے سلف نے فرمایا کہ حکمت سے مراد وہ امر اور تعلیم ہے جس کی بنا رسول اللہ ﷺ وحی ربانی کی عملی اور زبانی تشریح بیان فرماتے ہیں۔اس لیے رسول اللہ ﷺ پہ وحی الٰہی کو صرف پڑھ کے سنا دینا ہی فرض نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کے فرائض میں تلاوت سے بڑھ کے اس کلام کی تشریح وتوضیح اور نفاذ کا اہتمام بھی اہم تھا۔

چنانچہ حکمت کی اصل ماہیت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کسی قدر تفصیل سے اس لفظ کا جائزہ لیا جائے۔جیسا کہ ہر کس وناکس پہ ظاہر ہے کہ کسی بھی فن کے ماہرین کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں۔ایک تو وہ جو کسب وجہد سے کسی امر میں پختگی حاصل کرتے ہیں اور دوسرے وہ جن کو اللہ کی طرف سے کچھ ودیعت کر دیا جاتا ہے اور وہ شخص بغیر کسی بڑے تردد کے اس امر میں اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں بعض لوگ بغیر کسی تجربہ اور دلیل کے اپنی فطری صلاحیت، اندرونی وجدان اور ذوقِ سلیم کی بنا پہ ہی متعلقہ امر سے متعلق اپنی جچی تلی رائے دیتے ہیں حالات و واقعات جن کی تصدیق کرتے ہیں۔شعرا اور انشاء پردازی اور دوسرے فنون کے ماہرین کے ہاں اس طرح کی مثالیں بکثرت دیکھی جاسکتی ہیں۔اسی ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں میں اشیاء کی تاثیر وعمل کے متعلق صحیح وجدان اور عمدہ ذوق سے رائے دینے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اُن کی رائے بعد میں حرف بہ حرف درست ثابت ہوتی ہے۔حالانکہ بعض اوقات مختلف معاملات میں لوگ اپنے وسیع مطالعہ اور غور فکر کے بعد بھی درست رائے قائم کرنے پہ خود کو قادر نہیں پاتے۔چنانچہ وہ لوگ جن کی رائے کو دوسرے لوگ درست پاتے ہیں اُن کو وہی معرفت اور نور الٰہی حاصل ہوتا ہے جو جدو جہد اور سعی وکاوش سے حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ محض عطاو بخشش ہے اور اسی کو حکمت کہا جائے گا۔یاد رہے کہ حکمت انبیاء رسل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کو اس نعمت سے نوازا جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ نبوت ورسالت اپنے مقاصد اور ماہیت کے حوالے سے چونکہ بہت بلند اور ارفع مقام ہے اس لیے انبیاء ورسل کی حکمت بھی عام آدمی کو حاصل شدہ حکمت سے بلند وبالا اور منفرد و ممتاز ہوگی۔اور یہ بات رسول اللہ کی احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ عام لوگوں کو حکمت سے

مقدور بھر حصہ عطا کیا جاتا ہے۔
چنانچہ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک موقعہ پہ فرمایا کہ رشک وحسد اگر جائز ہوتا تو صرف دو شخصوں پر ایک تو وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نوازا ہوا اور وہ اسے بے دریغ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت عطا کی گئی ہو اور وہ اُس سے لوگوں کے بیچ درست فیصلے کرتا ہو“۔

صحیح بخاری (کتاب العلم)

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دوسری ربانی استعدادوں اور فطری بخششوں کی طرح حکمت کا عطیہ بھی لوگوں میں مساوی تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ بعض لوگوں کو صرف اسی قدر حصہ ملتا ہے کہ زندگی کی راہوں میں پیش آنے والے معاملات سے بہ احسن طور پہ نمٹ سکیں۔ جب کہ بعض لوگوں کو اعلیٰ اور کامل ترین حکمت سے نوازا جاتا ہے جس کی شہرت عموماً دور دور تک سنائی دیتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں حکیم لقمان کی حکمت کا بیان آیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ.

(القرآن الحکیم سورۃ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۲)

ترجمہ:

”اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بیان کیا گیا کہ چونکہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی اسی کی بنا پہ اُس نے اپنے بیٹوں کو سچ کے اُن امور کی طرف دعوت دی جن میں جا بجا خیر کے چراغ روشن تھے۔اُس نے اپنے بیٹوں کو تب اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے سے منع کیا جب ہر طرف شرک کے اندھیرے تھے اُس نے تب اپنے بیٹوں کو شکرادا کرنے کی طرف بلایا جب دور دور تک کسی کو شکرادا کرنے کا سلیقہ نہ تھا۔حکیم لقمان نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے ہوئے والدین کی خدمت کرنے لوگوں سے احسن سلوک کرنے بلکہ احسان کرنے کی دعوت دی ۔اُس نے اپنے بیٹوں کو ایک خدا کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور اُن کو تکبر سے باز رہنے کی وصیت کی۔

رسول اللہ ﷺ پہ اللہ تعالیٰ نے جو حکمت اتاری اُس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوۡحٰٓى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ‌ؕ

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۹)

ترجمہ؛

”یہ وہ ہے جو خدا نے حکمت کی باتوں میں سے تم پر وحی کی ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تاہم حکمت کا اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ ہم کو انبیاء ورسل ہی کی صورت دکھائی دیتا ہے چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی حکمت ومعرفت کی بنا پہ لوگوں کو اِن امور کی تلقین کی۔اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی ممانعت، والدین سے احسن سلوک کرنے کا حکم، میانہ روی اختیار کرنے کا حکم، شکرادا کرنے کا حکم، وقت پہ نماز ادا کرنے کا حکم، اچھے لوگوں کی

صحبت اختیار کرنے کا حکم، آہستہ بولنے کا حکم لوگوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم، احسان کرنے کا حکم، نرمی اختیار کرنے کا حکم، ظلم سے رک جانے کا حکم، مظلوم کی حمایت کرنے کا حکم تکبر سے دور رہنے کا حکم، علم حاصل کرنے کا حکم ،قرابتداروں کے حق ادا کرنے کا حکم، قرض دینے کا حکم، قرض احسن طور پہ واپس کرنے کا حکم، اسراف سے باز رہنے کا حکم، زکواۃ وصدقات کا حکم، عہد کو پورا کرنے کا حکم، ناپ تول پورا رکھنے کا حکم، بچیوں کو زندہ گاڑنے کی ممانعت، رزق حلال کے حصول کا حکم، بے کسوں سے نیک سلوک کرنے کا حکم، یتیم سے شفقت کا حکم، نکاح کرنے کا حکم، طہارت و پاکیز گی کا حکم، برائیوں سے بچنے کا حکم، غیبت سے دور رہنے کا حکم، معاف کر دینے کا حکم، قتل نہ کرنے کا حکم، غیر مسلموں سے اچھے سلوک کا حکم، شیطان سے بچنے کا حکم، وسوسے میں نہ پڑنے کا حکم، کسی انجانے امر کی پیروی سے رک جانے کا حکم، حج کرنے کا حکم، قربانی کرنے کا حکم، سچ بولنے کا حکم، اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے کا حکم، حسد نہ کرنے کا حکم، بچوں سے محبت کرنے کا حکم، بیوی بچوں پہ خرچ کرنے کا حکم، ہمسایہ کا خیال رکھنے کا حکم، دیانت کا حکم، امانت کا حکم، راستہ دینے کا حکم، عمدہ بات کہنے کا حکم، جہاد کرنے کا حکم، اچھی بات کی طرف دعوت دینے کا حکم، کھانا کھلانے کا حکم، قرآن پڑھنے کا حکم قرآن پہ عمل کرنے کا حکم ،دُعا کرنے کا حکم اور دیگر بہت سے وہ احکام خیر جن کا تذکرہ یہاں ہونے سے رہ گیا ہے۔

دراصل یہ تمام احکامات اُسی منبع حکمت سے ماخوذ ہیں جس کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ‌ؕ

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ١٧۔ آیت ٣٩)

ترجمہ:

”یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پہ وحی کی ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو وہ امور ہیں جن کی عالمگیر صداقت اور سچائی کو خود انسانی فطرت تسلیم کرتی ہے اور اِن میں سے بیشتر امور کو انسان صدیوں سے اپنائے ہوئے ہے اِن کے جواب میں عرض ہے کہ یہ بھی اُسی حکمت اور فطرت کا تقاضا تھا کہ انسان کے اندر سے ہمیشہ خیر کی آوازیں اُسے امور خیر کی طرف متوجہ کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس بات کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی گئی کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو جن امور کی طرف بلا رہے اُن سے قبل بھی لوگوں کو انھی امور کی طرف بلایا جاتا رہا ہے جیسا کہ توراۃ انجیل اور زبور اس بات کے شاہد ہیں۔ ذیل میں قرآن حکیم سے اس استدلال کو مستحکم کرنے کے لیے آیات پیش کی جاتی ہیں۔

ارشاد ہوا کہ:

فَقَدۡ اٰتَیۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِیۡمَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَ اٰتَیۡنٰهُمۡ مُّلۡکًا عَظِیۡمًا ○

(القرآن الحکیم سورۃ نساء ۴۔ آیت ۵۴)

ترجمہ؛

”تو بے شک ہم نے ابراہیم کی اولاد کو کتاب وحکمت سے نوازا اور اُن کو بڑی سلطنت بخشی“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ ص میں فرمایا کہ:

وَ شَدَدۡنَا مُلۡکَهٗ وَ اٰتَیۡنٰهُ الۡحِکۡمَةَ وَفَصۡلَ الۡخِطَابِ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ صٓ ۳۸۔ آیت ۲۰)

ترجمہ؛

”اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی اور اُس کو حکمت اور قول فیصل عطا کیا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ..

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۲۵۱)

ترجمہ؛

’’اور داؤد نے جالوت کو مارا اور خدا نے داؤد کو سلطنت اور حکمت بخشی اور جو چاہتا ہے اُس میں سے کچھ سکھایا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ المائدہ میں فرمایا کہ :

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

.

(القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۵۔ آیت ۱۱۰)

ترجمہ؛

’’اور (یاد کرو) جب میں نے تجھ کو کتاب وحکمت اور توارۃ اور انجیل کی تعلیم دی‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی امت میں سے ایک نبی کے ظہور کی دُعا مانگی تو یہ اسی حکمت کا اقتضاء تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کو عطا کر رکھی تھی۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ۲۔ آیت ۱۲۹)

ترجمہ؛

”ہمارے پروردگار! انھی میں سے ایک رسول بھیج جو اِن کو تیری آیتیں پڑھ کے سنائے اور کتاب وحکمت سکھائے اور اُن کو سنوارے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا قبول فرمائی اور اپنے احسان کا اظہار یوں فرمایا:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ۲۔ آیت۱۵۱)

ترجمہ؛

”جس طرح ہم نے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کے سناتا ہے اور تم کو سنوارتا ہے۔ اور تم کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی بات کو ایک سورہ آل عمران میں اس طرح دہرایا ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ‌ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے ایمان والوں پہ کہ اُن میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کے سناتا ہے اور اُن کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔ اگر چہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کتاب وحکمت عطا کرنے کے احسان کا تذکرہ کرتے فرماتے ہوئے سورۃ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ جمعہ ۶۲۔ آیت ۲)

ترجمہ:

”وہی اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں سناتا ہے اور اُن کو پاک صاف کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور اس سے پہلے تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو حکمت ارزانی فرمائی اُس کا تذکرہ قرآن حکیم میں متعدد بار کیا گیا ہے سورۃ نساء سے چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ وَّاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا۝

(القرآن الحکیم سورۃ نساء ۴۔ آیت ۱۱۳)

ترجمہ؛

”اور اگر خدا کا فضل و کرم تجھ پہ نہ ہوتا تو اِن میں سے ایک جماعت ارادہ کر چکی تھی کہ وہ تجھے گمراہ کر دے اور وہ گمراہ نہیں کرتے لیکن اپنے آپ کو اور تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے خدا نے تجھ پہ کتاب اور حکمت اتاری اور تجھ کو وہ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پہ خدا کا بڑا فضل ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ خطاب بھی آنحضرت محمد ﷺ سے ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۹)

ترجمہ؛

”یہ ہیں حکمت کی وہ بعض باتیں جو خدا نے تجھ پہ وحی کی ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عیسیٰؑ نے قوم بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ۔

(القرآن الحکیم سورۃ زخرف ۴۳۔ آیت ۶۳)

ترجمہ:

''میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں اِن میں سے کھول دوں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ آیت عام انبیاء کے متعلق ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۸۱)

ترجمہ:

''اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دوں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو بھی اپنے اس احسان سے آگاہ کیا کہ اُس نے تم نے کتاب و حکمت اتاری ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔

(القرآن الحکیم سورۃ بقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۱)

ترجمہ:

''اور اللہ کا جو احسان تم پر ہے اور اس نے تم پر جو کتاب اور حکمت اتاری ہے ان کو یاد کرو، خدا تم کو اس سے سمجھاتا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کا اظہار بھی فرمایا ہے کہ حکمت میں سے عام لوگوں کو بھی کچھ حصہ دیا گیا ہے چنانچہ عام مومنین سے خطاب ہے کہ:

يُؤتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُؤتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ بقرۃ ۲۔ آیت ۲۶۹)

ترجمہ:

''اور خدا جس کو چاہتا ہے حکمت بخشتا ہے۔ اور جس کو حکمت بخشی گئی اس کو گویا بڑی دولت (بھلائی) سے نوازا گیا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذیل کی آیات میں خاص طور پہ امہات المومنین کو مخاطب کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی حکمت بھری باتوں کو سن کر یاد رکھا کریں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

(القرآن الحکیم سورۃ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۴)

ترجمہ:

’’اور تمھارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں سنائی جاتی ہیں اِن کو یاد رکھا کرو‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذیل میں تحریر کی گئی آیات میں رسول اللہ ﷺ کو حکمت کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا حکم دیا جارہا ہے۔

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ نحل ۱۶۔ آیت ۱۲۵)

ترجمہ:

’’اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلا اور اُن سے عمدہ طریقے سے مناظرہ کر‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ قمر میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدۡ جَآءَہُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ مَا فِیۡہِ مُزۡدَجَرٌ حِکۡمَۃٌۢ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغۡنِ النُّذُرُ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ قمر ۵۴۔ آیت ۶)

ترجمہ:

’’اور اُن کو اتنے احوال جتنے میں ڈانٹ ہوسکتی ہے پہنچ چکے ہیں یعنی موثر حکمت، تو اُن

کوڈرسنانے والے فائدہ نہیں پہنچاسکتے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر بہت سی آیات درج کردی گئی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُس خاص فضل کا ذکر فرمایا ہے جس کو حکمت کہا جاتا ہے۔قرآن حکیم میں حکمت کا جو تذکرہ آیا اس کو کم وبیش بیان کردیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے حکمت کی کیا تشریح کی ہے اس کے متعلق بھی کئی روایات تحریر کی جاچکی ہیں۔ یہاں ہم کچھ بیان حکمت کے بارے میں مستند اہل لغت اور ماہرین اسلوب قرآن کے حوالے سے تحریر کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے اس لفظ حکمت سے کیا سمجھا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم یہاں امام شافعیؒ کا قول بیان کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے حکمت کی کیا تعریف کی ہے۔

وہ کہتے ہیں:

’’میں نے قرآن کے اِن اہل علم سے جن کو میں پسند کرتا ہوں یہ سنا ہے کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت کا نام ہے۔اور آپ ﷺ کی سنت وہ حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے دل میں ڈال دی گئی‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تحقیق میں اہل علم کے اقوال نقل کئے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں امام مالکؒ کا قول ہے۔

’’دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور احکامات دین کی پیروی کا نام حکمت ہے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابن زید نے فرمایا:

''حکمت دین کا وہ حصہ ہے جو لوگوں تک صرف رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے پہنچا اور حکمت دینی عقل کا نام ہے۔اور یہ کہ حکمت سے بڑھ کے کوئی اور دولت نہیں ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ جس کو حکمت عطا کی گئی اُس کو گویا بہت بڑی بھلائی سے نوازا گیا''

✡✡✡✡✡✡✡✡

صاحب لسان العرب حکمت کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ:

''حکمت بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے سے جاننے کا نام ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امام راغب اصفہانی نے اپنی کتاب'' **مفردات القرآن** '' میں حکمت کی تشریح کچھ یوں کی ہے۔،وہ فرماتے ہیں۔

''حکمت علم اور عقل کے ذریعے سے سچی اور صحیح بات تک پہنچنا ہے،تو اللہ تعالیٰ کی حکمت چیزوں کو جاننا اور اُن کو بکمال خوبی پیدا کرنا ہے۔اور انسان کی حکمت موجودات کو جاننا اور اچھی باتوں پہ عمل کرنا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امام مالک اور ابوزرینؒ کا قول ہے۔

''دین کی سمجھ اور اس کی فہم کو حکمت کہتے ہیں جو ایک فطری ملکہ اور اللہ تعالیٰ کا نور ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مجاہد کا قول ہے۔

’’حکمت قرآن فہمی کو کہتے ہیں‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مقاتل کا قول ہے۔

’’حکمت علم اور اس کے مطابق عمل کو کہتے ہیں اور کسی شخص کو اس وقت تک حکیم نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ علم اور عمل کا جامع نہ ہو‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابو جعفر کا قول ہے۔

’’ہر وہ صحیح بات جو صحیح نتیجہ پیدا کرے اُس کو حکمت کہا جائے گا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ علماء کی اِن تشریحات کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ علمائے سلف کی حکمت کی مختلف تعبیریں دراصل ایک ہی معنی کی متعدد تفسیریں ہیں کہ حکمت معرفتِ دین، فقہ دین اور اس علمِ دین کو کہتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت سے بیان کیا اور اُس نورِ ہدایت کو بھی حکمت ہی کہا جائے گا جو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کسی کے قلب میں پیدا کر کے اُس کو روشن کر دیتا ہے۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ دراصل حکمتِ نبوی وہ نورِ نبوت اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت محمد ﷺ کے قلب وسینہ میں ودیعت کیا تھا اس لیے آپ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ سے منقول اقوال بھی دراصل اسی حکمت کا نتیجہ ہیں۔

✡ ✡ ✡

علم وحکم

اِن موضوعات کے تحت ہم یہاں خصائص رسالت سے بحث کر رہے ہیں۔علم، نبوت اور رسالت کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ اُس نے انبیاء ورسل کو ہمیشہ علم، تحمل، صبر ،حسن، حسن اخلاق، حسن معاشرت اور حکمت وحکم سے مزین کیا ہے۔ چنانچہ ربانی علم ومعرفت کا ایک مقام شرح صدر ہے جس سے گزرنے کے بعد انبیاء ورسل کو علم کے اُن جہانوں کی سیر کرائی جاتی ہے جن کا عام انسانوں کو کوئی ادراک حاصل نہیں ہوتا۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ شرح صدر کے معنی ہیں کھول دینا، سینے کی تنگی کو فراغی سے بدل دینا، تا کہ انبیاء ورسل کو وہ استعداد حاصل ہو سکے جو قبولِ وحی کے لوازم میں سے ہے۔ چونکہ اُن کو نہایت ارفع اور بھاری امانت کا بوجھ سپرد کیا جاتا ہے اس لیے اُن کو علم کی خاص دولت سے نوازا جاتا ہے جس سے وہ اس کارِ عظیم کا تحمل حاصل کرتے ہیں۔ اگرچہ عام طور پہ علم کے معنی جاننے کے ہی لیے جاتے ہیں، مگر ہر فن کے تعلق سے جاننے کی نوعیت اور معلومات کی حیثیت مختلف ہوگی۔ چنانچہ وہ علوم جن کو عمومی طور پہ ہم جانتے ہیں اُن سے انبیاء ورسل کے علوم کو کوئی نسبت نہیں بلکہ اُن کے علوم خاص اور منفرد ہوں گے۔ انبیاء ورسل کے علوم کی حقیقتِ طبع خدا کی توحید ذات وصفات، دین وشریعت اور اخلاقی تعلیمات پہ استوار ہوگی۔ اور وہ علوم جن کی ضرورت اور مصلحت دعوت وتبلیغ کے دوران انبیاء ورسل محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو پہلے سے اِن علوم کا علم عطا

فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ انبیاء ورسل جب کسی قوم میں مبعوث کئے جاتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اپنی قوم کو اسی بات کی طرف بلاتے ہیں کہ آؤ اُس بات کی طرف جس سے تم ناآشنا ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو پکارتے ہوئے فرمایا:

يَآ اَبَتِ اِنِّى قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَالَمۡ يَاۡتِكَ۔

(القرآن الحکیم سورۃ مریم ۱۹۔ آیت ۴۳)

ترجمہ:

”اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا:

وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ۔

(القرآن الحکیم سورۃ الکہف ۱۸ ۔ آیت ٦٥)

ترجمہ:

”اور ہم نے اپنے پاس سے اُس کو علم سکھایا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہاں اشارہ اُس خاص علم کی طرف ہے جس کا ادراک انسانوں کو عطا نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ علم کی یہ صورت جو ایک عطا تصور کی جاسکتی ہے وہ انسان کے طبعی ذرائع علم واستدلال اور تلاش وتحقیق کے بغیر حاصل ہوگا۔ چنانچہ وہ علم خاص جس کی بنیاد وحی پہ رکھی ہے وہی دراصل اُس خاص علم کا ماخذ ہے جو انبیاء ورسل کو عطا کیا جاتا ہے اور جس کو انسان اپنے معمول کے ذرائع یا کسب وجہد سے حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد حکم کا درجہ ہے جس کے معنی یہاں قوتِ فیصلہ کے ہیں جو

خاص طور پہ انبیاء ورسل کی صفت ہے کہ معاملات کی عمیق تہہ تک پہنچنا اور درست فیصلہ دینے کی جو قوت انبیاء ورسل کو عطا کی جاتی ہے اُس کا عام آدمی کو کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو علم کے ساتھ حکم کی صفت سے بھی نوازا ہے۔ یاد رہے کہ یہاں حکم سے مراد حکومت یا سلطنت نہیں جو عام طور پہ اردو میں حکم سے سمجھی جاتی ہے کہ یہ خاص اہل عجم کا محاورہ ہے۔ اس لیے قدیم عربی روایات اور اشعار کے مطابق علماء کے علم وحکم کا بیان جہاں بھی آیا ہے وہاں حکم سے مراد وہ قوت فیصلہ ہے جس کے نتیجے میں عدل محکم طور پہ استوار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ۔

(القرآن الحکیم سورۃ ص ۳۸۔ آیت ۲۲)

ترجمہ؛

"ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ ص مزید ارشاد ہوتا ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔

(القرآن الحکیم سورۃ ص ۳۸۔آیت ۲۲)

ترجمہ؛

"تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ المائدہ میں فرمایا کہ:

وَاَنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ مائدہ۵۔آیت۴۲)

ترجمہ؛

’’اور تو اِن کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بعض علمانے اس امر کی تصریح کی ہے کہ خاص طور پر اُن انبیاء کو حکم کی نعمت سے نوازا گیا جن پر کسی کتاب کا نازل ہونا ثابت نہیں۔چنانچہ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وحی و کتاب کے علاوہ علم وحکم کی نعمت انبیاء کو الگ سے عطا کی جاتی ہے۔چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شان بیان ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ یوسف۱۲۔ آیت۲۲)

ترجمہ؛

’’اور جب یوسف جوانی کی عمر کو پہنچا تو ہم نے اُس کو علم اور حکم عطا کیا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱۔ آیت ۷۱)

’’اور لوط کو ہم نے علم وحکم عطا کیا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے متعلق ارشاد ہوا کہ:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱۔ آیت ۷۹)

"تو ہم نے سلیمانؑ کو وہ فیصلہ سمجھا دیا اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا:

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔

(القرآن الحکیم سورۃ مریم ۱۹۔ آیت ۱۲)

ترجمہ؛

"اے یحییٰ ! کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ اور ہم نے اس کو بچپن میں ہی حکم عطا کر دیا تھا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پہ اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔

(القرآن الحکیم سورۃ جاثیہ ۴۵۔ آیت ۱۶)

ترجمہ؛

"اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت سے نوازا۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

درج کی گئی آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب حکم اور نبوت تین الگ الگ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں انبیاء و رسل کو ارزانی کی ہیں۔ ماہرین قرآن نے اِن اٹھارہ انبیاء کے نام گنوائے ہیں جن کو علم و حکم کی نعمت سے سرفراز کیا گیا۔ اِن میں حضرت، ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت الیسع علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام شامل ہیں۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ کی طرف بعض انبیاء و رسل جو علم و حکم عطا کی گیا تو یہ اُس کی خاص عطا ہے جس کی بنا پہ انبیاء و رسل اپنی قوم کے معاملات کا فیصلہ کیا کرتے تھے گذشتہ صفحات میں حکمت کا ذکر گذر چکا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمت علم و حکم سے زیادہ افضل نعمت ہے۔ اس لیے بعض جگہ تو فرمایا گیا کہ میں نے انبیاء و رسل کو علم و حکم سے نوازا اور بعض جگہ فرمایا کہ میں نے انبیاء و رسل کو حکمت عطا فرمائی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف حکمت اور علم و حکم ایک ساتھ اتارنے کا تذکرہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اُن علوم و معارف اور عطیات کی جامع تھی جو اُن سے پہلے پیغمبروں کو عطا کی جاتی رہیں۔ اس لیے کہ بہت سے انبیاء تو محض اپنی بستی کی طرف اترے تھے اُن کے مخاطبین کی تعداد کم تھی اور اُن کی شریعت کے احکامات مختصر تھے۔ جیسا کہ مورخین نے بیان کیا ہے کہ قوم بنی اسرائیل کی طرف بارہ ہزار انبیاء اترے تھے اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ ایک ساتھ کئی کئی پیغمبر ساتھ ساتھ کی بستیوں میں لوگوں کو دعوت حق دیتے نظر آتے ہیں۔ اس لیے اِیسے انبیاء کی طرف نہ تو کتاب اتری نہ ہی شریعت وہ یا تو سابقہ انبیاء کی شریعت کی تجدید کے لیے تشریف لاتے تھے یا پھر اپنی قوم کو چند مختصر احکامات کی طرف بلاتے اُن میں مشترک امر توحید تھی کہ دور دور تک شرک کے اندھیرے تھے جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جہد و سعی میں مصروف عمل رہے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بہت مختلف ہے اس لیے کہ آپ

ﷺ کو رحمت للعالمین کہہ کے پکارا گیا یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہ تو کسی قوم کی طرف خاص تھی اور نہ کسی خاص عہد سے متعلق تھی بلکہ آپ ﷺ کو تمام عالموں کے لیے رحمت اور ہمیشہ ہمیشہ کی نبوت عطا کی گئی تھی اس لیے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور رسول اترنے والا نہ تھا ۔چنانچہ قیامت تک آپ ہی کی رسالت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا۔اس لیے آپ ﷺ کو علم و حکم و حکمت اور اُن تمام فضائل سے نوازا گیا جو آپ ﷺ سے قبل پیغمبروں کو عطا کیے جاتے رہے۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت ہمہ گیر و ہمہ جہت ہے، تمام زمانوں اور تمام لوگوں کے لیے ہے۔آپ ﷺ کی رسالت انسانوں اور جنوں کو محیط ہے ۔اگر چہ آپ ﷺ کے مخاطب بظاہر اہل قریش تھے مگر اسلام کی عالمگیر دعوت جلد ہی عرب کی حدود پھلانگ گئی ۔اور رسول اللہ ﷺ کو پردہ فرمائے بیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ اسلام روم و یران کی متمدن ریاستوں میں بھی پھیل گیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام کی روشنی تمام دنیا کے اندھیروں کو دور کرنے کے لیے آئی تھی اور آج بھی دنیا کے مہیب اندھیروں کا واحد حل اسلام کے الہامی پیغام کی اطاعت میں ہے،اس لیے رسول اللہ ﷺ کو علم ،حلم ،حکمت ،شکر ،استقامت ،صبر ،رافت فصاحت و بلاغت ،خوف و دبدبہ ،نبوت اور رسالت اور کتاب و حکم سے نواز گیا تا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا پیغام تمام عالم کے لوگوں تک پہنچا سکیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

قُلۡ اِنِّیۡ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَکَذَّبۡتُمۡ بِہٖ مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَھُوَ خَیۡرُ الۡفَاصِلِیۡنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ انعام ٦ -آیت ٥٧)

ترجمہ:

”کہہ دے اے پیغمبر! کہ میں اپنے پروردگار کی کھلی دلیل پہ ہوں اور تم اس کو جھٹلاتے ہو، میرے پاس وہ نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو بلکہ فیصلہ کسی کا نہیں اللہ کا ہے جو حق

بیان کرتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے“۔

✡ ✡ ✡

ہمارے معاشرے میں لوگ مذہبی تعصب ،تنگ نظری اور علم کی کمی کی وجہ سے بہت سی ایسی باتوں کو بنیاد بنا کر آپس میں لڑتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ۔ایسا ہی ایک معاملہ انبیاء کی بشریت کا بھی ہے جس میں کوئی اشتباہ نہیں مگر لوگوں کو کیا کہیے کہ اُن کو تو جھگڑے کے لیے محض ایک موضوع درکار ہے۔

بشریت انبیاء

قدیم زمانوں سے انسان نے خالق کے تصور کو مختلف روپ دیئے ہیں اس لیے کہ اُن کا شعور اُن کو اِس بات کی طرف متوجہ کرتا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جس کی پوجا کرنا انسان کے لیے ضروری ہے تاکہ وہ انسان سے خوش ہو جائے اور انسان کی حاجات پوری ہوتی رہیں۔ چنانچہ ہر دور کے انسان نے اپنی اغراض کے لیے کسی مافوق الفطری قوت کو کھوجا ہے یونان اور ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اُن کے عجیب وغریب دیوتاؤں کی تصویر سامنے آتی ہے جن کو انھوں نے خالق کے طور پہ پہچانا۔ اہل یونان اپنے فلاسفہ کو خدا سمجھنے لگے اور ہندو اپنے رہنماؤں کو دیوتا کا اوتار قرار دیتے رہے۔ فراعین مصر خود خدا بن بیٹھے تھے تو بابل ونینوا کے بادشاہوں کو اُن کے پروہتوں نے سورج دیوتا کا عکس قرار دے کر عوام الناس کو اس بات پہ مجبور کیا کہ وہ اِن کو سجدہ کریں کہ یہی اُن کے خدا ہیں۔ عیسائیوں نے اپنے انبیاء کو خدا قرار دے لیا تھا تو یہودیوں نے اپنے انبیاء رسل کی شان کو اس قدر گھٹا دیا تھا کہ اُن کو عام انسان قرار دے دیا۔ پھر اہل عرب تھے جن میں آنحضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے تو کسی فرشتے کو اترنا چاہیے تھا آپ تو ہماری ہی طرح کے انسان ہیں۔ اہل عرب نے اپنے مشاہیر اور آبا کے بت بنا لیے اور اُن کو خدا کے شریک ٹھہراتے تھے۔ چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ اہل عرب میں مبعوث ہوئے تب یہ معاملہ انتہائی الجھ

چکا تھا اور مختلف اقوام بہت سے الجھے ہوئے نظریات کی حامی تھیں۔یہودیوں کا اپنے انبیاء کے متعلق یہ خیال تھا کہ اُن میں مستقبل کی خبریں سنانے کے علاوہ کوئی صلاحیت نہیں اور وہ بالکل عام انسان ہیں جن سے گناہ بھی ہوتے ہیں اور وہ دیگر بداخلاقیوں کا بھی شکار رہتے ہیں تو عیسائیوں نے اُن کے برعکس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھا اور اُن کو خدا یا خدا کا جز اور بعد میں خدا کا بیٹا قرار دے دیا۔پھر اسلام آیا تو اُس نے اعتدال کا وہ نظریہ پیش کیا جس کے تحت نبی اللہ کا بندہ ہوتا ہے وہ معصوم اور گناہ وعصیان سے پاک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پہ وحی کی جاتی ہے۔

اسلام نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ کا رسول خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے وہ معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتا ہے، وہ خدا کی قدرتوں سے فیض پا کر برکت سعادت اور ہدایت کا مرکز بن جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اعانت کی وجہ سے اُس کے ہاتھ سے عجیب وغریب امور صادر ہوتے ہیں جو اُسے اللہ کی طرف سے نشانی کے طور پہ عطا کئے جاتے ہیں۔وہ لوگوں کی اِن باتوں کی تردید کرتا ہے کہ جو تخیل اہل یونان، اہل ہند اور عیسائیوں اور اہل عرب میں بھی پایا جاتا تھا کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو اترنا چاہیے۔علماء نے انبیاء ورسل کی حقیقت پہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ بظاہر وہ عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں، عام انسانوں کی طرح سوتے جاگتے ہیں، عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے، بازاروں میں جاتے ہیں، نکاح کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں اور آخر میں وفات پا جاتے ہیں مگر یہ تو اُن کی وہ خصوصیات ہیں جو ایک بشر ہونے کی حیثیت سے اُن سے صادر ہوتی ہیں۔دوسری طرف روحانیت کے وہ مظاہر ہیں جن میں سے اُن کو وافر حصہ عطا کیا جاتا ہے۔اُن کو علم و معرفت اور کتاب وحکمت سے نوازا جاتا ہے اُن کو وحی کی جاتی ہے جس سے اُن کی ذات میں وہ اختصاص پیدا ہوتا ہے جو انبیاء ورسل کو عام آدمی سے ممتاز ومنفرد قرار دیتا ہے۔چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء ورسل اپنے بشری اوصاف کے لحاظ سے بلاشبہ انسان ہوتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ اپنے مافوق البشری خصوصیات کی بنا پر فوق البشر ہوتے ہیں۔چنانچہ انبیاء ورسل جب

لوگوں کو اس امر سے آگاہ کرتے ہیں کہ اُن کو اللہ کی طرف سے اُن پہ مبعوث کیا گیا ہے تو وہ اُن کی بشری خصوصیات کی بنا پہ اعتراض کرتے کہ ہم آپ کو رسول کیوں کر مان لیں جبکہ آپ بھی ہماری طرح کے ایک عام انسان ہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لیے کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا۔ چنانچہ مکہ کے قریش نے یہی اعتراض نبی اکرم ﷺ پہ کیا اور کہا کہ آپ بھی تو ہماری ہی طرح کے انسان ہیں، اس ضمن میں قرآن حکیم میں بہت سی آیات اتاری گئیں۔ کچھ آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا...

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیت ۹۴)

ترجمہ:

"کیا خدا نے بشر کو قاصد (رسول) بنا کر بھیجا ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا کہ:

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا...

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیت ۹۳)

ترجمہ:

"میں تو نہیں ہوں مگر انسان اور رسول"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ:

اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا۔

ترجمہ:

(القرآن الحکیم سورۃ تغابن ۶۴۔آیت ۶)

"کیا انسان ہماری رہنمائی کریں گے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کفار اپنے استدلال پہ مستحکم رہے اور بار بار رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی باتیں کرتے رہے کہ وہ ہمارا نبی کیسے ہوسکتا ہے جو ہماری ہی طرح اٹھتا ہے ہماری ہی طرح بیٹھتا ہے ہماری طرح جاگتا ہے، ہماری طرح سوتا ہے، ہمارے ساتھ تجارت کرتا ہے ہماری عورتوں سے نکاح کرتا ہے۔ چنانچہ وہ نہ خود ایمان لانے پہ تیار تھے بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی یہی کہتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لانے سے رُک جائیں حقیقت یہ ہے کہ اُن میں سے بہت سے ظالم جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی سچ ہے مگر وہ رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لانے سے انکاری تھے اس لیے کہ اُن کے نفس اُن کو اس بات سے روکتے تھے۔ تاہم نبی اکرم ﷺ نے اُن سے یہی کہا کہ ہاں میں تمہاری ہی طرح اللہ کا ایک بندہ ہوں مگر یہ بھی تو دیکھو کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے تاکہ میں تمہاری رہنمائی کروں۔

قرآن حکیم نے جابجا اِن مناظر کو پیش کیا ہے چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔۔

ترجمہ:

(القرآن الحکیم سورۃ ابراھیم ۱۴۔آیت۱۰)

"تم نہیں ہو مگر ہماری ہی طرح ایک بشر"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کفار قریش نے رسول اللہ کے متعلق کہا :

هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ...

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱ ۔آیت ۳)

ترجمہ:

”نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ مومنون میں فرمایا کہ :

مَاهٰذَابَشَرٌ مِّثْلُكُمْ...

(القرآن الحکیم سورۃ مومنون ۲۳ ۔آیت ۲۴)

ترجمہ:

”نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر “۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ شعرا میں ارشاد ہوا کہ :

مَا أَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ...

(القرآن الحکیم سورۃ شعرا ۲۶۔آیت ۱۵۴)

ترجمہ:

”تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ یسین میں فرمایا گیا کہ :

مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا...

(القرآن الحکیم سورۃ یٰسٓ ۳۶ ۔آیت ۱۵)

ترجمہ:

”تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور رسول اللہ ﷺ سے پہلے بھی تو کافر جو انکار پہ اڑے ہوئے تھے انھوں نے اپنے نبیوں سے یہی کہا تھا۔

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا...

(القرآن الحکیم سورۃ ھود ۱۱ ۔آیت ۲۷)

ترجمہ:

”تم لوگ تو ہماری ہی طرح بشر ہو“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ ابراہیم میں فرمایا گیا کہ :

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ ابراھیم ۱۴ ۔آیت ۱۱)

ترجمہ:

”اُن کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں، لیکن خدا اپنے بندوں میں سے جس پہ چاہتا ہے احسان کرتا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کفار کی نگاہ عام طور پہ انبیائے علیہ السلام کی بشریت پہ ہی مذکور رہتی جس کا جواب انبیاء نے اُن کو اس طرح دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم تمھاری ہی طرح اللہ کے بندے ہیں مگر ہم وہ لوگ ہیں جن پہ اللہ تعالیٰ نے فضل واحسان کی بارش کر دی ہے، اُس نے ہمیں نبوت سے سرفراز کیا ہے ہم پہ وحی کی ہے اور ہمیں اُن باتوں سے آگاہ کیا ہے جن سے تم آشنا نہیں ہو۔ چنانچہ دوسرے انبیاء ورسل کی طرح خود رسول اکرم ﷺ کو بھی اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا اور قریش نے بھی رسول اکرم ﷺ کی ذات پہ وہی اعتراض کیا جو اِن سے پہلے کی قومیں انبیاء علیہ السلام پہ کیا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو جواب دیا ہاں میں تمھاری ہی طرح ایک بشر ہوں مگر مجھے وحی کی جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں متعدد جگہوں پہ آنحضرت محمد ﷺ کی بشریت کا اعلان کیا ہے مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور خدا کے مقابلہ میں رسولوں کی عبدیت کی تشریح کی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس عقیدہ باطل کی تردید بھی گئی کہ رسولوں کے ہاتھ میں یہ قوت ہوتی ہے کہ وہ خدا باری تعالیٰ سے کسی بات کو زبردستی منوا سکیں اور سعی وسفارش سے کسی کے قصور معاف کرا دیں۔ قرآن حکیم کی تعلیم یہ ہے کہ انبیائے رسل کو جو کچھ حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذان سے اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور مشرکوں کے بارے قرآن حکیم کا فیصلہ بہت واضح ہے۔

چنانچہ سورۃ کہف میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ کہف ۱۸۔آیت ۱۱۰)

ترجمہ:

"کیا وہ جنھوں نے کفر کیا یہ سمجھے ہیں کہ میرے بندوں (رسولوں اور فرشتوں) کو

میرے سوا اپنا حمائتی بنالیں گے، ہم نے اِن کافروں کے لیے جہنم تیار کی ہے۔ کہہ دے کہ میں تو تمہاری طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بعینہٖ اسی بات کو ایک اور مقام پہ بیان کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسۡتَقِیۡمُوۡۤا اِلَیۡہِ وَاسۡتَغۡفِرُوۡہُ ؕ وَوَیۡلٌ لِّلۡمُشۡرِکِیۡنَ ۙ

(القرآن الحکیم سورۃ حمٓ سجدہ ۴۱ ۔آیت ۶)

ترجمہ؛

”کہہ دے کہ میں تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں مجھ پہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کی طرف سیدھے رہو اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو خرابی ہے شرک کرنے والوں کے لیے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر تحریر کی گئی آیات سے جہاں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی بشریت کا اظہار ہو رہا ہے وہاں اہل نصاریٰ کے اس بنیادی عقیدے کا ابطال بھی مقصود ہے جس کے تحت اُن کا خیال ہے کہ لوگوں کے گناہوں کو معاف کرنے کا اختیار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہے۔ اہل نصاریٰ اپنے اس عقیدے کو کفارے کا نام دیتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو سولی پہ چڑھایا گیا تو یہ ایک کفارہ تھا جو انھوں نے اپنی امت کی طرف سے ادا کر دیا اور اب اُن کی امت جو چاہے گناہ کرے وہ انھیں بچا لیں گے ظاہر ہے کہ یہ ایک احمقانہ عقیدہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس بات کو کھول کے بیان کر دیا ہے کہ نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پہ چڑھنے

دیا گیا اور نہ انھوں نے اپنی امت کا کوئی کفارہ ادا کیا۔اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو اُن کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا اور انھیں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے عقائد کو درست رکھیں اور اصل عقائد کو جاننے کی سعی کریں اور اپنے رسول سے عقیدت مندی کے باوجود کسی ایسے امر کی توقع نہ کریں جو قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو اور نہ ہی وہ اہل نصاریٰ کی طرح اپنے نبی سے ہی نجات مانگنا شروع کر دیں بلکہ مانگنے کی اصل جگہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا در ہے اور اسی بات کو بار بار اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل نے دہرایا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے اُن احمقانہ مطالبوں کا تذکرہ کیا ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ سے کیا کرتے تھے اہل قریش کا ایک اعتراض تو اوپر درج کر دیا گیا ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کو یہ کہہ کے تنگ کیا کرتے کہ آپ تو ہماری ہی طرح کے انسان ہیں پھر ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول کیوں کر مان لیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پہ کوئی نشانی بھی نہیں اتاری۔وہ دن رات رسول اللہ ﷺ سے احمقانہ مطالبات کرتے رہتے جس سے اُن کا مقصد حقیقت کو تسلیم کرنا تو قطعی نہ تھا بلکہ وہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کو محض اذیت دینے کے لیے ایسا کیا کرتے تھے۔

کبھی وہ کہتے کہ اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں تو آپ کے دائیں بائیں اللہ تعالیٰ کے پر ہیبت فرشتے نظر کیوں نہیں آتے۔

کبھی وہ کہتے اگر آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اُحد پہاڑ کو سونے کا بنا دیں تا کہ آپ کی قوم کی تنگ دستی دور ہو سکے پھر ہم آپ پہ ایمان لے آئیں گے۔

اور کبھی وہ کہتے اپنے رب سے کہیں کہ مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے دور ہٹا دیں اور اہل یمن کی طرح یہاں رواں دواں نہریں بہا دیں تب ہم آپ پہ ایمان لائیں گے۔

کبھی وہ کہتے آپ ہمارے سامنے آسمان پہ چڑھ جائیں اور جب آپ نیچے اتریں تو آپ کے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی طرف دی گئی کتاب ہو جس کے بعد ہم آپ پہ ایمان لانے کے بارے میں سوچیں گے۔

کبھی وہ کہتے آپ ہمارے لیے چاند کے دو ٹکڑے کردیں۔

کبھی وہ کہتے جو فرشتہ آپ کے پاس اترتا ہے وہ ہمارے سامنے آکے آپ کی رسالت کی گواہی دے تب ہم آپ پہ ایمان لے آئیں گے۔

یہ اور اس طرح کے بہت سے مطالبات تھے جو اہل قریش رسول اللہ ﷺ سے کیا کرتے تھے۔قرآن حکیم میں بھی اُن کے اِن مطالبات کا تذکرہ موجود ہے۔سورۃ بنی اسرائیل سے کچھ آیات پیش کی جاتی ہیں چنانچہ اہل قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے یہ اور یہ مطالبات مان لیں تب ہم آپ پہ ایمان لے آئیں گے۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا (90) أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (91) أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (92) أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیات ۹۳۔۹۰)

ترجمہ:

”اور انھوں نے کہا ہم تم پہ ایمان اُس وقت تک نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ نہ بہادو، یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ نہ ہو جائے، یا جیسا کہ تم کہتے ہو آسمان کے ٹکڑے کر کے ہم پہ نہ گراؤ، یا خدا کو اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ، یا تمھارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے، یا تم آسمان پہ نہ چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا ہم کو اس وقت تک یقین نہ آئے گا جب تک کہ تم وہاں سے ایک نوشتہ ہم پہ نہ اتار لاؤ، جس کو ہم پڑھ لیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ اور اس طرح کی بہت سی لایعنی باتیں تھیں جن کا مطالبہ اہل قریش رسول اللہ ﷺ سے کیا کرتے تھے۔ یادرہے کہ اللہ کے نزدیک یہ امور مشکل اور محال نہ تھے لیکن نبوت کے اوصاف کو اِن بازیگرانہ تماشوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو نہایت نرمی اور رافت سے سمجھایا کہ میرے منصب کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم لوگوں کی بھلائی اور تعلیم و تزکیہ کے لیے مبعوث کیا ہے اور مجھ پہ کتاب اتاری ہے جس میں حقیقت کی وہ باتیں ہیں جن کا تم کو کوئی شعور نہیں۔ میں اللہ کا رسول ہوں کوئی بازیگر نہیں کہ تمہارے مطالبوں پہ تماشا کرنا شروع کردوں۔ میرے پاس تمہارے لیے ہدایت ہے اگر تم اس کو قبول کروگے تو اس میں تمہاری بھلائی ہے اور اگر تم اس پہ کان نہ دھروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ کفارِ قریش کے اِن فضول مطالبوں کا نبی اکرم ﷺ نے جو جواب دیا اُسے قرآن حکیم سے تحریر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل ہی میں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰٓى اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۝ قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوۡلًا ۝

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔آیات ۹۵۔۹۳)

ترجمہ؛

کہہ دے اے پیغمبر! سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں رسول، اور لوگوں کو جب اُن کے پاس ہدایت آئی ایمان لانے سے باز نہیں رکھا، مگر اس خیال نے کہ خدا نے بشر کو رسول

بنا کر بھیجا ہے۔ کہہ دے اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم آسمان سے فرشتوں کو رسول بنا کر اُن کی طرف اتارتے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے جب اہل قریش کو دین حق کی طرف بلایا تو انھوں نے آپ ﷺ کے سامنے مطالبات کا انبار لگا دیا۔ اگر چہ یہ بات منصبِ رسالت سے فروتر تھی کہ آپ ﷺ اُن کے ہر مطالبے کو پورا کریں مگر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اِن باتوں سے اِن کا مطلب ہدایت قبول کرنا ہرگز نہ تھا اس لیے اگر رسول اللہ ﷺ نے اُن کا کوئی مطالبہ پورا بھی کیا تب بھی انھوں نے حق سے انکار ہی کیا۔ اس لیے کہ اُن کا نفس حق قبول کرنے پہ آمادہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ ایک بار جب ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ کو بہت تنگ کیا اور بہت قسمیں کھائیں کہ اگر آپ اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے کر دیں تو قوم قریش آپ ﷺ پہ ایمان لے آئے گی۔ تب نبی اکرم ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور چاند ٹوٹ گیا تقسیم ہو کے ایک حصہ آسمان کے مغربی کنارے جا ٹکا تو دوسرا ٹکڑا مشرق کی طرف جا ٹکا۔ کفار یہ نظارہ دیکھ کے مبہوت رہ گئے مگر چونکہ ہدایت قبول کرنا اُن کے نصیب میں نہ تھا اس لیے وہ اس قدر روشن اور واضح نشانی دیکھ لینے کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہے۔ اگر چہ اللہ تعالیٰ کو رسول اللہ ﷺ نے بہت سی نشانیوں سے نوازا تھا اور نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ سے بہت سے معجزات ظہور پذیر ہوئے جن کا بیان اپنی جگہ پہ آئے گا۔ چنانچہ معجزات دیکھنے کے باوجود بھی وہ ایمان لانے سے محروم رہے اور اس کو کھلا جادو قرار دیا۔ قرآن حکیم میں اُن کے اس رویے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۔

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱ ۔آیت ۳)

ترجمہ؛

''یہ تو تمھاری ہی طرح بشر ہے کیا تم دیکھ بھال کر بھی جادو کے پاس آتے ہو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

انھوں نے معجزے کو جادو کہا اور حق سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اُن سے فرمایا کہ تم نبوت اور رسالت کو نہیں جانتے تو اُن سے پوچھ لو جن پہ تم سے پہلے رسول اترے تھے اور جن کو کتاب سے نوازا گیا تھا۔ چونکہ اہل عرب یہودیوں کو اہل کتاب اور صاحب رسالت قوم کے طور پہ جانتے تھے اس لیے اُن سے فرمایا گیا یہود سے پوچھ لو جن پہ آسمان سے کتابیں نازل ہوئی ہیں۔

ارشاد ہوا کہ:

وَمَا اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱ ۔آیت ۷)

ترجمہ؛

''اور ہم نے بھیجا رسول بنا کر تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ جاننے والوں سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے تو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورۃ یوسف میں بھی اہل قریش کو یہی مشورہ دے گیا۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ۔

(القرآن الحکیم سورۃ یوسف ۱۲ ۔آیت ۱۰۹)

ترجمہ:

"اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے وہ بشر ہی تھے آبادیوں کے رہنے والے، اور ہم اُن پر وحی کرتے تھے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی بات کو سورۃ نحل میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَۙ ○ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ‌ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ نحل ۱۶ ۔ آیات ۴۳-۴۴)

ترجمہ:

"اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے لیکن انسانوں کو جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے تو پوچھ لو کتاب والوں سے اگر تم نہیں جانتے، کھلی نشانیاں اور کتابیں دے کر۔ اور ہم نے تم پر کتاب (ذکر) اتاری تاکہ تم کھول کر لوگوں سے بیان کرو، جو اُن کی طرف اتارا گیا تاکہ وہ سوچیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اوپر پیش کی گئی مثالوں سے یہ اشتباہ راہ نہ پانے پائے کہ انسان اور اللہ کے رسول ہر حوالے سے ایک جیسے ہیں۔ اس اشتراک کا تعلق صرف ظاہری اور جسمانی ہیت سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسان رہ کر بھی اخلاقی، روحانی، دماغی، قلبی، علمی اور عملی حیثیت سے ہمیشہ عام

انسان سے بہت ارفع، بلند تر اور اعلانیہ ممتاز ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی اور غیر نبی کے مابین صرف وحی کے امر فارق ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ نبی القائے ربانی سے متصف ہونے کے باوجود انبیاء رسل عام انسانوں کی طرح گناہ وعصیان میں مبتلا رہتا ہے یا اوصاف وکمال اور عیوب ونقائص میں عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے۔اس لیے کہ یہ کہنا ایسے ہی ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ جاہل اور عالم میں صرف علم کا فرق ہے ورنہ تو وہ دونوں برابر ہی ہیں۔ حالانکہ علم کے اوصاف انسان کو اعلانیہ ممتاز اور منفرد قرار دیتے ہیں جاہل اور عالم میں عقل اخلاق، تہذیب، سلیقہ رائے، حکمت اور دانائی کا واضح فرق موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ نبی اور غیر نبی میں اگر صرف وحی کے فرق کو ہی نگاہ میں رکھیں تب بھی وحی کے حوالے سے اُن سینکڑوں لوازم خصائص اور اوصاف کو فارق تسلیم کرنا پڑے گا جو استعدادِ وحی کے لیے ضروری متصور ہوں گے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب "**سیرۃ النبی**" میں اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"انسان کے لیے جتنے اوصاف وکمالات ممکن ہیں اِن سب کی اعلیٰ سے اعلیٰ جانب کمال تک پہنچنا ممکن ہے۔اور جو وہاں تک پہنچ جاتے ہیں وہ اپنے جسمانی اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان ہونے کے باوجود اپنے دوسرے قویٰ میں عام انسانوں سے یقیناً بلند اور ممتاز ہوتے ہیں۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ جسمانی قوت کا ایرانی ہیرو رستم انسان نہ تھا، علم وعقل کا انسانی مجسمہ ارسطو انسانیت سے پاک تھا اور موجودہ دنیا کی بہت سی حیرت انگیز ایجادات کرنے والا ایڈیسن بشر نہیں، لیکن اس انسانیت اور بشریت کے اشتراک کے باوجود اپنے اپنے دائرہ میں یہ لوگ عام انسانوں سے بلند تر اور ممتاز تھے۔ بااِیں ہمہ وہ اپنے جسمانی خصائص میں یعنی چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے امور میں عام انسان ہی ہیں اور مخلوق انسان بلکہ مجبور انسان ہیں۔ جیسے دوسرے کمزور جاہل اور بلید الذہن انسان۔ یہی مثال ایک

معنی میں انبیائے کرام علیہ السلام کی بھی ہے کہ وہ غیر نبی انسانوں کے ساتھ بہت سے انسانی اوصاف میں شریک ہونے کے باوجود وحی اور اس کے خصائص اور لوازم میں اِن سے صریحاً الگ، بلند اور اعلیٰ بلکہ جسمانی خصائص میں بھی ان سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر جب صحابہ بھی آپ ﷺ کی پیروی میں کئی کئی دن تک متصل روزہ رکھنے لگے تو آپ ﷺ نے صحابہ کو منع فرماتے ہوئے فرمایا! تم میں کون میرے مثل ہے مجھے تو میرا رب کھلاتا ہے اور میرا رب ہی مجھے پلاتا ہے کیا تم انسانوں کو بھی یہ روحانی غذا اور روحانی سیرابی میسر آتی ہے۔ وحی کے علاوہ بعض دوسری حیثیتوں سے بھی مثلیث کی اس میں نفی نہیں کی۔ اس طرح نیند کی حالت میں بھی نبی کے قلب اور اس کے احساسات کا غافل نہ ہونا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

وَكَذٰلِكَ الْاَنْبِيَآءُ تَنَامُ اَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ

میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔

صحیح بخاری (باب الاسرار)

اور اسی طرح سب انبیاء ہیں جن کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل نہیں سوتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سب لوگ جانتے ہیں کہ عام آدمی اِن خصائص سے محروم ہوتے ہیں۔ اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ صحابہ کو نماز پڑھاتے ہوئے فرمایا کرتے اپنی صفیں سیدھی کر لو اس لیے کہ میں تم کو پیٹھ پیچھے سے بھی ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے دیکھا جاتا ہے ۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف انبیاء کی ہے عام انسان اس طرح نہیں دیکھ سکتا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ انبیاء ورسل بظاہر عام انسانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں مگر حقیقت میں اُن کا مرتبہ ومقام کس قدر بلند ہے اس کا حقیقی ادراک صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔انسان تو اس افتراق کا ادراک تک حاصل نہیں کرسکتا جو عام آدمی اور انبیائے علیہ السلام میں ہے۔انبیاء تو فرشتوں کو آسمان کے کناروں سے دیکھتے ہیں اور اُن کی بصارت اور بصیرت کے مدارج تک انسانی تخیل پہنچ ہی نہیں سکتا۔چنانچہ نبی اور غیر نبی میں صرف وحی ونبوت کا جو فرق ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ اِن دونوں میں وحی ورسالت کے تمام لوازم،خصوصیات اور ضروری اوصاف میں فرق اور امتیاز ہے اسی لیے کسی کو صاحب وحی ماننے کے ساتھ ہی اس کو اِن تمام اوصاف ولوازم اور خصوصیات کا مالک بھی ضرور ماننا پڑے گا۔

تذکیہ و تذکیر

جب سے یہ دنیا بنی ہے تب سے انسانوں کو ڈرانے کا سلسلہ جاری ہے، تب سے انسانوں کی رہنمائی منزل کی طرف کی جارہی ہے، تب سے انسان کو جادۂ مستقیم کی طرف متوجہ کیا رہا ہے، تب سے چراغوں میں روشنی کی جارہی ہے، تب سے بہاریں انسانوں کو احساس لطیف مہیا کر رہی ہیں، تب سے صدائے فلاح دی جارہی ہے، تب سے انسانوں کو طہارت کی طرف بلایا جا رہا ہے، تب سے عقلوں کو راستی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، تب سے انسان کو کامرانی کے گُر سکھائے جارہے ہیں، تب سے انسان کے رستوں کا تعین کیا رہا ہے، تب سے انسانی آرزو کو ہوائے نفس سے روکا جارہا ہے، تب سے ہدایت کے اجالے کیے جارہے ہیں، تب سے انسان کو روحانی برتری کی طرف بلایا جارہا ہے، تب سے دالانوں میں رحمت کے سائے پھرتے ہیں، تب سے بستیوں میں سکھ بانٹنے والے پھرتے ہیں، تب سے حقیقت کے صحیفے اترتے رہے ہیں، تب سے حق کے روشن چراغ رستوں میں روشن کیے جاتے رہے ہیں، تب سے نخلستانوں سے مہکتی صبا گزرتی ہے، تب سے ویرانوں میں برکھا برستی ہے، تب سے اللہ کے پیغمبر انسانوں کی راہ حق کی طرف بلاتے رہے ہیں مگر تب سے ہی لوگوں نے پیغمبروں کی باتوں کو پس پشت ڈالا اور خسارے کا شکار رہے ہیں۔ چنانچہ یہ ایک ازلی کشمکش ہے جو روزِ اول سے جاری ہے کہ انسانوں کو ہدایت کی طرف بلایا جارہا ہے مگر انسانوں کی اکثریت اپنے نفس کی مقید نظر آتی ہے

اور ذرا سی لذت کی خاطر ہمیشہ کے نفع کو پس پشت ڈالتی چلی آئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام وپیشوا اور ہادی ورہنما بنایا ہے۔اُن کی ذات کو نبوت اور وحی کی خصوصیت سے سرفراز فرمایا ہے۔اُن کی ذات مجسم ہدایت ورہنمائی اور امامت وپیشوائی کے لیے خاص ہوتی ہے۔اُن کے فرائض میں اول یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھائیں اور ضلالت وگمراہی سے بچائیں ۔انبیاء ورسل کی ذات اُس قوم کے لیے نمونہ ہوتی ہے جس میں وہ مبعوث کئے جاتے ہیں اور اُن کی ہدایت کے لیے وہ آیات اور احکام روشن چراغوں کی طرح ہوتے ہیں جن کی پیروی کا حکم اُن کو اُن کا رسول دیتا ہے۔

انبیاء علیہ السلام کا عموماً اور آنحضرت محمد ﷺ کا خصوصاً ایک امتیازی وصف تزکیہ ہے۔تزکیہ کے لفظی معنی پاک وصاف کرنے کے ہیں، نبوت محمدیہ کے اوصاف کا ذکر اِن آیتوں میں ہے جن میں آپ ﷺ کی یہ توصیف کی گئی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ کے سناتے ہیں اور اُن کا تزکیہ کرتے ہیں۔چنانچہ آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت، فیضان صحبت، حسن اخلاق، پندو موعظت اور تبلیغ ودعوت کی تاثیر سے برے اچھے، بدنیک اور اشرار اخیار بن جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے اس وصف کا اظہار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کا تزکیہ کرتے اور اُن کو کتاب وحکمت سکھاتے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۱۶۴)

ترجمہ:

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے ایمان والوں پہ کہ اُن میں انھی میں سے ایک

رسول بھیجا جواُن کو اس کی آیتیں پڑھ کے سناتا ہے اور اُن کو سنوارتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔اگر چہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱۲۹)

ترجمہ:

”ہمارے پروردگار! اور انھی میں سے ایک رسول بھیج جو اِن کو تیری آیتیں پڑھ کے سنائے اور کتاب وحکمت سکھائے اور اُن کو سنوارے بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بقرہ میں ہی آگے جا کے ایک اور جگہ فرمایا گیا کہ :

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۱۵۱)

ترجمہ:

”جس طرح ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کے

سناتا ہے اور تم کو سنوارتا ہے۔ اور تم کو کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِن آیات سے یہ بات واضح ہو کے سامنے آگئی ہے کہ انبیاء ورسل کا سب سے اہم فریضہ دعوت وتبلیغ، تزکیہ وتذکیر اور انذار وتبشیر ہی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جو سچائی اُن کو اللہ کی طرف سے ملی ہوتی ہے، جو علم انھیں اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا ہوتا ہے، جو خبریں انھیں خالق کی طرف سے پہنچائی جاتی ہیں، انبیاء کا کام اُس پیغام کا اُن خبروں کا لوگوں تک پہنچا دینا ہوتا ہے اور اُس سچائی سے اپنے ہم جنسوں کو مطلع کرنا، اُس علم کو لوگوں تک منتقل کرنا، اُن خبروں سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہی پیغمبروں کی اولین ترجیح ہوا کرتی ہے۔ اور جو مالی، جانی لسانی، دماغی، روحانی اور اخلاقی طاقتیں انبیاء ورسل کے دامن میں ہوتی ہیں اِن تمام کو وہ اس دعوت وتبلیغ کی راہ میں لٹا دیتے ہیں۔ اور اس دعوت وتبلیغ کی راہ میں انھیں جو بھی مصیبتیں پیش آئیں، جو بھی مشکلات اُن کا راستہ روکیں، اس وادی میں جو بھی کانٹے اُن کے پاؤں میں جگہ بنائیں، وہ اِن مشکلات کو سعادت سمجھتے ہیں، اِن مصیبتوں پہ صبر کرتے ہیں، اُن کانٹوں کو باعثِ اعزاز جانتے ہیں جو اس راہ میں اِن کی اذیت کا باعث بنتے ہیں۔

اُن کے فرائض میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حق کی اُس آواز کو جو وہ پیش کر رہے ہوتے ہیں اس کی مخالفت میں اٹھنے والی ہر صدا کا گلا طاقت سے گھونٹ دیں۔ چنانچہ انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ وہ عزم وہ حوصلہ اور وہ قوت عطا فرماتے ہیں جس کو بروئے کار لا کر وہ طاغوت کی ہر اُس قوت کے مقابلے میں سرخرو ہو کے نکلتے ہیں جو اُن کی راہ میں رکاوٹ ڈالے۔ اُن کے مال ومنال، اہل وعیال، سلطنت وحکومت، اقتدار ورتبہ غرض جو چیز بھی اس سفر میں سنگِ راہ ہو کر اُن کے سامنے آئے اُس کو ہٹا دینا ہی وہ اپنے منصب کا تقاضا جانتے ہیں اور اُن کی اس ساری کوشش وکاوش کا مقصد خدا کی رضا مندی، مخلوق کی خیر خواہی اور اپنے فرائض رسالت کی

ادائیگی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی انبیاء ورسل دنیا میں لوگوں کی فلاح کے لیے تشریف لائے ہیں انھوں نے اپنے فرائض کو نہایت ایثار اور تندہی سے ادا کیا ہے اور اپنے فرض کی ادائیگی میں ایک لمحے کی بھی کوتاہی نہیں کی۔اس لیے آج اس دنیا میں محبت کے جو رنگ ہیں،نرمی و رافت کے جو اسلوب ہیں،نیکی اور بدی کا جو غلغلہ ہے،حق اور سچ کی جو پہچان ہے،خدا اور شیطان کی جو شناخت ہے مظلوموں کی اعانت کا جو داعیہ ہے، ظالم کے ہاتھ روکنے کی جو رسم ہے،سطح زمین پہ خیر کے جو نشانات ہیں،انسانوں کے دل میں جو روحانی سکون ہے،امانت و دیانت کی جو روایت ہے زمین کی پہنائیوں اور آسمانوں کی وسعت میں انسانی ہاتھ کی جو رسائی ہے، ہمدردی اور احسان کی جو عادت ہے،محبت اور الفت کی جو لہریں ہیں، حکایتِ جنوں کا جو فسوں ہے بہاروں کا احساس طرب اور خزاں کا جو حزن و یاس ہے،خالق کی تلاش کی جو جستجو ہے،جذبوں کی شدتوں کا جو احساس ہے،رشتوں کی حدت کا جو فسوں ہے،گُل کی مسکراہٹ سے بکھرتی جو خوشبو ہے،آس و یاس کا جو سحر ہے،علم و کاوش کی جو جہد و سعی ہے،مہمان کی دلنوازی میں جو سکوں ہے،رکوع و سجود کا جو مقام ہے،امن و آشتی کی جو روایت ہے،عقل و خرد کی جو حکمرانی ہے،قرآنی آیات کی جو نشانی ہے،محراب و منبر کی جو فروانی ہے،ہر سو عشق و مستی کی جولانی ہے فکر و تدبر کی جو قدر دانی ہے یہ سب بالواستہ یا بلا واسطہ انھی انبیاء ورسل کی جہد و سعی کا سمر ہے۔

چنانچہ دنیا کے بڑے بڑے شعرا، بڑے بڑے حکماء، بڑے بڑے مفکر اور بڑے بڑے فلسفیوں نے اپنی تعلیمات کا محور اپنی ذات کو قرار دیا اور علمی تکبر کا شکار رہے اپنے علم اور فکر و تدبر کا بہت کم حصہ انھوں نے لوگوں کی طرف منتقل کیا بلکہ اُن کی اس ساری جہد و سعی اور کاوش کا مرکز شہرت اور جاہ مرتبت کا حصول رہا۔اسی لیے بڑے بڑے شاعر اور بڑے بڑے فلسفی ہمیں بادشاہوں کے ارد گرد کھڑے نظر آتے ہیں تاکہ وہ اپنے علمی برتری کا کچھ بدل حاصل کر سکیں۔اُن کے برعکس انبیاورسل نے اپنے رب سے جو کچھ پایا اُس کو نہایت دلجمعی سے لوگوں تک منتقل کیا،انھوں نے کبھی شہرت اور جاہ منصب کا تقاضا نہ کیا، بلکہ لوگوں سے برملا کہا کہ میں

اپنے اس کام کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا بلکہ مجھے صرف اپنے رب کی رضا مقصود ہے جو مجھے اسی صورت حاصل ہو سکتی ہے جب میں اُس کا پیغام من وعن تم تک پہنچادوں۔ چنانچہ انبیاء ورسل جس صداقت کو اپنے خالق کے ہاں سے پاتے ہیں اُس کو دوسروں کے سمجھانے اور ہر ممکن طریق سے اس کو پھیلانے اور اہل دنیا کو اس کے باور کرانے میں اپنی پوری قوت اور تمام دستیاب وسائل خرچ کر دیتے ہیں وہ ہر مشکل کو جھیل کر نافہموں کو حقیقت سمجھاتے ہیں اور اندھوں کو راہ راست دکھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل نے نہایت استقامت اور استقلال سے اپنے فرائض کو ادا کیا ہے اس لیے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اُن کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے محض چند آیات تحریر کرنے پہ اکتفاء کیا جائے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

نِ لَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا O

(القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب ۳۳۔آیت ۳۹)

ترجمہ:

”جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور اُس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ہی کافی ہے (اعمال کا) حساب لینے کے لیے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خالق کی طرف سے حکم دیا گیا کہ فرعون کو جا کے ڈرا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔

(القرآن الحکیم سورۃ طٰہٰ ۲۰-آیت۲۴)

ترجمہ:

''فرعون کے پاس کے جا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول ﷺ کو اللہ کی تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا جاتا ہے کہ آپ کھل کے اپنی قوم یعنی قریش کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سنائیں وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اللہ کے جلیل القدر اور طاقت ور فرشتے آپ کی حفاظت پہ متعین ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ مائدہ ۵-آیت۶۷)

ترجمہ:

''تیرے رب کے پاس سے جو تیری طرف اترا ہے اُن کو پہنچا دے اور تو نے نہ کیا تو اس کے پیغام کے پہنچانے کا فرض ادا نہیں کیا، اللہ تجھے لوگوں سے بچا لیں گے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

انبیاء و رسل اللہ کا جو پیغام لے کر لوگوں کی طرف اترتے ہیں اُس میں وہ لوگوں کو اللہ سے ڈراتے ہیں اور ساتھ ہی اطاعت اختیار کرنے والوں کو کامیابی اور فلاح کی خوشخبری بھی سناتے ہیں۔ وہ لوگوں کو آگاہ کرنے کی حجت پوری کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ الانساء ۴۔آیت ۱۶۵)

ترجمہ:

"یہ سب پیغمبر خوشخبری سناتے اور ہوشیار و بیدار کرتے ہوئے آئے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللہ کے پیغمبر ہمیشہ سے نہایت دلسوزی، خیر خواہی اور اخلاص کے ساتھ پیغام الٰہی کو منتقل کرتے رہے ہیں جیسا کہ سورہ الاعراف کی اس آیت سے ظاہر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ۔

(القرآن الحکیم سورۃ اعراف ۷۔آیت ۶۸)

ترجمہ:

میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار اور خیر خواہ ہوں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الاعراف میں ہی مزید ارشاد ہوا کہ:

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ اعراف ۵۔آیت ۷۹)

ترجمہ:

"اے میرے لوگو! میں اپنے رب کا پیغام تم کو پہنچا دیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کر چکا ہوں، لیکن تم خیر خواہوں کو پیار نہیں کرتے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ بھی فرمایا کہ:

یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃاعراف ۵۔آیت۹۳)

ترجمہ؛

''اے میرے لوگو! میں اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا چکا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کر چکا ہوں تو پھر کیسے نہ ماننے والے لوگوں پہ غم نہ کھاؤں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورۃ ھود میں فرمایا گیا کہ :

لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ --

(القرآن الحکیم سورۃھود ۱۱۔آیت۵۱)

ترجمہ؛

''میں اپنی نصیحت کی تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو اُس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔''

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہ کچھ منتخب آیات تھیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف انبیاء ورسل کی جہد وسعی کو سراہا گیا دوسری طرف انبیاء کی وہ امتیں تھیں جن کی طرف اللہ کے پیغمبر اترتے رہے۔انبیائے الٰہی کی ہر تاریخ اس واقعہ کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ گمراہ اور بدکار قوموں میں مبعوث ہوئے اور دعوت وتبلیغ اور تزکیہ اور تذکیر کے عوض انھوں نے ہر قسم کی اذیتیں اٹھائیں، دکھ اور تکلیفیں برداشت کیں۔قریش رسول اللہ ﷺ کی راہ

میں کانٹے بچھا دیا کرتے تھے، اُن کو اذیت دیتے تھے، ذہنی بھی اور جسمانی بھی۔ مگر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی پشت پہ تھے اس لیے قریش کے ہر جبر و ستم اور انکارِ حق کی تمام تر شدتوں کے باجود آخری کامیابی رسول اللہ ﷺ ہی کو عطا کی گئی۔ انبیاء و رسل کا معاملہ اسی طرح کا ہے انھوں نے مصیبتیں اور دکھ اٹھائے مگر آخر وہ جہالت کی تاریکی کو روشنی سے بدلنے میں کامیاب رہے۔ انھوں نے لوگوں کو توحید کی راہ دکھائی اور ہمیشہ کے لیے اُن کی اس جہد و سعی کی تاثیر کا فیض جاری ہے۔ اُن کا وصف تزکیہ وحی و الہام کے علاوہ اِن کے جسم و جاں اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے، خواہ اُن کی زبان اُس وقت وحی الٰہی سے مترنم ہو یا خاموش ہر آن آفتاب حق کی کرنیں مطلع نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی زمین روشن کرتی رہتی تھیں۔

✡ ✡ ✡

آیات اللہ، ایک تعارف

یہ موضوع اپنی وسعت اور ماہیت کے حوالے سے بے حد اہم ہے۔ہم مقدور بھر کوشش کریں گے کہ اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پہ روشنی ڈال سکیں۔اس عنوان کے تحت ہم اُن مشاہدات اور کیفیات کا بیان کریں گے جو انبیاء و رسل کو اُن کی زندگی میں دعوت و تبلیغ کے دوران پیش آتے ہیں۔اردو زبان میں اللہ کی اِن نشانیوں کو معجزات کہا جاتا ہے۔علمائے سلف نے بیان کیا ہے کہ معجزہ کا یہ لفظ اُن خرقِ عادت واقعات کے لیے غیر موزوں اور کئی حوالوں سے اجنبی ہے اس لیے کہ قرآن و سنت میں انبیائے رسل کو پیش آنے والے خرقِ عادت واقعات کے بارے میں کہیں بھی یہ لفظ معجزہ استعمال نہیں کیا گیا۔بلکہ اس جگہ جہاں رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ سے کوئی خرقِ عادت بات ظاہر ہوئی وہاں آیت یعنی نشانی اور برہان یعنی دلیل کے لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔محدثین کے ہاں اس امر کے لیے لفظ علامات استعمال ہوا ہے۔دراصل لفظ معجزہ کے کثرت استعمال سے جو اشتباہ پیدا ہوا ہے وہ قطعی غیر مناسب ہے اس لیے کہ معجزہ کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات یا ہاتھ

سے جو بھی خرقِ عادت بات ظاہر ہوئی ہے وہ نبی اکرم ﷺ کے ذاتی خصائص میں شامل ہے اور معجزہ پیغمبر کا فعل ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور دعوت وتبلیغ کے عہد میں جو مشکلات اور مصائب انبیاء رسل کو پیش آتے ہیں تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نصرت واعانت انبیاء ورسل کی پشت پہ ہمیشہ موجود رہی ہے آیات وبرہان تو اسی کا حصہ ہیں۔ مزید براں یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور برہان کو بیان کرنے کے لیے ایک ایسا جامع لفظ درکار تھا جس میں نبوت کے تمام خواص، کیفیات مشاہدات، اعمالِ خارقہ عادت اور غیر خارقہ عادت سب داخل ہوں لیکن لفظ معجزہ میں اس قدر وسعت نہیں کہ وہ اِن تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکے۔

یہاں کچھ بیان آیات ودلیل اور برہان وعلامات کی تشریح وتوضیح کے لیے درپیش ہے عرض یہ ہے ہماری نگاہ کے سامنے جو منظر ہے اُس کے تمام نظائر سراسر مادی ہیں جیسے کہ رات کے بعد دن کا طلوع ہو جانا، صبح کے بعد شام کا آجانا، خزان کے بعد بہار کا آجانا، ستاروں کا آسمان پہ چمکتے رہنا چاند کا رات کو سورج کا دن کو چمکنا، فصلوں کا اپنے متعین موسموں میں اگنا، سیب کے درخت پہ سیب اور آم کے درخت پہ آم کا اُگنا ہمارے لیے قطعاً اجنبی نہیں اور یہ ایک عادت جاریہ ہے جس کو ہم اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں، یا اس بات کو یوں کہہ لیں کہ ہماری مادی دنیا چند قوانین کے تحت چلتی ہے اور اُن میں چند نظائر جو اوپر بیان کیے گئے ہیں دراصل یہ انھی قوانین کا نتیجہ ہیں چنانچہ کائنات کے اِن مادی نظائر کے پس پشت ایک قوت قاہرہ ہے جس کے حکم سے یہ تمام نظام استوار ہے۔ انسان کو بھی اسی قوت قاہرہ نے اس زمین پہ اتارا ہے جس کو ہم خالق کہتے ہیں، خالق جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس کی سب سے اعلیٰ مخلوق انسان اپنی راہ سے اِس حد تک ہٹ چکا ہے کہ وہ تباہی کے گڑھے میں گرا چاہتا ہے تو خالق جو اپنی مخلوق سے بے انتہا محبت کرتا ہے اپنی مخلوق کی بھلائی اصلاح اور منزل کی حقیقی نشاندہی کے لیے اُن کے درمیان اپنے برگزیدہ بندے اتارتا ہے اور اُن لوگوں کے معاشروں میں بہارِ نبوت کی رونق اتر آتی ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ کائنات کے تمام امور ایک قوت قاہرہ کے بنائے ہوئے قانون کے پابند ہیں اور اُس کے حکم کے تحت اپنے امور سرانجام دے رہے ہیں اسی طرح کا معاملہ انبیاء ورسل کا بھی ہے کہ انھوں نے کب مبعوث ہونا ہے کس قوم

میں مبعوث ہونا ہے اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور وہی جانتا ہے کہ کب اُس نے اپنے ارادے کو ظاہر کرنا ہے اگر چہ اب یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور آنحضرت محمد ﷺ پر نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ تاہم جب انبیاء و رسل کسی قوم میں مبعوث ہو جاتے تب اُس قوم کے مفاسد پیغمبر کی راہ روکتے اور اُس کے لیے مشکلات پیدا کرتے، ایسے میں اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی انبیاء و رسل کو حاصل رہی ہے اور اس جہد و سعی کے دوران انبیاء و رسل کے ہاتھوں سے بعض ایسے امور بھی ظاہر ہوتے ہیں جو اُن قوانین خاص کے برعکس ہوتے ہیں جو ہماری مادی دنیا میں عام طور پہ مروّج ہیں جیسے کہ آگ جلاتی ہے، پانی بہتا ہے، درخت ساکت ہیں، پہاڑ جامد ہیں اور دریا بہتے رہتے ہیں۔

مگر وہی پہاڑ انبیاء و رسل کے ہاتھ کے اشارے سے ہلنا شروع کر دیتے ہیں، وہی آگ جس کا کام جلانا ہے انبیاء و رسل پہ سلامتی والی بن جاتی ہے، وہی درخت جن کو چلنا نہیں آتا انبیاء و رسل کے ایک اشارے پہ دوڑے چلے آتے ہیں اور وہی دریا جن کا کام ہمیشہ سے بہنا رہا ہے انبیاء و رسل کے ایک اشارے سے تھم جاتے ہیں اور اُن کے لشکروں کو رستہ دے دیتے ہیں یہی امور جو عادت ظاہرہ کے خلاف وقوع پذیر ہوتے ہیں انھی امور کو آیات و دلیل یا برہان یا معجزہ کہا جائے گا۔

تاہم جس طرح ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول خاص خاص موسموں میں ہی کیوں کھلتے ہیں خاص خاص ستارے معین اوقات پہ متعین مقامات پہ ہی کیوں چمکتے ہیں، شہد میٹھا اور زہر کڑوا کیوں ہوتا ہے، کنوں ترش اور سیب میٹھا کیوں ہوتا ہے، چاند اور سورج کیونکر محوِ حرکت ہیں، اسی طرح ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ خرقِ عادت واقعات کا ظہور کیوں کر ہوتا ہے۔ ہم بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ ہوتا ہے۔ اور انبیاء و رسل کی زندگی پہ نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر اپنی زندگی میں کسی قدر پر اسرایت ضرور محسوس کرتا ہے اور یہی پر اسراریت اللہ کے راز ہیں جن کو منشائے الٰہی کے تحت اُن پہ اتارا جاتا ہے۔ پیغمبر کا منصب تو بہت بلند ہے۔ عام سے علماء اور حکماء کا بھی یہ عالم ہے کہ جو وہ جانتے ہیں عامی اُس سے آشنا نہیں ہوتے، جن امور کا ادراک اُن کو عطا کیا جاتا ہے عامی کو اُس سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا، جیسا کہ کوئی عام آدمی اس عظمت و رفعت میں سکندر اعظم، نپولین یا بدھ کا

ہمسر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جو اُن کو حاصل تھی۔ حقیقت یہ ہے لوگوں کے درمیان خود پیغمبر کی ذات کسی اعجاز سے کم نہیں ہوتی اُس کا اپنا وجود سرتاپا مجسم معجزہ ہوتا ہے اور عقل والوں کے لیے اُس کی چشم ابرو میں اور سننے والوں کے لیے اُس کے لب ولہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لیے اُس کے پیام ودعوت میں اتنے عجائب پنہاں ہوتے ہیں کہ انھیں کسی اور مادی معجزے کی طلب نہیں رہتی اور وہ بے ساختہ اقرار کر لیتے ہیں، ایمان لے آتے ہیں جیسے کہ بہت سے کافروں نے جب رسول اللہ ﷺ کے چہرے پہ پہلی نظر ڈالی کہہ اٹھے سبحان اللہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا اور وہ بغیر کسی نشانی کے ایمان لے آئے، اسی طرح کا معاملہ اس سے قبل بھی پیش آتا رہا ہے کہ ہارون و یوشع ،حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کسی معجزے کی وجہ سے نہیں لائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری بھی بغیر کسی نشانی کے اُن پہ ایمان لائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہؓ بغیر کسی نشانی کے آپ ﷺ پہ ایمان لائیں، ایسا ہی کچھ معاملہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سے اکابر صحابہ کے ساتھ پیش آیا کہ وہ بغیر کسی دلیل و برہان کے رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لے آئے۔

اِن کے برعکس ابولہب تھا، ابوجہل تھا، عقبہ بن ابی معیط تھا، نضر بن حارث تھا، امیہ بن خلف تھا عاص بن وائل تھا، ولید بن مغیرہ تھا، اسود بن یغوث تھا جن کے دلوں میں زنگ تھا، جن کے آئینہ بصیرت پہ غفلت، انکار اور تکبر کے پردے تھے، جن کے باطن آلودہ تھے اس لیے وہ چاند کے دو ٹکڑے دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ انسانوں کے انبوہ میں ایک درمیانہ طبقہ ہوتا ہے جن کے پاس فیصلہ کی قوت کم ہوتی ہے اور وہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں کبھی تو انھیں اپنی قوم کی رسمیں اور قدیم وابستگی اپنی طرف کھینچتی ہے تو کبھی اللہ کے رسول کی دل موہ لینے والی باتیں اِن کو ہلا کے رکھ دیتی ہیں۔ اِن لوگوں کو آخر حق کی طرف جھکنا پڑتا ہے کہ اسی لیے تو فرعون کے ساحروں نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو دیکھا تو سر جھکانے میں ایک لمحے کی دیر بھی نہ لگائی اور بے اختیار پکار اٹھے۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (سورہ طٰہٰ)

وہ سجدے میں گر پڑے حقیقت کی چمک نے اُن کے دل کے آئینوں کو چکا چوند کر دیا تھا اور حق بات

تک رسائی اُن کے لیے ذرا بھی مشکل نہ رہی تھی، اس لیے بادشاہ کی بے انتہا نوازشیں اوراس کے بعد بے انتہا خوف بھی انھیں انحراف پہ آمادہ نہ کر سکا اور وہ جو خود ساحر تھے حق کے سحر میں جکڑے گئے۔اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کی فتح روم کی پیش گوئی پوری ہوئی تو قریش کے کئی شرفاء کے دل میں موجود چشم باطن روشن ہوگئی اور وہ اپنے پہلے عمل پہ شرمندہ ہوئے اُن میں سے کئی اسلام لے آئے ۔چنانچہ قرآن مجید اور دیگر آسمانی صحائف میں انبیائے سابقین علیہ السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں جن میں اُن کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقے سے کیا گیا ہے۔انبیاء علیہ السلام کی زندگی گونا گوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے تاہم اُن کی آرزو ہمیشہ ایک ہی محور کے گرد گھومتی ہے وہ لوگوں کے دلوں کی تطہیر چاہتے ہیں،لوگوں کی فلاح واصلاح کے متمنی ہوتے ہیں۔وہ اپنا مقصد عام طور پہ دعوت وتبلیغ اور تزکیہ وتذکیر سے حاصل کرتے ہیں۔تاہم کبھی کبھی اُن کو غیر مادی اور خرقِ عادت مظاہر سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔

آنحضرت محمد ﷺ کی سیرت تمام انبیائے علیہ السلام کے واقعاتِ زندگی کا خلاصہ ہے،اس لیے کہ آپ ﷺ ایک عالمگیر اور ابدی دین لے کر مبعوث ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے مخاطب بھی کُل عالم کے لوگ تھے۔چنانچہ خالق کائنات نے آنحضرت محمد ﷺ کی ذات کو اِن تمام احسن اطوار، روحانی رتبوں، آسمانی رفعتوں، معجز اخلاق، حیرت انگیز استقلال، جہد وسعی، علم وحکم، کتاب ووحی، رسالت و نبوت اور شریعت و کتاب سے نوازا۔آپ ﷺ پہ جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ ہو ہی نہیں سکتا،اِس کے علاوہ آپ ﷺ کی روحانی طاقت نے جسم وروح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا تھا۔چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی لحہ بہ لحہ رفعتوں کے نشانات سے مزین ہے کبھی آپ ﷺ کو آسمان کی رفعتوں کی طرف بلایا جاتا ہے اور براق پہ سواری کرائی جاتی ہے،کبھی آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے رواں ہوتے ہیں،کبھی آپ ﷺ کے ہاتھوں میں کنکریاں آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتی ہیں،کبھی آپ ﷺ کی برکت سے چند سوکھی روٹیوں سے پورا لشکر سیر ہوتا ہے، کبھی سنگ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر وکسریٰ کے خزانے دکھائی دیتے ہیں،کبھی انبیائے سابقین کی زبان سے نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور غلبے کی گواہی دی جاتی ہے،کبھی نبی اکرم ﷺ کی

زبان اطہر سے بشارات کے سمندر بہنے لگتے ہیں تو کبھی آپ ﷺ کی مٹھی بھر خاک سے لشکر کے لشکر تباہ کردیئے جاتے ہیں۔ دراصل تو آپ ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے جس کی آیات کی روشنی میں منزل کے خدو خال کی تلاش نہایت ممکن اور آسان ہے۔ قرآن کی زبان اور اس کی فصاحت وبلاغت بہ ذات خود کسی معجزے سے کم نہیں۔ عرب زبان دان تھے چنانچہ انھیں اس بات کا ادراک حاصل تھا کہ قرآن کی فصاحت وبلاغت نے اُن کے صاحبِ طرز شعرا کے سر جھکا دیئے ہیں اسی لیے تو ابن لبید سے کسی عرب نے پوچھا کہ اُس نے شعر کہنا کیوں چھوڑ دیئے ہیں تو ابن لبید نے کہا سورۃ بقرہ اور آل عمران کے بعد اس امر کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی کہ میں شعر کہوں۔ چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یعنی اشاعت اسلام کے حصول کے لیے جہاں آپ ﷺ کے ارفع اخلاق اور تقریر و دلپذیر نے اہم کردار ادا کیا وہیں آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات یہ معجزات اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

✡ ✡ ✡

مسلمانوں میں بھی بہت سے اہل علم نے جانے کیوں رسول اللہ ﷺ کے خرق عادت واقعات کے بارے میں دفاعی نقطہ نظر اختیار کیا ہے اور مستشرقین کے دلائل کے آگے سہمے ہوئے سے صفائیاں پیش کرتے نظر آتے ہیں حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی خود اُن کے انبیاء سینکڑوں معجزات سے مزین تھے۔

براہین عقل وفلسفہ

اسلامی فکر وفلسفے پہ نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے ورسل پہ اتاری جانے والی نشانیوں کے بارے میں بعض لوگ عقلی تردد کا شکار ہوئے اور انھوں نے آیات و براہین کی فلسفیانہ توجیحات کیں جس کے نتیجے میں لوگوں میں دو نظریہ ہائے فکر ظاہر ہوئے جن میں سے ایک نظریہ فکر کے قائل لوگوں کا کہنا ہے کہ عقل وخرد اِن واقعات کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے جو فطرت کے قوانین سے متصادم نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کا ایک گروہ آیات و دلائل یعنی براہین ومعجزات کو نہ صرف جائز سمجھتا ہے بلکہ اُن کو عین ممکن قرار دیتا ہے۔ عقل وفہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جس میں مختلف صدیوں میں مختلف مفکرین کے اذہان نے فلسفہ کے مختلف نظریات کو جنم دیا حقیقت یہ ہے کہ انسان عالم محسوسات کا تجزیہ تو پھر بھی کسی حد تک کر سکتا ہے مگر جب وہ عالم قیاس و تمثیلی و استقرائی سے محسوسات کے اس عالم تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے جہاں سے روحانی دنیا کا آغاز ہوتا ہے تب

اُس کی نارسائی اُس کا راستہ روک لیتی ہے۔ چنانچہ ماورائے محوسات کے اس میدان میں انسانی تگ ودو کا جائزہ لیے بغیر بات کھل کے سامنے نہیں آئے گی اس لیے ہم پہلے فلسفہ قدیمہ کے نظریات سے مختصر بحث کریں گے اس کے بعد اس معاملے میں فلسفہ جدیدہ کی گرہ کشائی کا ارادہ کریں گے۔

✡ ✡ ✡

فلسفہ قدیم و علم الکلام

دوسری صدی ہجری میں یونانی فلسفہ نے علوم اسلامیہ میں بار پایا اور مسلمانوں کے ہاں علم کلام نے رواج پایا۔ مسلمانوں میں علم کلام اور فلسفیانہ توجیحات کو یعقوب کندی نے رواج دیا۔ چونکہ اہل یونان کسی شریعت الٰہی سے مشرف نہ تھے اس لیے یونانی فلاسفہ کے ہاں خصائص نبوت، وحی، الہام و معجزہ وغیرہ کے بارے مباحث نہ پائے جاتے تھے کہ یہ امور اُن کے لیے قطعی اجنبی تھے۔ اس لیے ابن رشد اور ابن تیمیہ نے اُن کے فلسفے کو درخور اعتناء نہ جانا۔ مسلمانوں کے اولین فلسفی یعقوب کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے کہ اسی نے سب سے پہلے اِن مسائل کے متعلق اپنے خاص فلسفیانہ نظریات قائم کیے جن کے بارے میں مسلمان اب تک توقف کا شکار تھے یا انھوں نے دلائل و براہین یا آیات و معجزات کی فلسفیانہ توجیہ کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ علامہ فارابی نے دلائل و براہین کے بارے میں اپنی فلسفیانہ توجیہ میں کہا کہ:

”صاحبِ نبوت کی روح میں ایک قوت قدسیہ ہوتی ہے، جس طرح تمہاری روح عالم اصغر (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے اور تمھارا جسم تمھاری روح کا تابع فرمان رہتا ہے اسی طرح وہ روح قدسی عالم اکبر یعنی جسمانیات میں تصرف کرتی ہے اور تمام عالم جسمانی اس کا تابع و فرمانبردار ہوتا ہے اور اسی بنا پر اُس سے خارق فطرت معجزات صادر ہوتے ہیں اور چونکہ اُس کا آئینہ باطنی صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے

اس لیے لوح محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہوسکتی اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے اس کا عکس اس کے آئینے پہ پڑتا ہے اور وہ قدرت قدسیہ یا روح قدسیہ اُس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔ ملائکہ اُن صور علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں، اس طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتی ہیں، بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں اور وہ امر الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روح تو بشری حواسِ ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امر الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روح نبوی بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے، روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواسِ ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہوجاتے ہیں اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہوجاتے ہیں، مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت اِن کے حواس باطن کو اور اُن کے حواس باطن کی مشغولیت اُن کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے بلکہ اِن کی تاثیر کا عمل اُن کے اجسام سے متعدی ہوکر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعے سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔ عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ حواس ظاہری کی مصروفیت حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت حواس ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے بلکہ خود اُن کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے کو بیکار کردیتی ہے ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں دیکھ نہیں سکتے، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سن نہیں سکتے، خوف کا احساس ہو تو اشتہا پیدا نہیں ہوسکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں آتا جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غافل ہوجاتے ہیں اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہوجاتے ہیں۔ لیکن ارواح قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی ، اِن کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور اُن کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔[*5]

اہل فلسفہ اور عقلیت پسندوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ نبی کی تعریف یہ ہے کہ وہ امورِ غیب سے متصف ہو، ملائکہ اس سے کلام کریں اور اُس کے ہاتھ سے خوارقِ عادت امور ظاہر ہوں۔ اس موضوع پہ سیّد سلیمان ندوی کی بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ عالم کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظام فطرت پہ قائم ہے جس کا ہر درجہ دوسرے درجے سے بلند ہے۔ پہلے جمادات ہیں جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ، نطق ہے نہ ادراکِ کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت اور نمو تو ہے لیکن وہ دوسری صفات سے محروم ہیں۔ اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت اور نمو کے ساتھ احساس و ارادہ بھی ہے۔ تاہم مخلوقات عالم میں سب سے اعلیٰ درجہ انسان کو حاصل ہے جس کو عقل عطا کی گئی۔ اُس میں نطق ارادہ اور عمل کی قوت ہے۔ کائنات کی یہ چار حقیقتیں ہیں جن میں کوئی یکسانیت نہیں پائی جاتی بلکہ اِن میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ترتیب کے حوالے سے جمادات نباتات سے قریب تر ہیں اور نباتات حیوانات سے قریب تر ہیں اور حیوانات انسان سے قریب تر ہیں۔

اگرچہ انسان کا معاملہ دیگر مخلوقات سے قطعی مختلف ہے کہ انسانوں میں طرح طرح کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اِن میں عالم بھی ہیں جاہل بھی، چرواہے بھی ہیں حاکم بھی، صلحا بھی ہیں اولیا بھی مصلحین بھی ہیں فاتح بھی، صالحین بھی ہیں انبیاء بھی۔ اور یہ درجے ہیں جو انسان کو اُس کے اخلاق واعمال کی بنا پہ حاصل ہوتے ہیں تاہم انبیاء و رسل اس سے مستثنیٰ ہیں کہ اُن کا انتخاب انسانوں میں سے اللہ رب العزت خود کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اس عزت سے نوازتے ہیں۔ اور یہی وہ بلند تر انسانی صنف ہے جس کی عقل و ہوش کے سامنے نظریات بھی بدیہات ہیں جن کی راہنمائی وحی الٰہی سے کی جاتی ہے۔ جس کی روح قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں بلکہ براہ راست عالم ملکوت سے حاصل کرتی ہے، جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہے کہ انبیاء وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے، وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے اور یہ وہ قوت کمالیہ ہے جس سے عام انسان متصف نہیں ہوتے بلکہ یہ قوت صرف انبیاء و رسل کو ارزانی کی جاتی ہے۔ یہ تو اُن قویٰ کا بیان ہے جو انبیاء و رسل کو بہ حیثیت مجموعی حاصل ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہ السلام کی رویت کلام کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ روح اور مادے کے افتراق کا معاملہ ہے کہ انسان جو روح اور مادے کا مرکب ہے اُس کی مادی عادات وحرکات اُسے بہ حیثیت انسان عامل بناتی ہیں اور روح کی سرگرمی ایک خاص مقام پہ آ کے رُک جاتی ہے۔ جیسے انسان کے احساسات اور محسوسات کی ایک حد متعین ہے اور وہ ایک حد پہ جا کے رُک جاتے ہیں، اس امر کو خواب کی تمثیل سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ حالت خواب میں جب انسانی روح اُن مادی زنجیروں سے خود کو قدرے آزاد محسوس کرتی ہے جو حالت بیداری میں اُسے جکڑے رہتی ہیں تب عالم محسوسات میں انسان غیر مادی طور پہ اُن مادی جہانوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کی اُسے خبر نہیں ہوتی یا اُن لوگوں سے ملتا ہے جن سے بچھڑ چکا ہوتا ہے یا اُن لوگوں کو دیکھتا ہے جن کو اس دنیا سے گذرے ایک مدت گذر چکی ہو۔

اس تمثیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انسانی روح مادی علائق سے جس قدر پاک اور جس قدر فاصلے پہ ہوگی اس کے روحانی علم واحساس میں اسی قدر ترقی ہوگی۔ یعنی جس قدر انسان عالم مادی سے خود کو فاصلے پر لے جائے گا اُسی قدر عالم ملکوت سے اس کا اتصال بڑھتا چلا جائے گا۔ چنانچہ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دیکھیں کہ اس کائنات میں بعض انسان ایسے بھی ہیں جو اس ارفع روحانی مقام پہ فائز ہوتے ہیں کہ عام انسان جو کچھ عالم رویا میں محسوس کرتا ہے وہ انھی امور کو عالم بیداری میں دیکھنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ غیب کی آوازوں کو سن سکتے ہیں، فرشتوں کو دیکھ سکتے ہیں اُن سے باتیں کر سکتے ہیں، اُن سے علم ومعرفت کی باتیں اخذ کر سکتے ہیں انھی لوگوں کو ہم انبیاء اور رسول کہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب وعلل کے نتائج ہوتے ہیں اسی طرح نفسیاتی اسباب کے بھی کچھ نتائج ہوتے ہیں جس سے انسان کا مادی جسم متاثر ہوتا ہے۔ حکماء اور متکلمین نے وحی والہام اور مشاہدہ روحانیات کی تشریح میں متعدد خیالات کا اظہار کیا ہے جن سے ہم یہاں مقدور بھر استفادہ کریں گے۔ بیان کیا گیا ہے پردہ عدم سے دنیا ظاہر میں جتنی اشیاء بھی پیش منظر میں دکھائی دیتی ہیں خالق نے اُن کو اُن کے نوعی خصائص کے ساتھ اس دنیا میں اتارا ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ چمبیلی کا رنگ سفید ہوتا ہے، گلاب کا رنگ سرخ، کھجور میٹھی اور اندرائن

ہمیشہ کڑوی ہی ہوتی ہے۔ مرغی کا بچہ انڈے سے باہر نکلتے ہی دانہ چگنے لگتا ہے اور بطخ کا بچہ فوراً ہی پانی میں اتر جاتا ہے۔ چوہے کے بچے نے اگرچہ اس سے پہلے بلی کبھی نہ دیکھی ہو مگر جونہی وہ اُسے دیکھے گا بھاگ اٹھے گا۔ بلی کے بچے نے اگرچہ کتا کبھی نہ دیکھا ہو مگر وہ اُسے دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوگا اس کے برعکس شیر کا بچہ لومڑی کو دیکھ کر بھاگنے کی بجائے اُس پہ حملہ کرنے کی کوشش کرے گا چاہے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو یا نہ ہو۔

بلبلیں کبھی کوؤں کے ساتھ نہ بیٹھیں گی اور نہ کوے بلبلوں کے ساتھ بیٹھیں گے یہ اور اس نوع کی ہزاروں مثالیں ہیں جو اس بات پہ دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہر مخلوق کو کچھ نوعی خصوصیات ودیعت کی ہیں جنھیں حکماء نے فطرت اور فلاسفہ نے جبلت کا نام دیا ہے۔ دراصل تو یہ وہ خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے شیر چوہے اور بلی کو ودیعت کیا ہے تاکہ وہ زیست کرسکے۔ یاد رہے کہ ہر نوع کے تحت بھی مختلف اصناف ہیں جن کی فطرت میں قدرے تفاوق پایا جاتا ہے مگر انھیں الگ سے ایک نوع قرار دینا قدرے مشکل ہے جیسے کہ کبوتر کی سینکڑوں، سانپوں کی ہزاروں اور مچھلیوں کی لاکھوں قسمیں دریافت ہو چکی ہیں جو اپنی مختلف نوعی خصوصیات میں مختلف طرز زیست اپنائے ہوئے ہوں گی۔

اس کے بعد انسان کا ذکر کیا جاتا ہے کہ نیوگنی اور جاوا کے وحشی قبائل کا کوئی فرد بھی انسان ہی گنا جائے گا اور وال اسٹریٹ جنرل (نیویارک) کا بزنس میں بھی انسان ہی ہے مگر اِن دونوں انسانوں کے طرز زیست، طور تمدن، معاشی حیثیت، فکری درجے اور نظری وسعت میں بے انتہا فرق پایا جائے گا۔ چنانچہ انسانوں میں کوئی حکیم ہے تو کوئی فلسفی، کوئی ناخواندہ ہے تو کوئی جاہل، انسانوں میں ہی کوئی بکریاں چرا رہا ہے تو کوئی جہاز اڑا رہا ہے۔ اور یہ مختلف انسانی طبقات ہیں اور ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے۔ مگر ادراکات کا سب سے اعلیٰ درجہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل ہی کو عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِن چنیدہ بندوں کو علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے الہامات عطا کیے جن سے دیگر انسانی اصناف کو محروم رکھا گیا۔ اسی طرح الہام کو دیکھیں تو ہم جانیں گے کہ دنیا میں جس قدر علوم وفنون، صنائع وحرف، ایجاد و اختراعات ہیں اُن میں سے ہر چھوٹی سے

چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کا کوئی نہ کوئی شخص موجد ہوگا جس کے ذہن میں سب سے پہلے یہ خیال اتارا گیا ہوگا۔وہی اس کا موجد اور مخترع ہوگا۔اور یہ سب اس لیے ہے کہ خالق نے بعض لوگوں میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ کسی دوسرے سے کچھ سیکھے بغیر وہ کچھ کر گذرتے ہیں جن امور میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دوسرے لوگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں۔دراصل اس کے ذہن میں اُس خاص تخیل کو اتار دیا گیا ہوتا ہے جس کی بنا پہ وہ جس چیز کو وہ بنانا چاہتا ہے اُس خاص مسئلہ میں اُس کے ذہن میں کچھ ایسی حقیقتوں کو بے پردہ کر دیا جاتا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے تمام تر مستور رہتی ہیں جس کے بعد اُس خاص شخص کے لیے جس کے ذہن میں وہ خاص تخیل اتارا گیا اُس چیز کو حتمی طور بنا دینا چنداں مشکل نہیں رہتا،دنیا کی اکثر و بیشتر ایجادات اسی فطری الہام کا نتیجہ ہیں۔

اس مثال سے جانیں کہ جس شخص کو فلسفیانہ قسم کے خیالات گھیرے رہیں وہ بالآخر فلسفی ہی بنے گا جس کی طبع میں شاعرانہ رنگ غالب ہو وہ جلد ہی لفظوں کو ترتیب دینا سیکھ جائے گا اور شاعر کہلائے گا جس شخص کو آلات اور مشینوں کا شوق ہو وہ آخر میں انجینئر کہلائے گا اور انسانوں کے اسی انبوہ میں قلیل تعداد اُن لوگوں کی بھی ہوتی ہے جن کو نفس قدسیہ،اسرار الٰہیہ ،نوامیس ملکوتیہ،عقائد حقہ،اعمال صالحہ اور قوانین عادلہ الہام ہوتے ہیں انھیں ہم اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول کہیں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک اور نظریہ یہ ہے کہ:

انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات اُن کی اُس قوتوں کا نتیجہ ہیں جو بدیہی طور پہ اُسے قدرت کی طرف سے عطا کی گئی ہیں اور وہ پانچ ہیں جن کو متکلمین کے ہاں حواس خمسہ کا نام دیا جاتا ہے یعنی سامعہ،باصرہ،شامہ،ذائقہ اور لامسہ۔جن کے کام بالترتیب سننا،دیکھنا،سونگھنا،چکھنا اور چھونا ہیں۔ اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام،حس مشترک،خیال،واہمہ حافظہ اور قوت متخیلہ ہیں،اِن قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں،حس مشترک تو اِن امور کے جمع ہونے کا نام ہے جو انسان سے وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں اور اُس کی یاد میں محفوظ رہ جاتے ہیں۔کہا جاسکتا ہے کہ

حس مشترک اُن آلات وحواس کا خزانہ ہے کہ انسان جو کچھ محسوس کرتا ہے وہ حس مشترک میں جا کے منطبع ہو جاتا ہے۔ وہمہ وہ قوت ہے جو اپنے محفوظ اور گذشتہ خزانہ جات اور مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پہ احکام جاری کرتی رہتی ہے۔ جیسا کہ اندھیری رات میں چاند کی دھیمی روشنی میں بھی انسان زمین پہ رینگتی ایک چیز کو دیکھتا ہے تو اسی قوت کی بدولت اور سابقہ تجربے کی بنا پر قوت وہمہ انسان کو فوری ہدایات جاری کرتی ہے۔ اس چیز سے دور ہٹ جاؤ اس سے فاصلہ اختیار کرو یہ سانپ ہے جو زہریلا ہوتا ہے اور انسان کو ڈس لیتا ہے جس سے انسان کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔ اور پیغامات کی ترسیل کا یہ اہتمام اس قدر تیز اور سریع الاثر ہوتا ہے کہ انسان کا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے اور اب اس کا ہر قدم نہایت احتیاط سے اٹھتا ہے اور انسان انتہائی محتاط ہو جاتا ہے۔ اس دوران قوت وہمہ انسان کو انتہائی چوکس اور چوکنا رکھتی ہے اُس کو ذرا بھی تساہل کی طرف مائل نہیں ہونے دیتی۔ حتی کہ انسان خطرے کی حد سے باہر آجائے۔

پھر قوت متخیلہ ہے جس کو متکلمین کے ہاں قوت متفکرہ کا نام بھی دیا گیا ہے جس کے تحت انسان اپنے دماغ میں موجود تصورات اور تخیلات کو ادل بدل کرتا رہتا ہے جس کے نتیجے میں اُس کے ذہن میں نئی نئی اور عجیب وغریب شکلیں جنم لیتی رہتی ہیں۔ اسی قوت کے ماتحت کبھی وہ پرستان کی سیر کر رہا ہوتا ہے اور کبھی انجانے اور بے نام دیسوں میں جا نکلتا ہے۔ انسان جب آرام کرنے کے لیے لیٹتا ہے تو اور آنکھیں بند کر کے تخیل کی وادی میں داخل ہوتا ہے تو وہ ہنگامہ فکر وخیال کے اُس جہاں میں جا نکلتا ہے جو اُس کے لیے اجنبی اور ان دیکھے ہوتے ہیں وہ اپنی خواہش کے مطابق منظروں کو ترتیب دیتا ہے اور اپنی آرزوؤں کی تکمیل کے اُن مناظر کو محسوس کر کے خوش ہوتا ہے جو عالم بیداری میں اس کے جسم وجان کا وبال بنے ہوتے ہیں۔

علماء نے انسان کی اس حسی قوت کے بارے میں کہا ہے کہ ہماری قوت متفکرہ صرف اُس وقت متحرک ہوتی ہے جب خارج سے آلاتِ حواس اُس کو پیغام بھیجنا قدرے کم کر دیتے ہیں انسان کی زندگی میں یہ تو ممکن نہیں کہ اُس کے دماغی قویٰ اپنے افعال کو ایک لمحہ کے لیے بھی منطقع کریں تاہم بعض اوقات جب انسان آرام کرنے کی حالت میں ہوتا ہے تب اس سے اس قدر رعایت ضرور برتی جاتی ہے کہ

اُس کے آلات حس اُس کے آرام میں مخل ہونے کے بجائے اُس کے ممدو معاون ثابت ہوں تب اُن کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے کوئی چیز (Standby) ہو۔تاہم جونہی انسان کے حسی آلات کوئی خطرہ محسوس کریں تو وہ انسان کے آرام کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور فوری طور پہ متحرک ہو جاتے ہیں۔چنانچہ ایک آرام کرتے شخص کے کمرے میں اچانک آگ لگ جائے یا زلزلے کے جھٹکے آنے شروع ہو جائیں تو اُس کا دماغ فوراً ہی اُس کو نہایت طاقتور پیغام بھیجے گا اٹھو اور یہاں سے بھاگ نکلو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

علماء کے ایک گروہ نے اس نقطہ نظر کا ابطال کیا اور کہا ہے کہ :
یہ قدیمی تصور کہ انسان کو صرف پانچ بدیہی قوتوں سے نوازا گیا غلط ہے کیونکہ بعض نباتات میں جماداتی اوصاف کو محسوس کیا گیا ہے اور بعض نباتات میں کچھ حیواناتی عادات کا پتہ چلایا گیا ہے۔جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کا یہ نظریہ کہ انسان کو محسوسات اور ادراکات کے لیے پانچ قوتیں عطا کی گئی ہیں قابل غور ہے۔اگرچہ انسان نے اس چھٹی قوت کو ابھی کوئی نام تو نہیں دیا تاہم اُس کو محسوس ضرور کیا جا رہا ہے جیسے کہ اس امر کی مثالیں دیتے ہوئے علماء نے کہا کہ شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی قوت کو محسوس کیا گیا ہے کہ اگر اسے قید کر کے اُس کے اصلی گھر (چھتے) سے کافی دور لے جا کر چھوڑا جائے تب بھی وہ اپنے گھر پہنچ جائے گی اور بجائے کسی اور چھتے پہ اترنے کے اُسی چھتے کا رخ کرے گی جہاں اُس نے اپنی زندگی بتائی ہو گی۔اسی طرح یہ خیال ممکن العمل قرار دیا جا سکتا ہے کہ انبیاء ورسل کو اُس چھٹی قوت سے نوازا گیا ہو جس سے عام انسانی اصناف محروم ہوتی ہیں اور اسی قوت قدسیہ کی بنا پر انبیاء ورسل اِن چیزوں کا ادراک کر لیتے ہیں جن کو عام قوائے انسانی نہیں دیکھ سکتے۔چنانچہ اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس خمسہ پانچ ہی ہیں اور اِن کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں تب بھی یہ سوال تو اپنی جگہ موجود رہتا ہے کہ انسانی حواس کی حدود اور وسعت احساس ایک جیسے ہیں یا متفاوت ہیں۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسانوں میں یہ حواس اگرچہ فطرت کی طرف سے تو مساوی تقسیم کیئے ہیں مگر انسان کی عادات و خصائل اِن میں کمی بیشی کا باعث بن سکتے ہیں کہ ایک انسان اگر پچاس سال تک اپنے کان ایک بار بھی صاف نہیں کراتا تو اُس کی قوت سماعت کو چھبیس سالہ ایک نوجوان کی قوت سماعت کے مساوی کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ایک کوتاہ نظر انسان کو تو میز پر پڑا ہو پانی کا گلاس بھی نظر نہیں آتا تو وہ عید کا چاند کیسے دیکھے گا جب کے اُس کے ساتھ کھڑا ہوا انسان اپنی اعلیٰ قوت بصیرت کے بل پہ اُس چاند کو پورے یقین کے ساتھ دیکھ رہا ہوتا ہے۔چنانچہ چند مخصوص اشخاص کو جو آوازیں سنائی دیتی ہیں اور جو منظر دکھائی دیتے ہیں انھیں اس بنا پہ غلط قرار دے دینا کہ وہ دوسروں کو نظر کیوں نہیں آتے قرین عدل نہیں۔ بلکہ مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔اور تحقیق نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ انسانوں اور حیوانوں میں بعض خصائص مضبوط و مستحکم ہوتے ہیں اور اُنھی کے بعض حسی پہلو کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ چیونٹی میں قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے، چیل اور کبوتر میں قوت باصرہ، سانپ میں قوت لامسہ، کتوں اور گھوڑوں میں قوت سامعہ معمول کی سطح سے بہت بلند ہوتی ہے۔خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں کہ ایک شخص تو دور کی آواز کو آسانی سے سن لیتا ہے دوسرا اُس سے محروم رہتا ہے ایک انسان کو میز پہ پڑا گلاس بھی نظر نہیں آتا تو دوسرا کئی میل دور تک دیکھ سکتا ہے۔کمزور حواس کا انسان صرف پاس کی چیزوں کا ادراک رکھتا ہے جبکہ مضبوط و قوی حواس کا انسان بہت سی بعید چیزوں کو بھی دیکھتا اور سنتا ہے۔اب اسی مقدمے کی بنا پہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ شخص جس کو سامنے کی میز پہ پڑا گلاس نظر نہیں آتا تھا اُس کے ماتھے پہ عینک لگا دی جائے تو وہ میز پہ پڑے گلاس کی بجائے عید کا چند دیکھنے کی قدرت بھی حاصل کر لے گا۔یعنی خارج سے اُس کے فطری احساس کو تقویت پہنچائی گئی تو وہ اس قابل ہو گیا کہ اب اُسے بصیرت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا۔چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حواس کو خارج سے کسی تدبیر یا علمی تحقیق کی بنا پہ ترقی دی جائے تو اُس کے حواس کو حیرت انگیز حد تک ترقی دی جاسکتی ہے۔پھر جس قدر اُس کے حواس کو ترقی دی جائے گی اس کے احساسات میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی چلی جائے گی۔جیسا کہ سو سال قبل انسان کے

ہاتھ میں پانی کا جو گلاس تھا وہ اُسے بے خطر پی جاتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے محدود ادراکات کی بنا پہ نہیں جانتا تھا کہ جس پانی کو وہ صاف پانی سمجھ کے پی رہا ہے اُس میں تو قطرہ قطرہ کیڑوں کی بستیاں بسی ہیں۔اس کے بعد انسان نے خوردبین ایجاد کر لی اور وہ پانی کے اندر بسی کائنات کو دیکھنے کے قابل ہو گیا تھا۔اسی طرح جب انسان نے خالی آنکھوں سے چاند ستاروں کو دیکھا تو منظر قدرے مختلف اور کسی قدر محدود تھا کہ تب انسان کے علم میں صرف تین سو ستارے تھے۔پھر جب انسان نے خارج سے اپنی بصارت کو ترقی دی تو ہر نئی دوربین نے پہلی دوربین سے منظر کو مزید واضح کیا اور یوں انسان نے غیر معمولی بصارت کی صلاحیت حاصل کی اور انسانی آنکھیں روشن سے روشن تر ہوتی رہیں۔یہاں تک کہ ساتویں درجے کے تیرہ ہزار ستارے، آٹھویں درجے کے چالیس ہزار ستارے ،نویں درجے کے ایک لاکھ بیس ہزار ستارے انسانی احاطہ علم کی حدود میں داخل ہوئے۔

اس کے چند ہی برسوں بعد ہرشل کی دوربین سے انسان نے چھوٹے بڑے کل دو کروڑ ستاروں کی پہچان حاصل کی یہی حال انسان کی سماعت کا ہے اول اول تو انسان اپنے روبرو بیٹھے انسان سے ہی ہمکلام ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا تاہم جب اس نے خارج سے اپنی قوت سماعت کو ترقی دی تو اسلام آباد میں بیٹھا شخص نیویارک یا لندن میں بیٹھے شخص کی بات اسی طرح سن سکتا ہے جس طرح کہ وہ اپنے سامنے بیٹھے شخص کی بات سن سکتا تھا۔ بلکہ آج تو اپنے سامنے سجی اسکرین میں انسان نیویارک اور لندن میں بیٹھے شخص کے ساتھ بات سننے کے ساتھ ساتھ اُسے دیکھ بھی سکتا ہے۔انسانی حواس کے مابین اس باہمی تفاوت کو روزمرہ کی اِن مثالوں سے بیان کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ حواس کے فعل وانفعال اور تاثر و تاثیر کے دائرہ کی تحدید نہیں کی جا سکتی اور یہ ممکن ہے کہ صنف انسانی کے حواس اس قدر تیز اور سریع اور قوی ہوں کہ اِن کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا۔چنانچہ انبیاء ورسل کو حواس کی برتری، خیال کی رفعت، اخلاق میں برتری، ملائکہ کی صحبت، کتاب وحکمت سے حصہ، علم وحلم اور وحی کی اُس استعداد سے نوازا جاتا ہے جن سے عام لوگ متصف نہیں ہوتے۔اسی لیے آنحضرت محمد ﷺ صحابہ کو نماز پڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں نماز کے دوران میں نے جنت اور دوزخ کو دیکھا ہے، اسی طرح کنعان میں بیٹھے

حضرت یعقوبؑ کو مصر میں مقیم اپنے بیٹے یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے، اِن مثالوں سے انھی قوتوں کو بیان کرنا مقصود ہے جو صرف انبیاء ورسل کو حاصل ہوتی ہیں اور عام آدمی کو جن سے محروم رکھا جاتا ہے۔ اس مقدمے کو ذہن میں رکھیں تو عام آدمی اور انبیاء ورسل کی زندگی میں ایک بہت بڑا فرق نظر آئے گا کہ عام انسان نے اپنی قوت وبصیرت و بصارت میں جس قدر ترقی کے مدارج طے کیے اُن کی بنیاد تلاش وتحقیق اور جہد وسعی پہ رکھی ہے یعنی انسان نے انھیں اپنے ذاتی کسب سے حاصل کیا ہے تب جا کے وہ اس مقام پہ پہنچا کہ چاند ستاروں پہ کمند ڈال سکے مگر اِس کے برعکس انبیاء ورسل کی زندگی میں جو کمالات اور صفات کاملہ ہم کو نظر آتی ہیں اور اِنھیں خود بہ خود اور بغیر کسی جہد وسعی کے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہی بات انبیاء ورسل کو عام آدمی سے منفرد وممتاز کرتی ہے۔ مابعد از طبائع کے اس نظام تسلسل میں مولانا رومی اسی نظریے کے قائل نظر آتے ہیں۔ جس کا اظہار انھوں نے جا بجا اپنے اشعار میں کیا ہے۔

مثنوی مولانا روم سے یہاں چند منتخب اشعار تحریر کیے جاتے ہیں جو اُن کے تخیل کی تصریح کرتے ہیں۔

پنج حسے ہست جزا ایں پنج حس

آن چوزرّ سرخ وایں حسہا چومس

اِن پانچ جسمانی حواس کے علاوہ پانچ اور حواس بھی ہیں وہ تانبا ہیں یہ سونا ہیں۔

حسِّ ابداں قوت و ظلمت خورد

حسِّ جاں از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت حاصل کرتے ہیں اور روحانی حواس آفتاب سے۔

ہر کہ از حِس خدادید آیتے

در بر حق داشت بہتر طاعتے

جس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع و فرمانبردار بن جائے گا۔

گر بدید حس حیواں شاہ را

پس بادیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ سکتے۔

گر نہ بودے حس دیگر مر ترا

جز حس حیوان زبیرون ھوا

اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے تو۔

پس بنی آدم مکرم کے بدلے

کے بہ حس مشترك محرم شدے

بنی آدم کا اتنا درجہ کیوں بڑھایا جاتا، اور صرف حس مشترک کی بنا پر وہ محرم راز کیوں کر ہو سکتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فلسفی گوید ز معقولات دوں

عقل از دھلیزی ماند بروں

فلسفی لغو اور معقولات کی باتیں کرتا ہے، تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فلسفی منکر شود در فکر وظن

گو برو، سررا بران دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث اِن حقائق کا انکار کرتا ہے اُس کو چاہیئے کہ اپنا سر دیوار پہ دے مارے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

نطق آب و نطق بادہ نطق گل

هست محسوس حواس اهل دل

پانی، ہوا، مٹی، سب کا نطق اہل دل کے حواس کو محسوس ہو جاتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

فلسفی کو منکر حنانہ است

از حواس انبیاء بیگانہ است

فلسفی جو ستون نبوی کے گریہ کا منکر ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ وہ انبیاء کے حواس سے واقف نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

پنج حس بایک و گر پیوستہ اند

زانکہ ایں ہر پنج زاصلی رستہ اند

حواس خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کے آئے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

قوت یک قوت باقی شود

مابقی راھرو یکے ساقی شود

ایک تو حاسہ کی قوت ہے اور جو دیگر ہیں وہ اس کی قوت بن جاتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

دیدن دیدہ فزاید عشق را

عشق اندرول فزاید صدق را

دیدار ،چشم عشق کو ترقی دیتا ہے، اور عشق ہی تو ہے جو دل میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

صدق بیداری ھر حس می شود

حسّہارا ذوقِ مونس می شود

سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب ہو جاتی ہے اور احساس کو ذی وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے[*6] ۔

❁❁❁❁❁❁❁❁

اللہ کے رسولوں کے اختیار کا کیا ہی کہنا، اُن کے احکامات کو پہاڑ نظر انداز کر سکتے ہیں نہ درخت، چاند صرف نظر کر سکتا ہے نہ سورج دریاؤں کی مجال ہے نہ سمندروں کی جرأت کہ وہ اُن کے حکم سے منہ موڑیں۔ آئندہ صفحات میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اسی اختیار کے بہت سے جلوے پیش نظر ہیں۔

معجزہ وبرہان اور فلسفہ جدید

سترھویں اور اٹھارویں صدی میں مغربی اقوام میں علم کی کچھ روایت پیدا ہوئی تو اُن کے فلاسفہ نے بھی اُن دقیق مسائل پہ قلم اٹھایا جن کی اس سے پہلے اُن کے ہاں کوئی روایت نہ تھی۔ چنانچہ ہیوم ،ہسکلے ، جان اسٹیورٹ مل سمیت بہت سے اہل علم نے دلائل و معجزات پہ حرف زنی کی۔ اس دور میں اس موضوع پہ بیسیوں کتابیں لکھی گئیں تاہم صاحب علم و دانش نے اس ضمن میں ہیوم کے نظریات کو معتبر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء و رسل کے ہاتھوں جو خرق عادت امور ظہور پذیر ہوئے ابتدا میں ڈیوڈ ہیوم اُن کا سخت مخالف تھا، تاہم بعد میں اُس نے اپنی رائے تبدیل کر لی اور نہ صرف یہ کہ اِن امور کو ممکنات میں شامل کیا بلکہ اِن کے حق میں بے شمار دلائل بھی پیش کیے۔ ہیوم کے استدلال کا ماحاصل یہ ہے کہ انسان کے علم و یقین کا مدار تمام تر تجربہ پہ ہے جس طرح آدمی اپنے تجربے سے اس بات کو جانتا ہے کہ لکڑی کو آگ لگائی جائے تو وہ جلنے لگتی ہے اور جلتی ہوئی آگ پہ پانی ڈالا جائے تو بجھ جائے گی۔ اسی طرح وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی

خاص سبب نہ ہو لوگ عام طور پہ سچ ہی بولتے ہیں۔یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تحقیق کرتے ہیں بعد میں عام طور پہ اُس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔اور جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گذشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے اُسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک فطری امر ہے کہ انسان معاملات میں چوکنا ہوتا ہے اور کسی بات کو سن کر اُس کا دل یقین کی طرف فوراً ہی مائل ہو جاتا ہے اور کسی اور بات کو اُسی شخص سے سننے کے باوجود وہ اس بات پہ یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ بات اس کے سابقہ تجربات کی نفی کرتی ہے۔

اس امر کو اس مثال سے سمجھنے کی کوشش کریں کہ ایک شخص ہے جس کے محلے میں ستر برس کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو وہ بچپن ہی سے عسرت اور درماندگی کی حالت میں دیکھتا چلا آیا ہے اور جانتا ہے کہ اس بوڑھے فقیر نے ہمیشہ مانگ تانگ کے ہی زندگی بسر کی ہے۔کچھ عرصے بعد کوئی آدمی اُس شخص کو اِس بوڑھے فقیر کے متعلق بتاتا ہے کہ وہ بیچارا فقیر گذشتہ رات مر گیا ہے۔اب یہ ایسی بات ہے جو عام انسانی تجربے کے مطابق ہے اس لیے وہ شخص اس بات کو فوراً ہی درست تسلیم کر لیتا ہے۔اب اگر کوئی آدمی اُس شخص کو اُسی بوڑھے فقیر کے بارے میں بتاتا ہے کہ میں نے اُس بوڑھے فقیر کو ایک شاندار اور مہنگی کار میں بیٹھ کر ایک فائیو سٹار ہوٹل میں جاتے دیکھا ہے اور اُس نے ایک مہنگا تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا۔

تب وہ شخص اس بات کو ماننے میں کسی قدر تامل کرے گا اور جب تک کئی معتبر لوگ اس امر کی تصدیق نہیں کرتے تب تک اُس شخص کا دل اس افسانے پہ یقین کرنے کو تیار نہ ہوگا۔تاہم کچھ پس وپیش کے بعد اُس کو اس امر پہ یقین کرنا ہی پڑے گا اس لیے کہ ایسی مثالیں بہت کم سہی تاہم یہ عین ممکن ہے کہ کسی شخص کو اچانک ہی دولت مل جائے۔مگر جب کوئی آدمی اُسی بوڑھے فقیر کے متعلق اس شخص کو یہ اطلاع کرے کہ میں نے اُس بوڑھے فقیر کو دیکھا ہے وہ تو جوان ہو گیا ہے اُس کی عمر پچیس سال ہو گئی ہے اور وہ ایک نوجوان لڑکا بن گیا ہے۔اب مذکورہ شخص اس خبر کو بغیر کسی ادنیٰ تامل کے رد کر دے گا اور سوچے گا کہ اس خبر کو پہنچانے والے شخص کا یا تو دماغ خراب ہو گیا ہے یا اس کو کوئی دھوکا ہوا ہے۔اس لیے کہ ظاہر میں یہ بات قوانین فطرت کے خلاف ہے اور انسان کا سابقہ تجربہ بھی اس بات

سے انکاری ہے اس لیے ایسی کسی بھی بات پہ یقین کرنا محال ہے۔ چنانچہ ایسے ہی کسی امر کو معجزہ یا آیت کہا جائے گا جو انسان کے عمومی تجربے اور قوانین فطرت کی نفی کرتے ہوئے دکھائی دے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ امر بھی فطرت کے مخالف نہیں بلکہ فطرت کی تعمیل ہی میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہیوم کا اس سلسلے میں کیا استدلال تھا خود اُسی کی زبان سے پیش کیا جاتا ہے۔

"معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پہ مبنی ہوتے ہیں اس لیے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہوسکتا، کیا وجہ ہے کہ ہم اِن باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب اِن کا توڑ بغیر قوانین فطرت توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ یہ امور بلا معجزہ کے ناممکن ہیں جو چیز عام قوانین فطرت کے اندر واقعہ ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ خیال نہیں کی جاتی، مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے اچانک ہی مر جائے۔ گو اس قسم کی موت نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدے میں آ چکی ہے، البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا۔ لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا ہمسر و متواتر ہونا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے موسوم نہ ہوگا اور چونکہ کسی شئے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے تو گویا معجزہ کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جاسکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے۔ لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے

لیے کافی نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی، فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا ہے جو زندہ ہوگیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہے یا خود دھوکا کھا گیا ہے اغلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ بیان کررہا ہے صحیح ہو۔ میں اِن دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اس کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہونا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یاد رہے کہ ہیوم اور دوسرے اہل مغرب فلاسفہ اُس دور کے نظریات سے متاثر نظر آتے ہیں جب اہل مغرب نے ایک طویل جد جہد کے بعد کلیسا کے جبر سے نجات حاصل کی تھی اس لیے جہاں تک خرق عادت واقعات کا تعلق ہے تو خود قوم بنی اسرائیل پہ اترنے والے تمام انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے شمار نشانیوں سے نوازا تھا خود حضرت موسیٰ کا اپنے سب سے بڑے دشمن فرعون کے گھر میں پرورش پانا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ مغربی فلاسفہ میں ہیوم ہی تھا جس نے سب سے پہلے عقل کی خود فریبی کے اُس طلسم کو لوگوں کے اذہان سے کھرچ کھرچ کر دور کیا جو معجزات کی قبولیت میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ ہیوم کے پورے فلسفے پہ نظر دوڑانے سے اُس کے تخیل کے ارتقاء کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ چراغ تلے اندھیرے کی مثل کے مطابق بعض اوقات انسان کسی امر کی تلاش میں پہاڑ کھود ڈالتا ہے مگر اپنی جیب پہ نگاہ نہیں کرتا جہاں اُس کا مقصود چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ انسان کے ذہن میں صدیوں سے یہ اعتقاد راسخ چلا آیا ہے کہ ہماری یہ کائنات مادی علل واسباب اور فطرت کے

قوانین میں جکڑی ہوئی ہے جس سے وہ ذرا برابر بھی انحراف نہیں کر سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کائنات میں وقوع پذیر ہونے والا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ ناممکن ہے کہ میز پہ پڑا پانی کا گلاس اپنے آپ ہی میز کے شمالی کونے سے جنوبی کونے کی طرف چلا جائے یا آم کے درخت پہ سیب اگنا شروع ہو جائے یا سیب کے درخت پہ آم دکھائی دینے لگیں۔ اور یہ اس لیے ہے کہ انسان نے ایسا ہوتا کبھی دیکھا نہیں ہے انسان جب اس بات پہ غور کرتا ہے کہ نمرود کی جلائی ہوئی آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہ جلایا، اور نبی اکرم ﷺ نے ایک ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر کس طرح طے کر لیا تو اس کو حیرت ہوتی ہے اور عقل کی پوجا کرنے والے لوگ سرے سے اِن واقعات کا انکار کر دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جب انسان کائنات کی ماہیت کو بہ نظر غائر دیکھے تو جان لے گا وہ قوانین جنھیں ہم فطرت کے نام سے جانتے ہیں اور جو کبھی اُس امر کے خلاف نہیں جاتے جس پہ اُن کو متعین کیا گیا ہوتا ہے آخر وہ اس اصول اس قاعدے پہ کیونکر قائم ہیں جن کا بظاہر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن ہزاروں سال سے ایک دوسرے کے تعاقب میں مگن ہیں اور اُن کے اس تسلسل میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکا، یا خزاں کے بعد بہار اس تسلسل کے ساتھ کیسے چلی آتی ہے جیسے کہ وہ کسی کے حکم کی پابند ہو۔

حقیقت یہی ہے کہ خزاں کسی کے حکم کی پابند ہے تو بہار بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، آگ بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، سمندر بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں چاند بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، سورج بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، بادل بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں زمین بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، آسمان بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، پہاڑ بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، صحرا بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، نخلستان بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، دریا بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، جنگل بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، فصلیں بھی کسی کے حکم کی پابند ہیں، بیج بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، کنکریاں بھی کسی کے حکم کی پابند ہیں، خاک بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، ویرانے بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، بستیاں بھی کسی کے حکم کی پابند ہیں، پانی بھی کسی کے حکم کا پابند ہے، ہوا بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، شجر بھی کسی کے حکم کے

پابند ہیں، تو حجر بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں، شب بھی کسی کے حکم کی پابند ہے تو سحر بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، زہر بھی کسی کے حکم کا پابند ہے تو شہد بھی کسی کے حکم کی پابند ہے، گُل بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں تو خار بھی کسی کے حکم کے پابند ہیں اور اس سوال کا جواب تو نہایت آسان ہے کہ وہ اپنے خالق کے حکم کے پابند ہیں اب یہ سیدھی سی بات ہے کہ جب خالق آگ کو حکم دیتا ہے کہ وہ جلائے تو وہ حکم عام ہے مگر استثنائی صورت میں اسی آگ کو حکم ہوتا ہے کہ وہ نہ جلائے تو وہ نہیں جلاتی اور حضرت ابراہیم پہ سلامتی بن جاتی ہے، سمندروں اور دریاؤں کو حکم ہے بہتے رہو مگر جب حضرت موسیٰ کا قافلہ جس میں تمام قوم بنی اسرائیل تھے اور جو فرعون کی غلامی کا قلاوہ اپنی گردن سے اتار کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو جب وہ دریائے نیل کی بپھری موجوں والے کنارے پہ پہنچے تو دریا کو حکم دیا گیا ذرا تھم جا اور وہ تھم گیا جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰ قوم بنی اسرائیل کو لے کر آرام سے دریا کے پار اتر گئے اور جب فرعون کی فوجوں نے اپنے گھوڑے حضرت موسیٰ کے تعاقب میں دریائے نیل میں ڈالے تو دریا کا حکم ہوا کہ بہنا شروع کر دے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا۔

وقت کا کام گزر جانا ہے مگر جب رسول اللہ ﷺ کو معراج پہ بلایا گیا تو وقت کو حکم ہوا ٹھہر جا اور جب رسول اللہ ﷺ چودہ سال بعد واپس تشریف لائے تو اُم ہانی کے ہجرے کی کنڈی ہل رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کا بستر بدستور گرم تھا اس لیے کہ وقت اپنے عام معمول کو بھول کر اُس نئے حکم کا پابند ہو گیا تھا جس میں اِس کو ٹھہر جانے کا کہا گیا۔ اسی طرح کنکریاں بظاہر بے جان دکھائی دیتی ہیں دراصل تو وہ ہوتی بھی بے جان ہیں مگر جب اُن کو حکم دیا جاتا ہے تو وہی کنکریاں رسول اللہ ﷺ کی مٹھی میں بولنے لگتی ہیں اور کفار قریش کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہ بن جاتی ہیں، یا ایک دفعہ جب رسول اللہ ﷺ اپنے کچھ اصحاب کے ساتھ اُحد کے پہاڑ پہ تھے تو وہ ہلنے لگا مگر جب رسول اللہ ﷺ نے اُسے جھڑکا تو وہ سہم گیا اور ساکت ہو گیا معجزات یعنی دلائل و براہین کا ذکر تو آگے آئے گا یہاں ہم اس علت اور اُس سبب پہ بحث کر رہے ہیں جن کی بنا پہ یہ خرق عادت امور ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ فلاسفہ کا اس بات پہ اٹل یقین ہوتا ہے کہ کائنات اصول فطرت سے انحراف نہیں کر سکتی مگر فلسفی اپنے نظریے کی بنیاد ہمیشہ ظاہر پہ رکھتا ہے اور مابعد الطبعی نظام کے کسی تسلسل کا انکار کرتا

ہے وہ اس بات کو درخور اعتنا نہیں جانتا کہ فطرت کو سمجھنے میں اسے بھی غلطی لگ سکتی ہے اور اُسے غلطی لگتی ہے۔ چنانچہ (Jhon Astroet Mil) نے اپنی کتاب (System of logic) میں اس اصول کی نفی میں یہ شاندار مثال پیش کی ہے فطرت اگرچہ اٹل اصولوں پہ ہی کاربند ہے مگر فطرت کو سمجھنے میں فلسفی سے بھول ہو سکتی ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ:

''ماضی بعید میں وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانیت پر مبنی نہ تھا کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور اسی طرح کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ تمام اہل یورپ یہ سمجھتے تھے کہ راج ہنس ہمیشہ سفید ہی ہوتا ہے۔ مگر کچھ وقت گذرا تو اہل افریقہ جان گئے کہ لوگ تو سفید بھی ہوتے ہیں اور اہل یورپ نے جانا کہ راج ہنس تو کئی رنگوں میں ہوتا ہے اس طرح اِن دونوں گروہوں کو اُس اٹل قانون فطرت پہ جو اعتماد تھا جس کی بنا پہ انسان ہمیشہ کالا اور راج ہنس ہمیشہ سفید ہوتا ہے اس اعتماد میں دراڑیں پڑیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ اُن کے خیالات غلط تھے مگر انھیں اپنے اس اعتماد کے تنزل میں پانچ ہزار سال بیت گئے اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے حقیقت میں جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اب اگرچہ سائنس اور فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے اور اس حقیقت کو بھی ہیوم نے ہی اجاگر کیا۔ ہیوم کے کچھ مزید خیالات پیش کیے جاتے ہیں وہ کہتا ہے کہ!

”جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پہ نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو اِن میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو اور نہ اس کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے منسبط کرنے میں خطا کا امکان ہو ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے واقعہ کے بعد ہوتا ہے۔ بلیئرڈ کے ایک گیند کو ضرب لگانے سے دوسرے گیند میں حرکت ظاہر ہوتی ہے۔ بس حواس ظاہری سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کی بساط بس اسی قدر ہے ۔ اشیاء میں اس تقدم و تاخیر کے پائے جانے سے ذہن کو نفس طبیعت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ کسی شئے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی تجربہ کے ہم اس کے نتیجہ اور معلول کی پیش گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ مادی کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور شئے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جا سکے صلابت، امتداد، وحرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو اِن کا نتیجہ کہا جا سکے۔ موجوداتِ عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے ایک چیز دوسری چیز کے برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی ۔ ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلے میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن اِن دونوں یعنی گرمی اور شعلے میں کیا لزوم ہے ہمارا تخیل اس کے قیاس سے عاری ہے۔ عام طور پہ لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہہ میں کوئی دشواری

پیش نہیں آتی مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آ گرنا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں تولد و تناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ۔ انسان سمجھتا ہے کہ اِن صورتوں میں اِن کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم واحساس ہے جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اس لیے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں۔ بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے اِن کے ذہن میں ایک ایسا میلان ورجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس کے معلول کا علم ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ ہی پایا جاتا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ بھی ظاہر ہوسکتا تھا صرف اُس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ زلزلہ کا آجانا یا کسی وبا کا پھوٹ پڑنا وغیرہ جیسے امور کی علت کا پتہ نہیں چلتا اور لوگوں کو ایسے امور کی تشریح وتوجیح میں مشکل پیش آتی ہے۔ اس مشکل میں پڑ کر لوگ بالعموم کسی ان دیکھی اور صاحب عقل وارادہ کی قوت کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہہ واقعات اُسی ذات کے پیدا کردہ ہیں۔ تاہم فلاسفہ کی نگاہ باریک بیں کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم اور ناقابل توجیہہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی واقعات کو پیدا کرنے والی قوت۔ چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس امر پہ مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثنا تمام واقعات عالم کا مبدا اُسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام معجزات اور دیگر خرق عادات واقعات کو منسوب کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک ہر معلول کی واقعی وبراہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ یہ کچھ ایک برتر قوت کا ارادہ ہوتا ہے جو پورا ہوتا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ جب یہ بات ثابت ہوچکی کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر اور تجربہ میں خطا کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے اس لیے کسی خلاف فطرت واقعہ کو خرق عادت کہہ کر اس کا انکار کیسے ممکن

ہے۔خود ہیوم کا استدلال بھی یہی ہے کہ جس شئے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقص کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شئے مستلزم تناقص نہ ہو اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ایک مغربی فلسفی ہکسلے جو فلسفہ سے زیادہ حکمت یعنی سائنس کے میدان کا آدمی ہے نے اپنی کتابوں میں جا بجا ہیوم کی نظریات کی تائید کی ہے۔مغربی فلاسفہ میں سے اگرچہ کچھ لوگوں نے انبیاء ورسل کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے خرقِ عادت امور کا اثبات کیا ہے تاہم اُن میں سے اکثر و بیشتر نے اس امر سے انکار ہی کیا ہے کہ دراصل وہ مادی نظریات کے حامل ایک معاشرے کی تشکیل کے خواہاں تھے جس میں روحانی چلن کا تذکرہ برائے نام بھی نہ ہو اگرچہ اہلِ مغرب ہی نے جب سائنس کے میدان میں نئے نئے انکشافات کا سامنا کیا تو اُن کو ہر آن ایک روحانی تسلسل کی موجودگی کا احساس گھیرے رہا مگر انھوں نے اس احساس کو اپنے اندر ہی کہیں مقید کر دیا اور معدودے چند ہی لوگوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ انھوں نے سائنس کی انتہائی مادیت میں بھی روحانیت کے سائے کھوجے ہیں۔چنانچہ ہکسلے نے اپنی ایک کتاب میں ممکنات اور ناممکنات کے عنوان کے تحت ایک مضمون میں لکھا کہ:

> ''صحیح معنوں میں بجز تناقص کے میں اور کسی بھی ایسی چیز سے واقف نہیں ہوں جس کو ناممکن کہنا مناسب ہو۔اگرچہ منطقی ممکنات کا وجود تو ہے مگر طبعی ممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں، چنانچہ کسی انسان کا پانی پہ چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، یا بچہ کا بن باپ کے پیدا ہونا، یا مردہ کو زندہ کر دینا ناممکنات میں سے نہیں۔ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ فلاں امر ناممکن ہے۔اس لیے کہ آدمی کی صفات چونکہ پانی پہ چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقص ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لیے ناممکن ہیں لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا تو کجا انسان ابھی اس کی ابتدا بلکہ ابجد پہ اٹکا بیٹھا ہے۔بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکناتِ فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے۔جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے

مگر جو کچھ واقع ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں اس سے آگے کچھ نہیں جس کی بنیاد کم وبیش گذشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ظاہر ہے کہ تب اس دور میں دنیا کے بہت سے گوشوں سے اسی قسم کی آوازیں آ رہی تھیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قانون فطرت کا پابند ہے اور وہم انسان کا بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست۔ اور اسی نظریہ کے تحت لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ معجزات کے انکار پہ مصر رہا ہے اور آج تک مصر ہے۔ پھر ۱۹۲۷ء کو سائنس دانوں نے کوانٹم کا نظریہ حتمی مراحل تک پہنچایا تو سائنسی نظریات کی اُس بوسیدہ پہ عمارت میں ایک زلزلہ آ گیا جس میں لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ قوانین فطرت کا مقید ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سائنس کی دنیا میں بھی ایسے بے باکانہ اور مدعیانہ نعروں کی گنجائش نہ چھوڑی ۔ چنانچہ اہل مغرب کے دار حکمت کا ایک نمایاں فرد (Sir Arther Aedngtun) کہتا ہے کہ :

"کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب بپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا سارے طبعی واقعات وحوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے۔ سلسلہ علل ومعلولات میں کہیں کوئی خلل و رخنہ نہ تھا مگر کوانٹم تھیوری سے اس خیال و یقین کو زبردست جھٹکا لگا اور ماہرین طبعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب وکلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی وقطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ ابھی بالکل کل تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا تھا کہ آیا کارخانہ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعے ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو

علت کہا جاتا ہے۔ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کہ تہہ میں کوئی ایسی شئے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی''۔[*7]

✡ ✡ ✡

آیات، دلائل وبراہین

ہم یہاں اس کتاب میں خصائص المزمل کا تذکرہ کررہے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت مزمل کے بے انتہا خصائص میں سب سے ارفع خصوصیت تو آپ کے سر پہ سجا تاج رسالت ہے اس کے بعد وصول کتاب کا مرتبہ ہے، ازاں بعد آپ کو بہت سے خرق عادت ظواہر سے بھی نوازا گیا۔ علمائے متقدمین نے آیات اللہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اول تو وہ خصائص ہیں جو لوازم نبوت کی حیثیت رکھتے ہیں اِن کو خصائص النبوۃ کہا جائے گا اور دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوتے ہیں انھی کو اصطلاع عام میں معجزہ یا آیات اللہ کہتے ہیں۔ آیات ودلائل یا معجزہ کی بھی کئی اقسام ہیں اِن میں سب سے ارفع مقام تو بلاشبہ اِن واقعات کو حاصل ہے جن کا تذکرہ یا جن کی طرف مختصر اشارہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اس کے بعد خرق عادت ظواہر کی وہ قسم ہے جو صحیح سند اور عمدہ روایت کے ساتھ ہم تک منتقل ہوئی۔ اس کے بعد درجہ کے لحاظ سے وہ واقعات ہیں جن کو اگرچہ محدثین اور اہل سیر نے اپنی

کتب میں جگہ دی ہے مگر محدثانہ اصول اور صحتِ روایت کی بنا سے اِن واقعات پہ جرح وتعدیل کی گنجائش موجود ہے، ازاں بعد کچھ اُن بشارات کا تذکرہ کیا جائے گا جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلیں اور وقت نے اُن پہ مہر تصدیق ثبت کی ۔ چنانچہ آیات اللہ کو ہم اسی ترتیب کے مطابق بیان کریں گے۔ان شاءاللہ

✡ ✡ ✡

القرآن الحکیم

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت محمد ﷺ پہ جو سب سے بڑی نشانی اتاری گئی وہ یقیناً قرآن ہی ہے قرآن حکیم آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، قرآن حکیم ہی دنیا میں سب سے زیادہ شائع کی جانے والی کتاب ہے، قرآن حکیم ہی دنیا میں سب سے زیادہ خریدی جانے والی کتاب ہے، قرآن حکیم ہی دنیا میں سب سے زیادہ زبانی یاد کی جانے والی کتاب ہے قرآن حکیم ہی سب سے زیادہ مقدس کتاب ہے، قرآن حکیم ہی دنیا کی سب سے محفوظ کتاب ہے قرآن حکیم ہی میں سب سے زیادہ ہدایت پائی جاتی ہے، قرآن حکیم ہی سب سے زیادہ سچی کتاب ہے، قرآن حکیم ہی اللہ کی آخری کتاب ہے، قرآن حکیم ہی انسانیت کے لیے راہ نجات ہے، قرآن حکیم ہی حقیقی دستور حیات بیان کرتا ہے، قرآن حکیم ہی داستان عبرت پیش کرتا ہے، قرآن حکیم ہی وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ رب العزت نے خود اٹھایا ہے، قرآن حکیم ہی وہ کتاب ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، قرآن حکیم ہی وہ کتاب ہے جس کی مثل پیش کرنا ممکن نہیں، قرآن حکیم فصاحت و بلاغت میں سب سے اعلیٰ کتاب ہے، قرآن حکیم ہی وہ واحد کتاب ہے جس میں امور غیب اور آنے والے کل کی خبریں دی گئی ہیں، قرآن حکیم ہی وہ واحد کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، قرآن حکیم کی آیات پر تاثیر ہیں، قرآن حکیم کی آیات میں معجزہ نما قوت ہے، قرآن حکیم نے اہل عرب کو فصاحت و بلاغت کے میدان میں شکست دی اور اُن کی زبان آوری کا فخر چھین لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہی اصل معجزہ ہے چنانچہ اہلیان مکہ یعنی رسول اللہ ﷺ کے خاندان نے آنحضرت محمد ﷺ کو طعنہ دیا کہ ہم

آپ کو رسول کیسے مان لیں جب کہ آپ کے رب نے آپ پر کوئی نشانی ہی نہیں اتاری تب اللہ رب العزت کی طرف سے انھیں جواب دیا گیا کہ آنحضرت محمد ﷺ کی سب سے بڑی نشانی تو وہ کتاب ہی ہے جو اُن پہ اتاری جا رہی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ..

(القرآن الحکیم سورۃ العنکبوت ۲۹۔آیت ۵۱۔۵۰)

ترجمہ:

''اور انھوں نے کہا کہ پیغمبر پہ اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہ اتریں۔ کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کی قدرت میں ہیں میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں کیا اِن کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے اس پہ کتاب اتاری جو اُن کو پڑھ کے سنائی جاتی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا کہ:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔۸۸)

ترجمہ:

"کہہ دے اے پیغمبر: اگر تمام جن و انس بھی مل کر چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں لا سکتے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پہ ہی کیوں نہ لگے ہوں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اُن میں سے بعض بدقسمتوں نے رسول اللہ ﷺ پہ یہ الزام لگایا کہ یہ قرآن تو وہ خود ہی گھڑ لیتے ہیں جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں چیلنج دیا گیا کہ اگر ایسا ہے تو تم بھی چند ایسی سورتیں بنا لاؤ۔

ارشاد ہوتا ہے کہ!

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِہٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ ھود ۱۱-آیت ۱۳)

ترجمہ؛

"کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے بنا لیا ہے تو کہہ دے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کے لیے خدا کے سوا جس کو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا کہ:

وَاِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲/ ۲۳)

ترجمہ:

’’اور اگر تم کو اس میں کوئی شک ہو تو جو ہم نے اپنے بندے پہ اتارا ہے تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بقرہ میں ہی ارشاد ہوا کہ :

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ البقرۃ ۲۔آیت۲۴)

ترجمہ:

’’تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لاسکو اور یقیناً نہ لاسکو گے تو اس آتش دوزخ سے بچو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر (جن کو تم پوجتے ہو) سب ہوں گے جو کافروں کے لیے تیار رکھی گئی ہے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ یونس میں فرمایا گیا کہ :

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰاهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ یونس ۱۰۔آیت۳۸)

ترجمہ:

’’کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے ان سے کہہ دے کہ اس جیسی ایک سورہ تو تم لاؤ اور خدا کے سوا جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر

تم سچے ہو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ طور میں فرمایا گیا کہ!

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَہٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿ۚ﴾ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿ؕ﴾

(القرآن الحکیم سورۃ طور ۵۲-آیت ۳۴)

ترجمہ؛

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے بات یہ ہے کہ ان کو ایمان نہیں اگر وہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات ہی پیش کریں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ جہاں تک قرآن کی معجز بیانی اور فصاحت و بلاغت کی برتری کا تعلق ہے تو خود قرآن کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل اور ابوسفیان بھی جان چکے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔تاہم اُن کا قبائلی تعصب انھیں حق قبول کرنے سے روکے ہوئے تھا۔پندرہ سو برس ہونے کو آئے جب صفا کی چوٹی پہ کھڑے ہو کے ایک امی کی زبان سے قرآن حکیم کی اولین آیات کا ظہور ہوا۔تب اہل عرب کے ہر قبیلے میں زبان آور شعرا اور آتش بیاں خطباء موجود تھے اُن سب نے قرآن حکیم کی آیات پہ غور کیا اور اپنی قوم کو اس امر سے آگاہ بھی کیا کہ اس کلام کا جواب لانا ممکن نہیں۔تاہم قریش نے قرآن کی مخالفت کی اور رسول اکرم ﷺ پہ ایمان لانے سے انکار کیا انھوں نے اپنے تمام وسائل اس انکار کی بھینٹ چڑھا دیئے۔اپنی جانوں کو ہتھیلی پہ لے کر نکل آئے۔اِن عرب قبائل نے مسلمانوں کا خون بہایا اور اپنا خون بھی بے دریغ پیش کیا۔انھوں نے اپنی دولت کے انبار قرآن کے خلاف صرف کیے اور خطہ عرب کو جنگ کی بھڑکتی آگ میں جھونک دیا۔اُن کے شعرا اور آتش بیان خطبا نے عرب کے سلگتے

صحراؤں کی حدت میں مزید اضافہ کردیا۔ آٹھ سال تک جاری رہنے والی اس جنگ میں آخری فتح حق کی ہوئی کہ آخری فتح ہمیشہ حق ہی کو ہوتی ہے۔ دشمن حق نے ہر محاذ پہ مسلمانوں کو شکست دینے کی کوشش کی مگر ناکامی اُن کا مقدر تھی۔ چنانچہ حسان بن ثابت، عامر بن اکوع طفیل بن عمر، زید الجلیل، زبرقان، شماس بن قیس، اسود بن سریع، کعب بن زہیر، عبداللہ بن رواحہ اور ابن الولید کا شمار اُن کے زبان آور شعرا میں کیا جاتا تھا مگر اِن سب نے رفتہ رفتہ قرآن کی معجز بیانی کا اعتراف کیا اور کم وبیش سارے صاحب دانش اسلام کے سایہ عافیت میں اترے۔ اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعر کے سردار لبید ابن عامر سے جب حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آپ نے شعر کہنا کیوں چھوڑ دیئے ہیں تو انھوں نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے سورۃ بقرہ اور آل عمران عطا کردی ہے تو اس کے بعد شعر کہنا مجھے زیبا نہیں۔

قبیلہ بنی غفار سے حضرت انیسؓ مکہ تشریف لائے اور وہ جاننا چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پہ جو کلام اترا ہے اُس کی ماہیت کیا ہے وہ نثر ہے نظم ہے یا زبان کی کوئی اور صنف ہے۔ انیس حضرت ابوذر غفاریؓ کے بھائی تھے اور اُن کا شمار صاحب طرز شعرا میں کیا جاتا تھا۔ وہ قریش سے چھپ کر آئے تھے اس لیے سحر کو جب رسول اللہ ﷺ صحن حرم میں لحن وسوز کے ساتھ کلام الٰہی کی تلاوت کررہے تھے تو انیس کو موقعہ مل گیا کہ وہ آپ ﷺ کا کلام سُن سکے۔ اُنھوں نے چند آیتیں سنیں مسحور ہوگئے وہ جان گئے کہ اس قدر عمدہ کلام انسان کے بس سے باہر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو وہ بھی اپنے وطن کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب وہ اپنے وطن پہنچے تو اُن کے بھائی حضرت ابوذرؓ نے دریافت کیا تم نے اُس شخص کا کلام سنا جس کا دعوی ہے کہ وہ کلام اس کو وحی کیا جارہا ہے۔ حضرت انیسؓ نے جواب دیا: ہاں میں نے وہ کلام سنا ہے بخدا ہم شاعر ہیں اور زبان کے تمام اسلوب کو اچھی طرح جانتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے میں نے جو کلام سنا ہے وہ نہ تو کہانت کی الجھی ہوئی باتیں ہیں اور نہ کسی شاعر کی تک بندی ہے، خدا کی قسم وہ نہایت برتر کلام ہے اور وہی سچے ہیں اُن کی مخالفت کرنے والے قریش جھوٹے ہیں۔ اسی طرح حضرت ضماد الازدیؓ کا واقعہ ہے۔ وہ ویرانوں میں مقیم رہا کرتے اور لوگوں کو جھاڑ پھونک کیا کرتے۔ اُن کو کئی منتر یاد تھے حقیقت میں وہ شہر مکہ کے رہنے

والے تھے اور بچپن میں رسول اللہ ﷺ کے دوست بھی رہے تھے اس لیے ایک دفعہ جب وہ کافی دنوں کے وقفے کے بعد شہر مکہ میں اترے تو لوگوں نے انھیں بتایا کہ تمھارا دوست محمد (ﷺ) معاذ اللہ دیوانہ ہوگیا ہے تو اُس نے لوگوں سے کہا مجھے اُن کے پاس لے چلو میں اُن کو دم کروں گا تو وہ ٹھیک ہوجائیں گے۔ لوگ حضرت ضماد الازدیؓ کو رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازے تک لے آئے اور خود باہر ہی رُک کر انتظار کرنے لگے۔ ضماد الازدیؓ کو اندر گئے کافی دیر ہوگئی تھی قریش نتیجے کے انتظار میں رسول اللہ ﷺ کے گھر کے باہر ہی براجمان تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ضماد الازدی کو دیکھا تو انھیں محبت کے ساتھ گھر کے اندر لے گئے اور انھیں اپنے پاس بٹھایا۔ ضماد الازدیؓ نے کہا' میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ پہ کسی آسیب کا سایہ ہے آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کا علاج کروں اللہ کے فضل سے آپ ٹھیک ہوجائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ ضماد الازدی کی بات سن کر مسکرا دیئے اور فرمایا۔ مجھ پہ کسی آسیب کو کوئی سایہ نہیں بلکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کی ہدایت کے لیے مقرر کیا ہے اور مجھ پہ اپنی کتاب اتاری ہے مگر میری قوم اس کتاب کو قبول کرنے سے انکار کررہی ہے۔ ضماد الازدیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی جو کلام اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پہ اتارا ہے اُس میں سے مجھے بھی کچھ سنائیں۔ آنحضرت محمد ﷺ نے ضماد الازدیؓ کے سامنے کچھ قرآن پڑھا تو ضماد الازدیؓ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، نبی اکرم ﷺ جب چپ ہوئے تو ضماد لازدیؓ نے بے قراری سے درخواست کی۔ تھوڑا سا اور سنائیں، نبی اکرم ﷺ نے مزید قرآن پڑھا۔ تو ضماد الازدیؓ نے فوراً ہی اس خواہش کا اظہار کیا کہ مجھے دائرہ اسلام میں داخل کرلیا جائے وہ کلمہ پڑھ کے مسلمان ہوگئے۔ دوسری طرف قریش رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے باہر منتظر تھے کہ دیکھیں ضماد الازدیؓ کے علاج سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

آخر حضرت ضماد الازدیؓ باہر نکلے تو لوگ بے تاب اُن کی طرف بڑھے۔

لوگوں نے سوال کیا؟

کیا وہ بیمار ہیں کیا تم نے اُن کا علاج کردیا ہے؟

کیا اب وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں گے؟

کئی زبانیں تھیں اور کئی سوال تھے۔

حضرت ضماد الازدیؓ نے ہاتھ اٹھا کر اہل مکہ کے اس ہجوم کو خاموش کیا اور کہا!

اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کے ساتھ عقل بھی عطا فرمائی ہے جس کی بنا پہ میں جان گیا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ تم لوگ بیمار ہو۔ تم لوگوں کی عقلوں پہ پردہ پڑ گیا ہے اور تم سب کو کسی آسیب نے سونگھا ہے۔

جہاں تک محمد رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل صحت مند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن پہ جو کتاب اتاری ہے میں اُس پہ ایمان لے آیا ہوں اب میرا راستہ چھوڑ دو مجھے جنگل میں جانا ہے۔

اہل قریش کے چہرے مایوسی سے سیاہ ہو رہے تھے۔ اُن کی ہر امید دم توڑ رہی تھی اور قرآن حکیم کسی نادیدہ سحر کی طرح اِن کے گھروں میں نقب لگا رہا تھا۔ اُن کے بچے بوڑھے اور نوجوان ایک ایک کر کے اسلام قبول کر رہے تھے۔ اُن کو اپنے گھروں سے قرآن حکیم کی آوازیں آ رہی تھیں جن کی وجہ سے وہ پہلے سے زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔

قوم ابوجہل کے گرد جمع تھی اور صحن حرم میں دھوپ چمک رہی تھی۔

لوگوں نے اُس سے کہا؛

تم دم سادھے بیٹھے ہو ادھر ہر طرف حتیٰ کہ ہمارے گھروں میں بھی اب اُس کلام کی آوازیں آنے لگی ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پہ اتارا جا رہا ہے۔

کچھ کرو ورنہ ہمارے سب نوجوان اُس کے دین کو قبول کر لیں گے۔

ابوجہل نے کہا؛

کوئی ایسا شخص ہو جو شعر کہانت اور جادو جانتا ہو تا کہ ہم اُسے محمد (رسول اللہ ﷺ) کے پاس بھیجیں اور وہ جا کے معلوم تو کرے آخر اس کلام میں کیا ہے کہ جو اس کو سنتا ہے دیوانہ ہو جاتا ہے ایک لمحے کو وہ ہمارا ہوتا ہے اور اگلے ہی لمحے ہمارا دشمن ہو جاتا ہے اسلام قبول کر لیتا ہے۔

عتبہ بن ربیعہ جو اُن کا نہایت صاحب ثروت سردار تھا اسی محفل میں موجود تھا جس میں ابوجہل

رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرر ہا تھا۔

عتبہ بن ربیعہ نے کہا؛

میں اُن سب باتوں سے آگاہ ہوں جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے اگر تم کہو تو میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں کہ شاید وہ کسی بات پہ آمادہ ہوجائیں اور قوم کو اُن سے نجات مل جائے۔

ابوجہل نے کہا؛

ضرور جاؤ اور اُن سے بات کرو کہ وہ اپنی قوم کو مصیبت میں نہ ڈالیں۔

عتبہ بن ربیعہ اُس مجلس سے اٹھا اور صحن حرم ہی میں سجی بنو ہاشم کی اُس مجلس کی طرف روانہ ہوا جہاں رسول اللہ ﷺ اپنے جانثار صحابہ کے جلو میں تشریف فرما یا تھے۔

عتبہ کو آتے دیکھ کر نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے کہا؛

اسے جگہ دو یہ قوم کا صاحب دانش آدمی ہے۔

عتبہ بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور کہا؛

میں اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ بن کے آیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ اور قوم میں جو اختلاف ہے وہ ختم ہوجائے۔

عتبہ بن ربیعہ نے قوم قریش کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو صلح کی چند شرائط پیش کیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا؛

عتبہ تم نے جو کہنا تھا کہہ چکے ہو یا ابھی مزید کچھ کہنا چاہتے ہو۔

عتبہ بن ربیعہ نے جواب دیا؛ مجھے بس اسی قدر کہنا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛ اب میری بھی کچھ سنو گے؟

عتبہ نے کہا؛ بصد شوق۔

تو نبی اکرم ﷺ نے عتبہ کے سامنے سورۃ فصلت کی کچھ آیات تلاوت کیں۔

عتبہ کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا اور اُس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا، پھر وہ بے تاب ہو

اٹھا اور اُس نے آنحضرت محمد ﷺ کے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا اور کچھ کہے بغیر اُٹھ کر چلا گیا۔

ابوجہل اہل قریش سمیت عتبہ کا انتظا کر رہے تھے مگر وہ بجائے اِن کے پاس آنے کے اپنے گھر چلا گیا۔

ابوجہل کو وہم ہو گیا کہ کہیں اُس نے بھی اسلام تو قبول نہیں کر لیا۔

چنانچہ اگلے روز وہ عتبہ کے گھر چلا گیا اور اُسے طعنہ دیا کہ تم نے قوم سے غداری کی ہے۔

عتبہ نے جواب دیا؛

میں نے قوم سے کوئی غداری نہیں کی، دراصل محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھ پر جو کلام پیش کیا تھا وہ اِتنا زبردست تھا کہ مجھے لگا کہ میری قوم کہیں اُس عذاب کی زد میں نہ آ جائے جس کی وہ خبر دے رہے ہیں اس لیے میں گھر چلا گیا تھا۔

یہ اور اس طرح کی درجنوں مثالیں ہیں کہ قرآن حکیم کی چند آیات نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں چھید کیے اور کس طرح چند ہی آیات نے لوگوں کے دل کی دنیا بدل دی۔

بیان کیا گیا ہے کہ سابقہ انبیاء علیہ السلام پہ اللہ کی جو کتابیں اتریں وہ وقتی اور عارضی تھیں اس لیے وہ ایک وقت تک تو لوگوں کی راہنمائی کرتی رہیں مگر جب اُن کے انبیاء و رسل کا وقت ختم ہوا تو اِن انبیاء و رسل کی تعلیمات بھی مٹ گئیں۔ تاہم آنحضرت محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت رہتی دنیا قائم رہنے والی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن پہ جو کتاب اتاری اس کی عمر بھی لامتناہی تھی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لوگوں کی راہنمائی کا باعث بننے والی تھی اس لیے اُس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا حقیقت یہی ہے کہ آج روح زمین پر قرآن ہی وہ واحد کتاب ہے جس کی تعلیمات میں انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے مگر ہدایت پہ کم ہی لوگ کان دھرتے ہیں۔

✡ ✡ ✡

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی پوری حیات اپنی قوم کو حق کی طرف بلاتے گزری، ساری زندگی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی یہی خواہش رہی کہ اُن کی قوم حق قبول کرلے مگر اُن کی قوم تھی حق کی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ تھی بلکہ وہ تو ہجرت کے بعد بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا پیچھا کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالی نے اشرار قریش سے زمین کو پاک کردیا۔

شہادت قرآن

مسلمانوں میں ایک محدود طبقہ فکر یہ خیال کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی معجزات یا خرق عادات واقعات سے عاری ہے۔جس سے مستشرقین کو یہ موقع ملا کہ وہ یہ بات کہنے کی جرأت کرسکیں کہ اُن کے انبیاء ورسل کو تو اللہ تعالیٰ نے بہت سی نشانیوں سے نوازا تھا مگر رسول اللہ ﷺ کو اس سے محروم رکھا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کھلی گمراہی کی بات ہے جو بعض لوگوں نے اپنالی ہے۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بھی سابقہ انبیاء ورسل کی طرح بے شمار آیات و براہین سے نوازا۔یہ بھی محض ایک فکری مغالطہ ہے کہ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے معجزات کی تفصیلات فراہم نہیں کی گئیں۔بعض کوتاہ بینوں کو جو یہ اشتباہ گزرا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہ السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں اُن کی تعداد کم اور محدود تھی،وہ گنی چنی نشانیاں تھیں،اس لیے قرآن حکیم میں جب کبھی سابقہ انبیاء ورسل کا تذکرہ چھڑا ہے تو ساتھ ہی اُن کی نشانیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جس کی وجہ سے سابقہ انبیاء و رسل کی آیات وعلامات کا مکرر تذکرہ ہوا۔جس سے یہ اشتباہ پیدا ہوا کہ سابقہ انبیاء کو زیادہ براہین عطا

کی گئیں تھیں۔اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العزت کی طرف سے جو نشانیاں عطا کی گئیں وہ اس قدر متنوع، مختلف اور غیر محدود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تذکرہ مبارک میں اللہ رب العزت کو اُن نشانیوں کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہ تھی۔اس لیے آپ ﷺ کے تذکرے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ پہ نازل ہونے والی مختلف آیات کا تذکرہ بھی ہوتا رہا جن کے نظائر ہم ان شاء اللہ اگلے صفحات میں تحریر کریں گے۔مذکورہ اشتباہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام نے رسول اللہ ﷺ پہ جو دین اتارا ہے اُس میں اِن آیات و براہین کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے جس کی وجہ سے ظاہری اور مادی معجزات کو ثانوی حیثیت ہی حاصل رہی۔جس کا مقصود یہ تھا کہ انسانوں کو زیادہ تر غور وفکر، فہم و تدبر اور سوچ سمجھ کی طرف مائل کیا جائے اور وہ نبوت کے اندرونی خصائص اور روحانی دلائل سے متاثر ہوں اور جب وہ اسلام قبول کریں تو اُن کے ذہن میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ ہو اور وہ شرح صدر کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہوں۔مزید براں سابقہ انبیاء کے ہاں یہ رواج نہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کے اقوال اور سیرت محفوظ کریں چنانچہ اُن کے پاس صرف ایک ہی ماخذ وہ الہامی کتابیں ہی رہ جاتی تھیں جن سے وہ اپنے انبیاء کے حالات جانتے تھے۔بعد میں اِن کتابوں میں بھی تحریف ہوگئی تو اُن کے انبیاء کے اقوال اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات باہم دگر پیوست ہوگئیں۔

اِس کے برعکس رسول اللہ ﷺ پہ اترنے والی کتاب بھی محفوظ ہے اور آپ ﷺ کے اقوال حدیث کی شکل میں اور آپ ﷺ کی زیست سیرت کی شکل میں محفوظ ہیں جس کی بنا پہ مسلمان آسانی سے رسول اللہ ﷺ کے اقوال یعنی احادیث اور پیام الٰہی یعنی قرآن میں امتیاز کرسکتے ہیں۔روایت کے اسی تسلسل کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے معجزات کا تذکرہ بھی محفوظ ہے اور مسلمان اُن واقعات کی جزیات تک سے آگاہ ہیں۔بعض لوگوں کو جو یہ اشتباہ گزرا ہے کہ رسول اللہ کے معجزات کا قرآن میں تذکرہ نہیں تو یہ بھی محض فکری کوتاہ بینی ہے۔اس لیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے خرق عادت ظواہر وقوع پذیر نہ ہوئے ہوتے تو کفار آپ ﷺ کو بار بار ساحر، کاہن اور جادوگر کیوں کرکہتے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس امر کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو ساحر اور کاہن اور جادوگر کہتے

رہے ہیں۔قرآن حکیم سے چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

ارشاد ہوا کہ:

فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ۔

(القرآن الحکیم سورۃ طور ۵۲۔آیت ۲۹)

ترجمہ:

''اے محمد ﷺ! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الصافات میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الصافات ۳۷۔آیت ۱۵)

ترجمہ:

''جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ زخرف میں ارشاد فرمایا کہ :

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○

(القرآن الحکیم سورۃ زخرف ۴۳ / ۳۱)

ترجمہ:

"اور جب اُن کے پاس سچی بات آئی تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور انھوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اترا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الاحقاف میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الاحقاف ۴۶ / ۷)

ترجمہ:

"حق کے منکروں نے جب اُن کے پاس کھلا حق آیا تو انھوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الانبیاء میں ارشاد فرمایا کہ :

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ الانبیاء ۲۱ / ۴)

ترجمہ:

"یہ محمد تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ یونس میں ارشاد فرمایا کہ :

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا السّٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ یونس ۱۰ / ۲)

ترجمہ؛

”کافروں نے کہا! یہ محمد تو کھلا جادوگر ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ صف میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَآ سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ صف ٦١ / ٦)

ترجمہ؛

”پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لے کر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ ذیل میں ہم اُن آیات و براہان اور دلائل کا کچھ تذکرہ کریں گے جن کی طرف قرآن میں بھی اشارات ملتے ہیں۔

✡ ✡ ✡

الاُمی المزمل ﷺ

خصائص المزمل ﷺ میں سرفہرست آپ ﷺ کی اُمیت ہے۔یعنی آپ ﷺ کا ان پڑھ رہنا آپ ﷺ کی شان کے عین مطابق ہے۔اس لیے کہ آپ ﷺ کی ذات سے جن امور کا ظہور ہوا اُن کی نسبت کسی اُمی کی طرف ہو تو یہ اللہ کی واضح اور روشن نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک پل کفار قریش کے سامنے تھا اور وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کی ساری زندگی مکہ میں ہی گزری ہے اور آپ ﷺ نے کبھی کسی مدرسے یا کسی دوسرے ذریعے سے کوئی علم حاصل نہ کیا تھا۔چنانچہ قرآن حکیم میں بھی اُمیت کو آپ ﷺ کی شان قرار دیا گیا اور بار بار آپ ﷺ کو اُمی کہہ کے پکارا گیا ہے۔چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

سورہ الاعراف میں ارشاد ہوتا ہے کہ ؛

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ الاعراف ۷۔آیت ۱۵۷)

ترجمہ؛

”یہ مسلمان وہ ہیں جواَن پڑھ پیغمبراورفرستادہ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ اعراف ہی میں آگے جاکے مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیُّ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ الاعراف ۷۔آیت۱۵۸)

ترجمہ؛

”تو لوگو! خداپراوراس کے اَن پڑھ پیغمبراورفرستادہ پرایمان لاؤ“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب میں پڑھنے لکھنے کا کوئی عام رواج نہ تھا اس لیے تمام عرب کے لوگ خودرسول اللہ ﷺ کی طرح اُمی ہی تھے۔قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ میں نے اُمیوں میں ایک اُمی نبی کو بھیجا ہے تا کہ وہ اِن کو ہدایت کی راہ دکھائے اور حکمت کی باتیں بتائے۔

ارشادہوا کہ:

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلاً مِنْهُمْ۔۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ جمعہ ۶۲۔آیت۲)

ترجمہ؛

”اسی خدانے اُمیوں کے درمیان انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

تقریباً انھی معنی پہ دلالت کرتی یہ آیت سورۃ عنکبوت میں نازل فرمائی گئی، ارشاد ہوا کہ:

وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الاعنکبوت ۲۹ ۔ آیت ۴۸)

ترجمہ:

"اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست اس بات پہ شک کر سکتے تھے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس آیت اور اسی مضمون کی دوسری آیات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منشا اور رضا اسی میں تھی کہ آنخضرت محمد ﷺ کو مروجہ علوم اور پڑھنے لکھنے سے دور رکھا جائے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے ہاں سے علم کے بہت سے خزانے عطا فرمانے تھے۔ چنانچہ اسی سورہ میں آگے جا کے ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کے اُمی ہونے کو بھی اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيٰتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيٰتُ عِندَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الاعنکبوت ۲۹۔آیات ۵۱-۵۰)

ترجمہ:

''اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی۔ کہہ دے کہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں کیا اِن معترضین کو خدا کی یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر (جو اُمی ہے) کتاب اتاری جو اُن کو پڑھ کے سنائی جاتی ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قرآن حکیم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے جا بجا دلیل کے چراغ روشن کیے ہیں جو عقل والوں کی راہنمائی کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور صرف وہی لوگ ہدایت سے خالی رہ جاتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے اور وہ محض اپنی انا کی تسکین کی خاطر باطل پہ ڈٹے رہنے کی بے جا ضد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دیکھو ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اگلی امتوں کے حالات سے کس طرح باخبر رکھا ہے۔ کس طرح عہدِ ماضی کے واقعات کو قرآن حکیم میں جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل اِن واقعات کا نہ تو تمھیں علم تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ اُن مواقع پہ موجود رہے تھے۔ مگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اِن قدیمی واقعات سے آگاہ کیا۔ تاکہ انھیں سن کر شاید تم عبرت حاصل کرو اور ہدایت کی طرف مائل ہو جاؤ۔ قرآن حکیم میں نبی اکرم ﷺ کو عہد ماضی کے بہت واقعات سے آگاہ فرمایا گیا تاکہ آپ ﷺ اپنی امت کو ڈرا سکیں۔ چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ‌ؕ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَهُمۡ اَيُّهُمۡ يَكۡفُلُ مَرۡيَمَ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ اِذۡ يَخۡتَصِمُوۡنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔آیت ۴۴)

ترجمہ؛

''یہ گذشتہ زمانے کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، تو اُن کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا اور نہ تو اِن کے پاس اُس وقت تھا جب وہ آپس میں باہم جھگڑا کر رہے تھے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کے اس قصے کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ کے متعلق اتاری گئی آیات میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَـٰكِنَّآ أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِيٓ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَـٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَـٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ...

(القرآن الحکیم سورۃ قصص ۲۸ ۔آیات ۴۴۔۴۶)

ترجمہ؛

''جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تُو اُس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا۔ بلکہ ہم نے اس پہ صدیاں گزار دیں۔ اور کئی قومیں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں۔ اور نہ تُو اہل مدین میں قیام پذیر تھا کہ اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا۔ بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے۔ اور نہ تو اُس وقت گوشہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی ہے بلکہ (اس قصہ کا جو علم تجھ کو حاصل ہو رہا ہے) وہ محض تیرے پروردگار کی رحمت

ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ جب یوسفؑ کے بھائی اُس کو کنویں میں ڈالنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے آپ ﷺ تو اُس وقت بھی وہاں موجود نہ تھے اور یہ سراسر تیرے رب کا فضل ہے کہ اُس نے آپ پہ گذشتہ قوموں کے احوال وحی کیے اگرچہ اس سے قبل آپ ﷺ اِن امور سے آشنا نہ تھے۔

سورۃ یوسف میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ○

(القرآن الحکیم سورۃ یوسف ۱۲ ۔آیت ۱۰۲)

ترجمہ:

”یہ اس گذشتہ زمانے کا قصہ ہے جس کا علم ہم نے تم پہ وحی کیا۔ تُو اُس وقت اُن کے پاس موجود نہ تھا جب وہ آپس میں ایک امر پہ مشاورت میں تھے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تب بھی علم کی معروف صورت یہی تھی کہ انسان گذشتہ زمانے کے حالات جاننے کے لیے اُن کتابوں کو پڑھے جو انسان کو دستیاب ہوسکیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اگرچہ کتابوں کا اس قدر رواج نہ تھا مگر یہ بھی نہیں کہ وہ بالکل ہی مفقود تھیں۔ سابقہ انبیاء کی کتابیں تو بہر حال موجود ہی تھیں جب کہ دوسرے سے بہت سے قصص جن کا تعلق گذرے زمانوں سے تھا لوگوں کے پاس کتابی شکل میں موجود تھے۔ جیسا کہ ذوالقرنین نبی کے قصے، رستم اور اسفند یار کی کہانیاں وغیرہ۔ چنانچہ جب آپ ﷺ کی ملاقات مدینے کے ایک رہائشی سوید بن صامت

سے ہوئی اور آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور اُن کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پہ اپنی مقدس کتاب نازل کی ہے تو سوید بن صامت نے کہا میرے پاس بھی ایک کتاب ہے جس میں حکیم لقمان کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔تاہم جب سوید بن صامت نے قرآن سنا تو انھوں نے قبول کیا کہ آپ کی کتاب بہرحال اُس کتاب سے افضل ہے جو میرے پاس ہے ۔مقصودِ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس امر سے بھی آگاہ فرمایا کہ چونکہ آپ ﷺ اُمی ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے قبل کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی تھی کہ معترض یہ کہہ سکے کہ انھوں نے پڑھ کے کچھ باتیں جان لی ہیں۔چنانچہ قرآن حکیم میں اس امر کی بھی نفی کی گئی کہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی کوئی کتاب پڑھی تھی۔

ارشاد ہوا کہ:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الاعنکبوت ۲۹ ۔آیت۴۸)

ترجمہ:

”اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھ سکتے تھے۔اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست اس بات پہ شک کر سکتے تھے۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ شوریٰ میں مزید ارشاد فرمایا گیا کہ:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

(القرآن الحکیم سورۃ شوریٰ ۴۲۔آیت۵۲)

ترجمہ:

"تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔"

✡✡✡✡✡✡✡✡

جب نبی اکرم ﷺ کو بعثت عطا گئی تب علم حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ تھا کہ لوگ حصول علم کے لیے سفر کرتے یا سفر تجارت کے دوران ہی دور دراز کے لوگوں سے علم کی کچھ باتیں جان لیتے۔ نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے علم کے اس ذریعے کی بھی نفی کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم تو جانتے کہ تمہارے صاحب نے اپنی ساری زندگی تمہارے سامنے اسی شہر مکہ میں گذاری ہے اور تجارت کی غرض سے بھی کم ہی شہر سے نکلے ہیں پھر یہ بھی تو دیکھو جن باتوں کو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اتار رہے ہیں اُن سے تو تم بھی آشنا نہیں ہوا گرچہ تم بہت سفر میں رہتے ہو۔

سورۃ ہود میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا۔

(القرآن الحکیم سورۃ هود ۱۱۔آیت ۴۹)

ترجمہ:

"یہ گذشتہ زمانے کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تم کو تعلیم دیتے ہیں تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے اِن امور سے آگاہ نہ تھی"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ قریش سے فرمایا کرتے کہ تم جانتے ہو کہ جو الزام تم مجھ پہ لگاتے ہو وہ غلط ہیں اس لیے کہ میری ساری زندگی تو تمھارے سامنے ہی گذری ہے۔اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو قبول کرنے سے تم انکاری ہو۔

چنانچہ سورہ یونس میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ یونس ۱۰-آیت ۱۶)

ترجمہ:

''اگر خدا کو منظور نہ ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کے سناتا اور نہ خدا تم کو اس سے آگاہ کرتا، اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم یہ نہیں سمجھتے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حقیقت یہ ہے کہ اہل مکہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آنحضرت محمد ﷺ اُمّی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اس بات سے محفوظ رکھا کہ آپ ﷺ سے لوگ یہ کہہ سکیں کہ چونکہ آپ پڑھے لکھے ہیں اس لیے سابقہ کتابوں سے پڑھ پڑھ کے لوگوں کو باتیں سناتے ہیں اور اس سلسلے میں قریش مکہ جو باتیں کرتے وہ بالکل بے بنیاد اور احمقانہ ہوتیں۔ کبھی وہ کہتے کہ آپ ﷺ یہ قرآن کسی جن سے سیکھتے ہیں اور کبھی کہتے کہ آپ ﷺ کو یہ کلام ایک نصرانی غلام سکھاتا ہے اور کبھی کہتے کہ یمامہ کا کوئی شخص اِن کو قرآن سکھاتا ہے جس کو اپنی کتاب کا علم حاصل ہے۔ یہ لایعنی باتیں تھیں جن کی کوئی بنیاد نہ تھی اس لیے کہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ جس نصرانی غلام کا وہ نام لیتے ہیں اُسے تو عربی زبان کا ایک لفظ تک نہیں آتا۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ پہ جو قرآن اتر رہا تھا وہ عربی زبان کا شاہکار تھا اور اُس کی فصاحت و بلاغت اہل عرب کے خطبا اور شعرا کا دل جلائے دیتی تھی۔ کبھی وہ کہتے کہ جو قرآن آنحضرت محمد ﷺ ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اسے رسول اللہ ﷺ خود ہی گھڑ لیتے ہیں اور کبھی کہتے کہ آپ ﷺ کو یہ قرآن کئی لوگ سکھاتے ہیں۔ اور اہل نصاریٰ کے مستشرقین تو آج تک کہتے چلے آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن بحیرہ راہب نے سکھایا تھا۔ اور یہ سب جاہلیت کی باتیں تھیں جن کو قرآن حکیم میں یکسر مسترد کر دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ نحل ۱۶ ۔آیت ۱۰۳)

ترجمہ:

”اور ہم کو بہ تحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ کو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ (قرآن) فصیح عربی زبان میں ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قرآن حکیم میں جابجا اس امر کی تردید کی گئی ہے کہ قرآن حکیم کی آیات بنانے میں کئی لوگ رسول اللہ ﷺ کی معاونت کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ○

(القرآن الحکیم سورۃ الفرقان ۲۵۔آیت ۴)

ترجمہ:

”اور کافر کہتے ہیں یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمد نے گھڑ لیا ہے اور اس فتراء پردازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ جب مدینے تشریف لے گئے تو یہود آپ ﷺ کے پاس آتے اور سوال کرتے۔ اپنے سوالوں کے متعلق اُن کو پختہ یقین تھا کہ اُن کے جواب اللہ کے پیغمبر کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اس لیے کہ یہ وہ باتیں تھیں جن کا ادراک انھیں اس لیے حاصل ہوا تھا کہ اللہ نے انھیں کتاب عطا کر رکھی تھی۔ وہ اپنی خفیہ باتوں اور پوشیدہ امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے اور درست جواب پا کر متحیر ہو جاتے۔ مگر اُن میں سے بہت تھوڑے تھے جن کے دل ہدایت کی طرف مائل ہوئے عام طور پہ اہل یہود نبی اکرم ﷺ کے بدترین دشمن ہی ثابت ہوئے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت محمد ﷺ کو اُن پہ غلبہ عطا فرمایا اور اُن کو ذلیل و خوار کر دیا گیا۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بہ صراحت واضح کر دیا کہ آنحضرت محمد ﷺ امّی ہیں اور اُمیوں میں ہی مبعوث کیے گئے۔ آپ ﷺ کا شرف یہ ہے کہ آپ ﷺ اُمیوں میں پل کر جوان ہوئے، سابقہ کتابوں سے نا آشنائی کے باوجود بھی آپ ﷺ کو اُن بہت ساری باتوں کا علم تھا جن کو صرف انبیائے بنی اسرائیل ہی جانتے تھے۔

یہ ایک بہت ہی نادر بات تھی اس لیے کہ اہل عرب یہودیوں کو خود سے برتر خیال کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں کو کتاب عطا کی گئی تھی اور اُن کو وحی کی تعلیم سے مزین کیا گیا تھا اور عرب بت پرستی کا شکار تھے اس لیے وہ یہودیوں سے قدرے مرعوب تھے اور انھیں خود سے بہتر خیال کرتے تھے۔ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے یہودیوں کے پاس جایا کرتے تھے۔ دوسری طرف خود یہودی بھی آنحضرت محمد ﷺ کی زبان سے قرآن سن کر حقیقت سے آگاہ ہو چکے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ پہ جو کلام اتارا جا رہا ہے وہ اسی چشمہ فیض کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں سے اُن کے انبیاء و رسل کو وحی کی جاتی رہی تھی۔ قرآن حکیم میں انکار کرنے والوں کے دلوں کو جھنجوڑنے کے لیے مزید ارشاد ہوا کہ :

اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ شعراء ۲۶-آیات ۱۹۶-۱۹۷)

ترجمہ؛

”یہ باتیں گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں کیا اِن کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں کہ اِن باتوں کو (جو ایک اُمی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں اُن کو) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔“

✡ ✡ ✡

قریش کی بد قسمتی تھی کہ وہ اُس روشنی سے اپنے دامن روشن نہ کر سکے جس روشنی سے ایک زمانہ اپنے دلوں کو منور کر رہا تھا۔قریش حق کی مخالفت میں اس حد تک چلے گئے تھے جہاں عرب دستور کے مطابق لوگ اپنی زبان اور ہاتھ کو روک لیتے تھے۔دوسری طرف اللہ نے اپنے رسول کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔

اہتمام تحفیظ المزمل ﷺ

معاملاتِ رسالت اسراروں کے تہہ در تہہ پردوں میں مقید ہوتے ہیں۔عام آدمی کو اِن امور کا قطعاً کوئی ادراک حاصل نہیں ہوتا کہ انبیاء ورسل کا اللہ تعالیٰ سے تعلق کس قدر ہمہ پہلو اور جامع ہوا کرتا ہے۔چنانچہ تاریخ انبیاء ورسل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن قوموں کی طرف بھی مبعوث کیے گئے انھوں نے عام طور پہ اُن کا انکار ہی کیا۔حق بات کہنے کی پاداش میں قبیلے کے قبیلے اور قوموں کی قومیں رسولوں کی دشمن ہوگئیں۔انبیاء ورسل تب تشریف لاتے ہیں جب اندھیرا بڑھ جاتا ہے، جب جہالت سر چڑھ کے بولتی ہے، جب خزاں کی حکمرانی ہوتی ہے، جب لوگ لطفِ بہار کو بھول چکے ہوتے ہیں، جب یقین اٹھ جاتا ہے، جب اعتماد مٹ جاتا ہے، جب تاج شرف کی چمک گہنا جاتی ہے، جب زمین وآسمان خلافِ فطرت ظواہر سے اکتا جاتے ہیں، جب اقلیم عالم پہ دستورِ شر چھا جاتا ہے، جب پیش منظر رنگِ وحشت سے مزین ہو جاتا ہے، جب پس منظر سے اسلوبِ ہدایت ہٹا دیئے جاتے ہیں، جب خواہش نفس خدا بن بیٹھتی ہے، جب عدل مٹ جاتا ہے اور ظلم بڑھ جاتا ہے،

جب حقیقت پہ خاکِ توہم کی رِدا چھا جاتی ہے، جب بستیوں کی بستیاں خالق کی پہچان کھو دیتی ہیں جب ہر سحر کا آغاز شرک سے اور ہر شب کا اختتام جاہلیت پہ ہو، جب لوگوں کے دل تیرگی میں آسودگی محسوس کریں، جب اہتمام زیست کی ہر راہ سے حق رخصت ہو جائے جب گناہ احساس تفاخر بن جائے اور بھلائی اجنبی خیال کی جانے لگے۔ جب مکان مکینوں سے مکین مکانوں سے اکتا جائیں تب یا خالق کا قہر نازل ہوتا ہے یا اُس کی رحمت، مگر خالق کی سنت یہ رہی ہے کہ وہ پہلے آگاہ کرتا ہے اس کے بعد سزا دیتا ہے۔ چنانچہ تب اللہ کے انبیاء ورسل ابدی فلاح کا پیغام لے کر اِن لوگوں طرف اترتے ہیں مگر وہ لوگ اس حد تک پستی کی طرف مائل ہو چکے ہوتے ہیں کہ فوری طور پہ اُن کے دل ہدایت کی طرف مائل نہیں ہوتے اور وہ انبیاء ورسل سے دشمنی پہ اتر آتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے انبیاء ورسل کی حفاظت کا پختہ اہتمام کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہی غالب رہتے ہیں اور اُن کے دشمن خائب وخاسر ہو جاتے ہیں۔ خود آنحضرت محمد ﷺ کی زندگی کا جائزہ لیں تو جونہی آپ ﷺ نے لوگوں کو راہ حق کی طرف بلایا تو شہر مکہ کا بچہ بچہ جوان بوڑھا، عورت مرد، اپنے پرائے سب آپ ﷺ سے دشمنی پہ اتر آئے اور آپ ﷺ کو اذیت پہنچانے لگے۔ تاریخ کا ورق ورق اس امر کا شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت میں ہوتے ہیں اور دشمن اپنے بد ارادوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کی دعوت حق پہ قریش اس قدر نالاں ہوئے کہ آپ ﷺ کے بدترین دشمن بن گئے، وہی شخص جو کل تک اُن کی آنکھ کا تارا تھا، وہی شخص جو کل تک خاندان قریش کا فخر تھا، وہی شخص جس کو وہ امین وصادق کہتے تھے اور اُس کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔ آج وہ اُسی شخص کے قتل کا سامان کر رہے تھے، اُسی شخص کے متعلق ہر وقت برے برے منصوبے بناتے رہتے۔ وہ کون سی تکلیف ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پہنچائی ہو۔ تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں سوتے میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی، آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھائے گئے آپ ﷺ کے گلے میں کپڑا ڈالا گیا، آپ ﷺ کے سر پہ غفلت میں چکی کا پاٹ گرانے کی کوشش کی گئی۔ آپ ﷺ کو زہریلا گوشت کھلانے کی کوشش کی گئی، آپ ﷺ کو جنگ میں شہید کرنے کوشش کی گئی،

آپ ﷺ کی گھات میں لوگوں کو بٹھایا گیا، آپ ﷺ کو زبان کے نشتر لگائے گئے، آپ ﷺ کو طعنے دیئے گئے، آپ ﷺ سے مقاطعہ کیا گیا، الغرض وہ کون سی اذیت وہ کون سی تکلیف تھی جو قریش نے آپ ﷺ کو نہ پہنچائی ہو مگر آخری فتح ہمیشہ حق ہی کو حاصل ہوتی ہے اس لیے ساری تکلیفوں صعوبتوں کے باوجود آنخضرت محمد ﷺ نے فریضہ رسالت نہایت تندہی سے ادا کیا اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ ﷺ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء ورسل کو یہ اطمینان بخشا جاتا ہے کہ وہی حق پہ ہیں، وہی غالب رہنے والے ہیں اور دشمن کی یہ دشمنی اور انکار کا یہ غلغلہ عارضی ہے، مٹ جانے والا ہے اور غلبہ ہمیشہ سے حق کا مقدر رہا ہے۔ انبیاء ورسل کو دشمن کی طرف سے جو تکالیف اور اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف اُن پہ صبر کرنے اور دعوت میں استقامت اختیار کرنے کا حکم ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ یہ دشمن آپ کو کوئی شدید نقصان نہیں پہنچا سکتا اس لیے کہ غیب سے آپ کی حفاظت کی جارہی ہے قرآن حکیم اس بات کی گواہی پیش کرتا ہے کہ آنخضرت محمد ﷺ کی حفاظت پہ اللہ تعالیٰ کے خفیہ لشکر متعین تھے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا

(القرآن الحکیم سورۃ طور ۵۲۔آیت ۴۸)

ترجمہ:

”اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کیے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا کہ :

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ

(القرآن الحکیم سورۃ اسراء ۱۷۔۶۰)

ترجمہ؛

”تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ وہ تجھ پہ دسترس پائیں۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

جب آنخضرت محمد ﷺ نے مکہ سے ہجرت کی تب قریش دشمنی کی انتہا پہ پہنچ چکے تھے اور انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ مدینہ کو ہجرت فرما گئے۔ جس رات آپ ﷺ ہجرت کے لیے نکلے اُس شب قریش کے نوجوان آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازے پہ پہرہ دے رہے تھے کہ آپ ﷺ اُن کے سروں میں خاک ڈال کے اُن کے درمیان سے نکل گئے اور وہ آپ ﷺ کو دیکھ تک نہ سکے اور آپ ﷺ کی حفاظت کا یہی وہ اہتمام تھا جس کی بنا پہ وہ آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے سے قاصر رہے تھے۔ شب ہجرت کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ یٰسین ۳۶۔آیت۹)

ترجمہ؛

”اور ہم نے اُن کے آگے اور پیچھے دیواریں گھڑی کر دی ہیں (اُن کی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ دیکھ نہیں سکتے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن سے اُس اعانت اور نصرت کا اظہار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ آپ کو حاصل رہی۔ مثال کے طور پہ ایک دفعہ ابوجہل ملعون نے ارادہ کیا کہ آج اگر رسول اللہ ﷺ نے حرم پاک میں عبادت کرنے کی کوشش

کی تو وہ انھیں اذیت پہنچائے گا۔ نبی اکرم ﷺ اپنے معمول کے مطابق تشریف لائے اور صحن حرم میں نماز ادا کرنے لگے۔ تب آپ ﷺ ہمیشہ بلند آواز سے قرآن پڑھا کرتے تھے تا کہ لوگوں کے دلوں پہ پڑے پردے ہٹ جائیں۔ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں نے کلام مبارک کی آواز سنی تو ابو جہل کے ساتھیوں نے اُسے یاد دلایا کہ اُس نے آج رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے کا عہد کیا تھا۔ ابو جہل رعونت سے اٹھا اور رسول اکرم ﷺ کی طرف بڑھا۔ پھر اچانک ہی الٹے پاؤں واپس آ گیا اور اس کے چہرے پہ حیرت تھی خوف تھا اور وہ بری طرح بدحواس تھا اُس کے ساتھیوں نے اُسے تھاما اور اُسے پوچھا اُس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ ابو جہل نے جواب دیا جب میں رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا تو میں نے جانا کہ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور میں تو بس اُس خندق میں گرنے ہی کو تھا اور میں نے اپنے آپ کو بڑی مشکل سے سنبھالا۔

یا ایک دفعہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ صحن حرم سے گذریں تو انھوں نے کچھ آوازیں سنیں۔ جب انھوں نے غور کیا تو جانا کہ وہ تو اہل قریش تھے اور باہم مشاورت میں تھے اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ آج وہ محمد ﷺ کا کام تمام کر دیں گے انھیں قتل کر دیں گے تا کہ انھیں اُس مصیبت سے نجات مل جائے جس میں وہ مبتلا تھے۔ حضرت فاطمہؓ تیزی سے گھر کی طرف دوڑیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت حرم پاک میں تشریف لایا کرتے ہیں ، جب وہ گھر پہنچیں تو رسول اکرم ﷺ وضو فرما رہے تھے تا کہ حرم پاک میں جا کر عبادت کر سکیں ۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو زار و قطار روتے پایا تو دریافت کیا میری بیٹی کو کیا ہوا ہے ۔ حضرت فاطمہ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ قریش نے اُن کو قتل کرنے کا مشورہ کر لیا ہے اس لیے آپ ﷺ آج حرم پاک تشریف نہ لے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی لخت جگر سے فرمایا! تم فکر نہ کرو وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اس لیے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ حرم پاک کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ قریش کے شریر اکٹھے ہیں اور اُن کی آنکھوں میں انتقام کی سرخی ہے، نبی اکرم ﷺ نے زمین سے چند کنکریاں اٹھائیں اور اُن کی

طرف پھینک دیں۔کفارقریش کواُن کنکریوں نے اس قدر شدید اذیت پہنچائی جیسے وہ کوئی کنکری نہ ہو بلکہ تلوار کا کوئی زخم ہو۔وہ چیختے چلاتے وہاں سے بھاگ گئے اور نبی اکرم ﷺ اطمینان سے عبادت میں مشغول ہو گئے۔مورخین نے لکھا ہے کہ اُس روز جس جس کو بھی رسول اللہ ﷺ کے کنکر لگے وہ تمام روز بدر قتل کیے گئے۔

شہر مدینہ میں بھی کفار قریش نے رسول اکرم ﷺ کا تعاقب جاری رکھا اور آپ ﷺ کو جنگوں میں الجھائے رکھا،قریش کے علاوہ شہر مکہ کے یہودی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن ثابت ہوئے تھے،اور منافقین مدینہ تھے جو رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رسول کو اذیت پہنچانے سے باز نہ رہتے اور دور دور تک صحراؤں میں پھیلے بدوی عرب تھے جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں پختہ تھے۔چنانچہ بہت سے دشمن تھے جو اس تاک میں تھے کہ انھیں موقع ملے اور وہ رسول اکرم ﷺ کو قتل کرسکیں۔چنانچہ اول اول تو صحابہ شہر مدینہ کا پہرہ دیا کرتے اور جب آپ ﷺ شہر سے باہر جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تب بھی وہ آپ ﷺ کے خیمے کے باہر پہرہ دیا کرتے کہ انھیں دشمن کے بدارادوں کا پوری طرح علم تھا۔ایک رات آپ ﷺ جہاد میں تھے رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی نبی اکرم ﷺ نے اپنے خیمے سے اپنا سر مبارک باہر نکالا اور دیکھا کہ اُن کے جانثار اُن کی حفاظت کے لیے مستعد ہیں تو آپ ﷺ مسکرا دیئے اور صحابہ سے فرمایا؛تم لوگ جاؤ اور آرام کرو‘اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ اُس نے فرشتوں کی ایک جماعت کو میری حفاظت کے لیے متعین کردیا ہے۔چنانچہ خصائص المزمل ﷺ میں یہ امر واضح ہے کہ آپ ﷺ کی ہر موقع پہ ہرلحہ حفاظت فرمائی گئی اور دشمن اپنے بدارادوں میں ہمیشہ ناکام رہا حتیٰ کہ سارے عرب کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے سر جھکانا پڑا کہ حق کی سرشت میں غالب ہونا لکھ دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور جنات

خصائص المزمل ﷺ میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کو کائنات کی تمام مخلوقات کی طرف معبوث فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کس قدر ہیں کسی کو علم نہیں۔ چنانچہ روایات میں اس بات کا واضح تذکرہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کی فلاح کے لیے معبوث کیے گئے تھے اسی طرح آپ ﷺ جنوں کی طرف بھی معبوث کیے گئے تھے۔ مدتوں سے لوگوں کے بیچ اس امر میں بحث موجود ہے اور وہ یہ سوال اٹھاتے رہے ہیں کہ جن کیا ہے۔ دراصل انسان اُن چیزوں پر مشکل ہی سے یقین کرتا ہے جن کو اُس نے دیکھا نہ ہو۔

جن کیا ہے؟

صبح تاریخ سے یہ موضوع اہل علم کی دلچسپی کا باعث رہا ہے اور ایک گروہ شروع سے اس خیال کا حامی رہا ہے کہ جن نامی کسی مخلوق کا کوئی وجود نہیں۔ مگر اِن لوگوں کی تعداد کم ہی رہی۔ اگرچہ آج کی دنیا میں بھی اس خیال کی تائید کرنے والوں کی ایک معقول تعداد موجود ہے۔ خود مسلمانوں کے بہت کئی

علماء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جن کچھ بھی نہیں محض ایک واہمہ ہے۔تاہم اِن لوگوں کی سوچ پہ تنقید سے ایک طویل بحث کا دروازہ کھل جائے گا جس سے ہم گریز ہی مناسب جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے اُس علم کے سامنے سر جھکاتے ہیں جس میں ہمیں آگاہ کیا گیا کہ میں نے تمہیں مٹی سے اور جنوں کو آگ کی لَو سے پیدا کیا۔چنانچہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ جن موجود ہیں۔

سورہ حجر میں ارشاد ہوا کہ:

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ
وَالۡجَآنَّ خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ---

(القرآن الحکیم سورۃ حجر ۱۵ آیات ۲۷-۲۶)

ترجمہ:

''اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا اور جنوں کو اس سے پہلے آگ کی لَو سے پیدا کیا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ رحمٰن میں ارشاد ہوا کہ:

وَخَلَقَ الۡجَآنَّ مِنۡ مَّارِجٍ مِّنۡ نَّارٍ---

(القرآن الحکیم سورۃ رحمٰن ۵۵-آیت ۱۵)

ترجمہ:

''اور اُس نے جنوں کو آگ کی لَو سے پیدا کیا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی اس خبر کے بعد صاحبان دانش کے لیے اس امر کی تو کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ کہیں کہ جن محض واہمہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کس قدر ہیں شاید انسان اس سے کبھی بھی مکمل طور پہ آگاہ نہ ہو سکے گا۔

ارشادباری تعالیٰ ہے کہ:

وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَا۔

(القرآن الحکیم سورۃ مدثر ۷۴۔آیت ۳۱)

ترجمہ:

”اور تیرے رب کی فوجوں کا علم صرف اُسی کو ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ قرآن کی رو سے اب یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی انگنت مخلوقات میں سے ایک مخلوق جن ہے۔اہل لغت کہتے ہیں کہ جن کا معنی ہے پوشیدہ یا چھپا ہوا۔یعنی وہ مخلوق جو انسانوں کو نظر نہیں آتی۔جن کا تصور قدیمی ہے اور جیسا کہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جن انسان سے بھی قدیمی مخلوق ہے اور انسان ہی کی طرح صاحب ارادہ وعقل مخلوق ہے اور شیطان انھی میں سے تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی عقل سے تکبر کا رویہ اختیار کیا اور اللہ کے حکم سے انکار کیا اور اُس کے در سے ملعون قرار پایا۔ہر قوم اور ہر امت میں ایسی مخلوقات کا تصور موجود رہا ہے جو انسانی نگاہوں سے مستور ہوں۔چنانچہ فرنچ میں جن کو جنی (Genee) انگلستان میں (Genei) اہل عرب میں جن، اطالیہ میں جینی (Genei) اسی مخلوق کے بارے مستعمل الفاظ ہیں جس کے ہونے کا یقین تو ہر کسی کو ہے اگرچہ وہ انسانی نگاہوں سے مستور رہتی ہیں مغرب میں اس ضمن میں روحانی علوم کے ماہرین نے جس قدر تحقیق کی ہے اُس کے مطابق غیر مرئی مخلوقات کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے۔

ہمارا موضوع اہل عرب کا وہ معاشرہ ہے جو اسلام سے قبل جاہلیت کے تخیلات میں ملوث تھا،

اور اُن کے توہمات میں جن کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔لوگ جنوں سے دعائیں مانگتے، اُن کی عبادت کرتے، اُن کے شر سے پناہ مانگتے، اُن سے غیب کی خبروں کو جانتے اور عجیب عجیب تصورات پالتے۔ وہ کہتے کہ اُن کے ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے۔اور ہر کاہن کے پاس بھی جن ہوتا جو اُس کو آسمانوں سے حاصل شدہ خبروں سے آگاہ کرتا۔قرآن حکیم میں اُن کے اِن جاہلی تخیلات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ ..

(القرآن الحکیم سورۃ انعام ۶ ۔آیت ۱۰۰)

ترجمہ؛

”اور مشرکوں نے تو جنوں کو خدا شریک ٹھہرالیا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الصافات میں ارشاد ہوا کہ:

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا...

(القرآن الحکیم سورۃ صافات ۳۷ ۔آیت ۱۵۸)

ترجمہ؛

”اور اُن مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ سبا میں فرمایا کہ:

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ...

(القرآن الحکیم سورۃ الاسبا ۳۴ ۔آیت ۴۱)

ترجمہ:

”(خدا روز قیامت اُن سے کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر لوگ انھی کے معتقد ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الذاریات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسُ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○

(القرآن الحکیم سورۃ ذاریات ۵۱ ۔ آیت ۵۷-۵۶)

ترجمہ:

”اور میں نے جن اور انسان کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ جب یہ امر طے ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرح جنوں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے تو یہ امر لازم ٹھہرا کہ اُن کو اُس طریقے کی دعوت دی جائے جس میں خالق کی منشا اور رضا ہو انھیں دین کی دعوت دی جائے اور روزِ محشر اُن سے حساب کتاب لیا جائے جیسا کہ کئی آیات قرآنی سے ظاہر ہوتا ہے۔

سورہ الانعام میں ارشاد ہوا کہ :

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيَاتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا○

(القرآن الحکیم سورۃ انعام ۶-آیت ۱۳۰)

ترجمہ؛

’’اے جن وانس کی جماعت! کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے پیغمبر نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کے نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی ضمن میں مزید ارشاد ہوا کہ:

قُلْ لَّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ ۔آیت ۸۸)

ترجمہ؛

’’کہہ دو! کہ اگر جنوں و انس دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنالائیں تو بھی یہ اُن کے لیے ناممکن ہے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورہ رحمان میں فرمایا کہ:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا وَلَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ ٥

(القرآن الحکیم سورۃ رحمن ۵۵ ۔آیت ۳۳)

ترجمہ؛

’’اے جن وانس! اگر آسمانوں وزمین کے حدود سے نکل کے باہر جاسکتے ہو تو نکل جاؤ

لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نہیں نکل سکتے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

جب رسول اللہ ﷺ کو اہل عرب میں معبوث کیا گیا تو عرب میں کہانت کو بہت عروج حاصل تھا ۔عرب کاہن لوگوں کو غیب کی خبریں سنایا کرتے۔اُن کا دعویٰ تھا کہ جن اُن کے تابع ہیں اور انھیں آسمان کی خبریں پہنچاتے ہیں۔اور عرب کاہن اپنے اس دعویٰ میں سچے تھے اس لیے کہ کتاب مقدس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی اترنی شروع ہوئی تو آسمانوں پہ کڑا پہرہ لگا دیا گیا اور شہاب وثاقب جنوں کے تعاقب میں لپکنے لگے۔تب اہل عرب نے جانا کہ اُن کے کاہن کسی قدر پریشان اور بولائے بولائے سے پھرتے ہیں اس لیے کہ اگرچہ عام آدمی کو اس کا کوئی شعور نہ تھا مگر اُن کے کاہن جان چکے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے، کیا ہونے والا ہے اس سے تو وہ آگاہ نہ تھے مگر اُن کے جنوں نے اُن کے کان میں اس قدر بات ضرور ڈال دی تھی کہ سرِ کائنات کوئی بڑا فیصلہ متوقع ہے اس لیے کہ آسمانوں کی صورت حال بدل چکی ہے جنوں کو اُن کی خفیہ نشست گاہوں سے مار بھگایا گیا ہے جہاں سے وہ کچھ نہ کچھ سن کر اپنے کاہن کے کانوں میں ڈال دیا کرتے تھے۔اہل عرب کے وہ لوگ جو علم انواء کے ماہر تھے وہ آسمانوں کی طرف دیکھتے اور آسمانوں کے بدلے ہوئے اسلوب کو دیکھ کر سر جھکائے پھر سے سوچ میں ڈوب جاتے۔اور وہ بھی جانتے تھے کہ کچھ ہونے والا ہے اگرچہ انھیں شعور نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے اور اس بات کا علم صرف خدائے قادرِ مطلق کو تھا کہ انسان کی فلاح کے لیے جاری اُس سلسلہ نبوت کو اب ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جو صدیوں سے جاری تھا اور آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عربوں کی طرف مبعوث کیا جانے والا تھا تاکہ نوع انسانی کو آخری شریعت سے نوازا جائے۔چنانچہ یہ اس قدر اہم واقعہ تھا کہ جس نے عالم آب وخاک میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا کہ اس واقعے سے تمام سابقہ شریعتیں منسوخ کر دی گئی تھیں، آسمانی کتابوں کے احکام ورسوم کو بدل دیا گیا تھا، ملکوں کے ملک ہل کے رہ گئے تھے،

قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے تھے، صومعہ وکلیسا ویران ہو گئے تھے، اسی طرح مملکت فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضروری تھا مگر اِس کو وہی دیکھ سکتے جن کو اِن امور کا علم حاصل تھا اور جن کو علم حاصل تھا وہ آسمانوں کی طرف دیکھتے اور حیران و ششدر رہ جاتے کہ انھوں نے اِن آسمانوں کو کبھی اس قدر جارحانہ مزاج میں نہ دیکھا تھا ہر طرف شہاب وثاقب کی یلغار تھی جو اہل عرب کے کاہنوں کے دوستوں کو ہلاک کر رہی تھی جس کا بے پناہ دکھ کاہنوں کے چہروں پہ سجا تھا مگر وہ اپنی اس شکست کا تذکرہ نہ کرتے تھے کہ مبادا لوگ جان جائیں کہ اُن کے علم کے سب سے بڑے ذریعے کو منقطع کر دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی کاہنوں کی اس بے بسی اور اُن کے جنوں کے نارسائی کا تذکرہ کیا ہے کچھ آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

سورہ حجر میں ارشاد ہوا کہ:

وَ لَقَدۡ جَعَلۡنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیۡنَ وَ حَفِظۡنٰهَا مِنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ رَّجِیۡمٍ اَلسَّمۡعَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیۡنٌ O

(القرآن الحکیم سورۃ حجر ۱۵۔آیات ۱۶۔۱۷)

ترجمہ؛

”اور ہم نے آسمان میں برج بنایا ہے اور اِن ستاروں کو دیکھنے والوں کے لیے زینت و آرائش بنایا ہے اور ہر رائندہ درگاہ شیطان سے اس کو محفوظ رکھا ہے لیکن اتنا ہے کہ وہ کچھ چوری چھپے اچک لے تو ایک چمکتا ہوا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ الصافات میں ارشاد ہوا کہ :

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَةِ ۨ الۡكَوَاكِبِ وَ حِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَیۡطٰنٍ مَّارِدٍ لَا یَسَّمَّعُوۡنَ اِلَی الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰی وَ

يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ صافات ۳۷۔آیات ۱۰۔۷)

ترجمہ؛

''ہم نے آسمان زیریں کوستاروں کی آرائش سے مزین کیا ہے اوراُن کوسرکش شیطان کا نگہبان بنایا ہے اور وہ ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے ہیں یہ اِن کے لیے لازمی سزا ہے (اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے)لیکن یہ کہ کوئی اچک کر کچھ سن لے تو ایک دہکتا ہوا ستارہ اُس کا پیچھا کرتا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اورسورہ ملک میں فرمایا گیا کہ :

وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ ملک ٦٧ ۔آیت ۵)

ترجمہ؛

''ہم نے آسمان زیریں کوستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اوراُن کوشیطانوں کے لیے پھینک کرمارنے کی ایک چیز بنایا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح سورہ فصلت میں ارشاد ہوا کہ :

وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ

الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ‎(12)

(القرآن الحکیم سورۃ فصلت ۴۱ آیت ۱۲)

ترجمہ؛

’’اور ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے اور اُن کو نگہبان بنایا ہے۔یہ غالب ودانا خدا کی تقدیر ہے‘‘۔

ان صفحات میں خاص ان امور کو موضوع بنایا ہے گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص تھے ۔ ان موضوعات کو ہم خصائص المزمل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عنوان سے درج کر رہے ہیں اور ان خصائص میں یہ بات بھی شامل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جنوں کی طرف بھی معبوث کیا گیا تھا۔

جنوں کو اسلام کی دعوت

خصائص المزمل ﷺ میں یہ امر بھی شامل ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کو جہاں انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا تھا وہیں جن بھی آپ ﷺ کی دعوت کے مخاطب تھے۔رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے وہ واقعات جو ہم تک صحیح روایات سے پہنچے ہیں اور قرآن حکیم نے بھی اِن پہ مہر تصدیق ثبت کی ہے اُن میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے جنوں کی دعوت کا فریضہ ادا کیا اور انھیں دین اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ صحیحین میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت محمد ﷺ نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہوگیا۔جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیئے گئے اور ٹوٹتے ستاروں کی بھر مار کر دی گئی۔کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور اِن کی باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔پھر آنحضرت محمد ﷺ کو رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا گیا اور آپ ﷺ نے اہل عرب کو اسلام کی دعوت دی۔اسی دعوت و تذکیر کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ مکہ کے اطراف میں بسے قبائل کی طرف بھی تشریف لے جاتے اور مختلف مقامات پہ جمع ہونے عربوں کو

بھی اسلام کی دعوت دیتے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ ﷺ مکہ اور طائف کے درمیان عکاظ کے نخلستان میں لگنے والے ایک میلے میں اس غرض سے تشریف لے گئے کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں واپسی پہ آپ ﷺ کو رات ہو گئی۔ پھر جب آپ ﷺ صحابہ کو صبح کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور قرآن حکیم کی تلاوت شروع کی تو قریب سے گزرتی ہوئی جنوں کی ایک جماعت نے اس کو سنا اس واقعہ کو قرآن حکیم سے بیان کیا جاتا ہے۔

چنانچہ سورہ جن میں ارشاد ہوا کہ:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا
قُرْآناً عَجَباً (1) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ
بِرَبِّنَا أَحَداً (2) وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا
وَلَداً (3) وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطاً (4)
وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِباً (5)
وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ
فَزَادُوهُمْ رَهَقاً (6) وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن
يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَداً (7) وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ
حَرَساً شَدِيداً وَشُهُباً (8) وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ
لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَاباً رَّصَداً (9) وَأَنَّا لَا
نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَداً
(10) وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ
قِدَداً (11) وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن
نُّعْجِزَهُ هَرَباً (12) وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى آمَنَّا بِهِ فَمَن
يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْساً وَلَا رَهَقاً (13) وَأَنَّا مِنَّا

الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا (14) وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (15)

(القرآن الحکیم سورۃ جن ۷۲ ۔آیت ۱۵۔۱)

ترجمہ؛

”اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دے کہ مجھے بذریعہ وحی خبر دی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے عجیب وغریب کتاب الٰہی سنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گے۔خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی لڑکا ہے ہم میں سے کچھ بے وقوف خدا پر بعید از عقل الزام لگاتے ہیں۔ہم سمجھتے تھے کہ کوئی انسان یا جن خدا پہ جھوٹ نہیں باندھ سکتا۔انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔تو انھوں نے ہی اِن کو زیادہ گمراہ کیا ہے۔انسان بھی ہماری ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ بھیجے گا۔ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا تو ہم نے پایا کہ وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے والے ستاروں سے بھرا ہوا ہے ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشست گاہوں میں سننے کو بیٹھ جایا کرتے تھے۔اب جو کوئی سننے جاتا ہے تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے کسی ستارے کو پاتا ہے اور ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جارہا ہے یا اُن کا پروردگار اُن کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ہم میں اچھے بھی ہیں اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ہم جدا جدا راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ وقدرت سے نکل سکتے ہیں اور جب ہم نے ہدایت کی بات کو سن لیا تو جو شخص اپنے پروردگار پہ ایمان لے آتا ہے تو پھر اُس کو خسارے کا کوئی ڈر نہیں رہتا۔ہم میں سے کچھ اطاعت گذار ہیں، کچھ گنہگار ہیں تو جو اطاعت گذار ہیں اِن ہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گنہگار ہیں وہ تو

جہنم کا ایندھن ہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس کے بعد سورۃ احقاف میں مزید ارشاد ہوا کہ:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ احقاف ۴۶ ۔آیت ۳۱۔۲۹)

ترجمہ:

"ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رُخ کو اے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو جب وہ آئے تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا! چپ رہو۔ جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انھیں خبردار کریں انھوں نے جا کر کہا ! بھائیو۔ ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے اور اس سے پہلے جو کتاب موسیٰ کے پاس آئی ہے اُس کی تصدیق کرتی ہے اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اے بھائیو! خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اُس پہ ایمان لے آؤ تا کہ وہ تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تم کو دردناک عذاب سے پناہ مل جائے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا بیان کیا گیا ہے کہ جب پہلی دفعہ جنوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن حکیم سنا تو وہ اس کلام کو سن کے اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے اس امر سے آگاہ فرمایا گیا کہ جنوں نے آپ ﷺ سے اللہ کا کلام سنا ہے اور وہ اس پہ ایمان لائے ہیں۔ دوسری دفعہ آپ ﷺ جنوں کی دعوت پہ اُن کو دین اسلام کی دعوت دینے کے لیے اُن کی طرف تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شب جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا تو پریشان ہو اٹھے۔ کیونکہ اہل قریش کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ وہ فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ ﷺ کو میدانوں میں ڈھونڈا، گھاٹیوں میں کھوجا، حرم پاک میں دیکھا مگر آپ ﷺ کو کہیں نہ پایا۔

ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ شاید کوئی آپ کو اٹھا کے لے گیا ہو کسی نے دھوکے سے قتل نہ کر دیا ہو۔

ہم نے اسی قلق اور سخت اضطراب میں رات بسر کی۔

صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کوہ حرا کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔

ہم نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ ہم نے گذشتہ شب آپ ﷺ کو ہر جگہ ڈھونڈا مگر آپ کہیں نہ ملے اس لیے ہم نے یہ رات قلق اور سخت اضطراب کی حالت میں بسر کی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!

جنوں کی جماعت سے اُن کا ایک قاصد میرے پاس آیا تھا میں اُن کے ساتھ چلا گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے بتایا کہ:

میں جنوں کی اُس جماعت کی طرف گیا میں نے اُن کو قرآن پڑھ کے سنایا اور انھیں دین اسلام کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ ہمیں ساتھ لے کر اُس مقام کی طرف تشریف لے گئے جہاں آپ

ﷺ نے جنوں کو دین اسلام کی طرف بلایا تھا۔وہاں لکڑیوں کے جلنے کے نشان تھے اور کسی گروہ کے قیام کرنے کے آثار بھی موجود تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے ہم سے فرمایا:

جنوں نے مجھ سے زادِراہ کی درخواست کی تو میں نے اُن کے لیے دُعا کی۔

میں نے اُن سے کہا اب تم جس گوبر یا ہڈی پر سے گزرو وہی تمھارا زادِراہ ہے اور اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سوکھے ہوئے گوبر اور ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمادیا۔

اور مسند ابن حنبل میں روایت ہے کہ:

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم رات کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں بیٹھے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس کے دل میں ذرا بھی کھوٹ نہ ہو وہ میرے ساتھ چلے؛

صحابہ میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تو میں نے لوٹا اٹھایا اور اُس میں پانی ڈال کے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

نبی اکرم ﷺ مجھے ساتھ لیے شہر سے باہر تشریف لے آئے۔وہاں ایک جگہ مجھے بہت سے سائے نظر آئے۔

نبی اکرم ﷺ نے ایک خط کھینچا اور مجھ کو حکم دیا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں رہنا اور خبردار اس لکیر کو مت الانگنا جو میں نے کھینچی ہے۔

پھر نبی اکرم ﷺ تشریف لے گئے اور میں نے دیکھا کہ وہ سائے آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے ۔نبی اکرم ﷺ بہت دیر تک اُن کے پاس بیٹھے رہے حتیٰ کہ فجر طلوع ہو گئی تب نبی اکرم ﷺ اٹھے اور میرے پاس تشریف لائے۔اور مجھ سے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔

میں نے دیکھا تو وہ پانی کی بجائے نبیذ تھا۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کوئی ہرج نہیں، کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا اور میں نے نماز کے لیے تکبیر کہی تب اُن سایوں میں سے دو آدمی نکلے اور میرے ساتھ آ کھڑے ہوئے انھوں نے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی۔

جب وہ چلے گئے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا؟

یارسول اللہ ﷺ یہ کون تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

شہر نصیبین کے جن۔

اسی رات کو لیلۃ جن کہا جاتا ہے۔[*8]

چنانچہ یہ امر ظاہر ہوا کہ نبی اکرم ﷺ انسانوں کی طرح جنوں کی طرف بھی مبعوث کیے گئے تھے۔ جنوں میں سے بہت سے نیک اور متقی جن موجود ہیں جن کا اللہ پہ پختہ اعتقاد ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جنھوں کو کب کب اور اِن کن کن موقعوں پہ تبلیغ کی اِن کا تذکرہ روایات کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس امر کی تصدیق کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کو دین حق کی طرف بلایا اور بہت سے جنوں نے اسلام قبول کیا۔ آیات اوپر تحریر کی دی گئی ہیں۔ قرآن کی اِن آیات سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انسانوں کی طرح جن بھی صاحب عقل وارادہ مخلوق ہیں جن سے اُن کے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ جنوں کی اصل حقیقت سے تو اُن کا خالق ہی آگاہ ہے ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جو انسانی نگاہوں سے مستور ہے۔

✡ ✡ ✡

اگرچہ انسانی تاریخ عجیب وغریب واقعات سے بھری پڑی ہے مگر انسانی تاریخ میں شاید ہی اس سے عجیب واقعہ گزرا ہو جس کو ہم ان صفحات میں بیان کرنے جارہے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے قریش کے مطالبہ اور ایمان لانے کے وعدہ پر انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کردیئے تھے۔

شق قمر

تاریخ انسانی کا عجیب وغریب واقعہ شق قمر ہے۔قرآن حکیم میں اس کے متعلق اشارات موجود ہیں۔لوگوں نے اس امر پہ حیرت کا اظہار کیا ہے اور بہت سوں نے تو اس واقعہ کو ماننے سے ہی انکار کر دیا اور اس معاملے میں طرح طرح کی تاویلیں کیں۔طرح طرح کے اعتراضات کئے مگر یہ سب انسانی عقل کی نارسائی کے قصے ہیں جن سے کچھ حاصل نہیں اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہی جب کنکریوں نے دی، شجر نے دی، حجر نے دی، آسمان نے دی، زمین نے دی تو چاند کو کون سا امر مانع تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینے سے انکاری ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ قمر میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ قمر ۵۴ ۔آیت۲۔۱)

ترجمہ:

’’قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہوگیا اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں گے تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے اور ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قرآن حکیم کے علاوہ شق قمر کا یہ واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیاسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی اور دلائل ابونعیم میں بھی مذکور ہے۔صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جبیر ابن معطمؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت علی ابن طالبؓ نے اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔اس واقعہ کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو اہل قریش نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی اور ہر موقع اور ہر طریقہ سے اسلام اور قرآن کی نفی کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو بہت اذیت پہنچائی اور اُن سے طرح طرح کے بے جا مطالبات کیے۔

کبھی کہا؛ تمھارے دائیں بائیں فرشتے نظر کیوں نہیں آتے۔

کبھی کہا؛ سیڑھی لگا کے آسمان پہ چڑھ جاؤ اور ہمارے لیے کتاب لے آوٴ۔

کبھی کہا؛ اپنے رب سے کہو تمھارے لیے دو باغ ہی لگا دے۔

کبھی کہا؛ مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے دور ہٹا دو۔

کبھی کہا؛ یمن کی طرح یہاں نہریں بہا دو تا کہ ہم بھی کھیتی باڑی کر سکیں۔

کبھی کہا؛ قصی بن کلاب کو زندہ کر دو تا کہ وہ تمھاری رسالت کی گواہی دے۔

کبھی کہا؛ آسمان کو ہم پہ گرا دو ہم تب بھی تمھاری بات نہیں مانیں گے۔

چنانچہ یہ اوراس طرح کے بہت سے لغو اور جاہلانہ مطالبات تھے جو قریش آپ ﷺ سے کرتے رہتے ۔ اِن مطالبات سے اُن کا مقصد ہدایت حاصل کرنا قطعاً نہ تھا بلکہ وہ محض آپ ﷺ کو اذیت پہنچانا چاہتے تھے۔ کچھ دن گذرے کہ اہل قریش کو نئی شرارت سوجھی اور اُن کے بڑے اُس شام منٰی کے مقام پہ جمع تھے اور وہ چودھویں کی رات تھی اور چاند آسمان پہ اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ دشمنانِ اسلام میں ولید ابن مغیرہ، ابوجہل ابن ہشام عاص بن ہشام ،اسود ابن عبد یغوث ،اسود ابن مطلب، زمعہ ابن اسود اور نضر بن حرث تھے جو اُس رات منٰی کے ویرانے میں چاند کی چاندنی میں مجلس سجائے بیٹھے تھے تب انھوں نے کہا؛

کیوں نہ ہم محمد (ﷺ) سے ایک متعین نشانی طلب کریں۔

کسی نے کہا؛ متعین نشانی سے کیا مراد ہے؟

قریش کا کوئی سردار بولا؛ جیسے کہ یہ چاند چمک رہا ہے اور اگر محمد (ﷺ) اسے دو ٹکڑے کر دیں تو ہم انھیں سچا نبی مان لیں گے اور جو کچھ وہ لائے ہیں اُس پہ ایمان لے آئیں گے۔

لوگ ابوجہل کی اس بات پہ حیران رہ گئے۔

ابوجہل نے اپنی بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا؛

یعنی وہ چاند کو اس طرح دو ٹکرے کریں کہ اُس کا ایک حصہ ابوقبیس پہاڑ پہ نظر آئے اور دوسرا قعیقان پہاڑ پہ نظر آئے۔[*9]

تب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ساتھ کہیں سے واپس آ رہے تھے۔

اہل قریش نے آپ ﷺ کو اپنی مجلس میں مدعو کیا۔

آپ ﷺ اُن طرف کی چلے آئے اس لیے کہ آپ ﷺ اس بات کے آرزومند تھے کہ اُن کی قوم اُن پہ ایمان لے آئے تا کہ اُن کی دنیا اور آخرت سنور جائے۔

چنانچہ اہل قریش نے آنحضرت محمد ﷺ پہ اپنا یہ سوال پیش کیا۔

آپ اس چاند کے دو ٹکڑے کر دیں اس کے بعد ہم میں اور آپ میں تمام اختلاف ختم ہو جائے

گا۔ہم آپ پہ ایمان لے آئیں گے اور آپ کو اللہ کا سچا رسول مان لیں گے۔ دراصل ہمیشہ کی طرح اُن کے خیال میں یہی تھا کہ آپ ﷺ یہ عجیب کام نہ کر سکیں گے اور وہ آپ ﷺ کو جھوٹا ثابت کر دیں گے اس طرح مسلمان بھی اُن سے برگشتہ ہو جائیں گے اور وہ لوگ جو آئے دن اسلام قبول کر رہے ہیں اُن کی راہ بھی رُک جائے گی اور اُن کے دل میں بغض تھا اُن کے خیال میں کجی تھی اور دین حق سے اُن کا گریز تھا جو اُنھیں آئے دن اس بات پہ مجبور کرتا رہتا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے نئے نئے معجزات طلب کریں اور کسی دن جب آنحضرت محمد ﷺ اس میں ناکام ہو جائیں تو اپنے خبث باطن کی آواز کو کامیابی کا جامہ پہنا سکیں۔

انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ سے واقعتاً ایک عجیب مطالبہ کر دیا تھا۔

آپ ﷺ چاند کے دو ٹکرے کر دیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے کچھ دیر سوچا پھر فرمایا؛

ایک بار پھر سوچ لو اگر ایسا ہو گیا تب تم کیا کرو۔

قریش کے سردار یک زبان بولے؛

تب ہم آپ کے سچ پہ گواہی دیں گے۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ نے اللہ رب العزت سے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہوا جس کا کسی کو گمان بھی نہ تھا۔

چاندنی رات میں اچانک ہی اندھیرا چھا گیا۔

تھوڑی دیر جب چاند نمودار ہوا تو وہ بیچ میں سے کٹا ہوا تھا اُس کا آدھا حصہ کوہ قبیس پہ اور آدھا حصہ مخالف سمت میں کوہ قعیقان پہ نظر آ رہا تھا۔

تب نبی اکرم ﷺ نے دُعا کے لیے اٹھے ہاتھ گرائے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا؛

اے قریشیو! ذرا آسمان کی طرف تو دیکھو۔

اور وہ سب تو پہلے ہی اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے جہاں چاند ٹوٹ چکا تھا۔

قریشیو: گواہی دو! گواہی دو!

تاہم قریش اس بہت بڑے معجزے کے بعد بھی انکار پہ اڑے رہے۔

تھوڑی دیر بعد جب اُن کے اوسان تھوڑے بحال ہوئے تو ابو جہل اس خیال سے چیخ اٹھا کہ مبادا قریش اسلام قبول نہ کرلیں۔

لوگو! ہوشیار رہنا۔

ابن ابو کشبہ نے تمہاری آنکھوں پہ جادو کردیا ہے۔[*10]

قریش میں سے کسی نے کہا؛

اے عمرو! یہ انتہائی بے عدلی ہے کہ ہم اب بھی نبی اکرم ﷺ پہ ایمان نہ لائیں۔

مگر ابو جہل نے اُس کو جھڑک دیا اور کہا؛

میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ محمد (ﷺ) نے ہماری آنکھوں پہ جادو کردیا اس لیے عجلت سے کام نہ لو، دور صحرا میں سفر کرتے قافلوں کو پہنچ لینے دو کہ اُن کے جادو کا ثر یقیناً اُن پہ نہیں ہوا ہوگا۔ہم باہر سے آنے والے لوگوں سے اس امر کی تصدیق کریں گے اس کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائے گا

۔

ابو جہل کی اس دلیل پہ لوگ چپ ہو رہے۔

آنحضرت محمد (ﷺ) جان گئے تھے کہ اُن کی قوم اب بھی ہدایت قبول کرنے سے انکاری ہے اس لیے آپ ﷺ نے ایک بار پھر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ٹوٹا ہوا چاند دوبارہ یکجا ہوگیا۔

اگلی صبح ابو جہل اپنے بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ مکہ سے باہر اُن راستوں پہ براجمان تھا جہاں شام سے آنے والے قافلے گذرتے تھے۔

اور پھر سہ پہر کو انھیں ایک قافلہ آتا دکھائی دیا۔

وہ قافلے کی طرف لپکے اور اس سے قبل کہ وہ اہل قافلہ سے کسی عجیب واقعے کے متعلق دریافت کرتے خود اہل قافلہ بے قرار تھے کہ وہ اہل مکہ کو بتائیں کہ گذشتہ شب انھوں نے چاند کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابو جہل کا سر شرم سے جھک گیا مگر تب بھی اُس کے لبوں پہ انکار تھا اور اُس کی انتہائی بدقسمتی پہ دلیل ہے۔

چاند کو دو ٹکڑے کر دینا واقعتاً ایک عجیب عمل تھا اور اللہ کی اُن نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا جن سے وہ ہمیشہ اپنے انبیاء کی مدد کرتا آیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آج کے کچھ نام نہاد اور جدیدیت کے علمبردار صاحب دانش مسلمان بھی اس معجزے سے انکار کرتے ہیں۔ دراصل اِن مسلمانوں کا تعلق اِس ٹولے سے ہے جو قرآن کو بعد میں پڑھتے ہیں اور اہل مغرب کی اُس تنقید کو پہلے پڑھتے ہیں جو انھوں نے قرآن پہ کی، آنحضرت محمد ﷺ کی زندگی پہ کی۔ اس لیے بات اُن کی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ روشن خیالی کے دلدادہ اپنی پہچان بچانے کے لیے اُن جھوٹی دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں جو مستشرقین نے بڑی جہد وسعی کے بعد وضع کی ہیں۔

محدثین نے معتبر راویوں کے حوالے سے شق قمر کے متعلق بہت سی روایات مہیا کی ہیں ذیل میں چند احادیث درج کی جاتی ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

”ہم آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔

آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

لوگو! گواہ رہنا“ [*11]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک روایت یہ ہے کہ:

آپ ﷺ کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ،ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا اور دوسرا اُس کے نیچے چلا گیا۔

آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

لوگو! گواہ رہنا'' [*12]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک روایت یہ ہے کہ:

حضرت انس بن مالک ؓ نے فرمایا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ انھیں معجزہ دکھایا جائے آپ ﷺ نے انھیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا۔ایک ٹکڑا احرا کی طرف تھا اور دوسرا مخالف سمت''۔ [*13]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور صحیح مسلم میں روایت ہے کہ:

''اہل مکہ نے نبی اکرم ﷺ سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے اُن کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائے اس پہ یہ آیت اتری کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔''

[*14]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اِن روایات کے علاوہ بھی روایات موجود ہیں جن کو دلچسپی ہو وہ احادیث کی کتابوں سے رجوع کر سکتے ہیں۔ہم یہاں عقلیت پسندوں کے رجحان کی نفی میں سید سلیمان ندویؒ کی اُس تنقید کو تحریر کرنا

چاہتے ہیں جوانھوں سیرت النبی میں کی۔

”عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآرا چلا رہا ہے۔علمائے متکلمین نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں۔مثلاً فلسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق التیام اور شکست وریخت محال ہے اس لیے شق قمر بھی ناممکن ہے۔مگر اب کے جدید طبعیات وہیت نے ہماری معلومات کے زمین وآسمان کو بدل دیا ہے۔اب یہ مباحث بے سود اور بے کار ہیں اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کی شکست وریخت اور تصادم کے حادثے سنے جا رہے ہیں۔ہیت جدید اور علم تکوین تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغازِ آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع کرتی ہے۔اس سے دوسرے درجے پر ایک اور قدیمی اعتراض وجواب کتابوں میں چلا آیا ہے جس کو مسیحی مناظرین نے نئے آب ورنگ سے خوب شہرت عطا کی۔اُن کا ستدلال یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت وقوع پذیر ہوا ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لے کر مغرب تک سے ملتیں اور اسے تمام دنیا کے لوگ دیکھتے۔مگر اس وقعہ سے شہر مکہ کے لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگ آگاہ نہیں ہیں اور نہ ہی اس کا تذکرہ قدیم اہل نجوم وہیت وتاریخ کی روایات میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اس ضمن میں مکمل خاموش دکھائی دیتی ہیں۔لوگوں نے اس شبہ کے جو جوابات دیئے ہیں اُن سے بات کھل کے سامنے آجاتی ہے انھوں نے کہا کہ اول تو ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس واقعہ سے دوسرے ملکوں کے لوگ آگاہ نہ تھے۔اور یہ کہنا کہ اگر وہ لوگ اسے دیکھتے تو اپنی تاریخوں میں اس واقعے کا ذکر ضرور کرتے۔لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ دوسرے ملکوں کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو اس کا عدم تذکرہ کیا اس واقعہ کے انکار کی سند قرار پا سکتا ہے۔اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا بھی انکار کیا جاسکتا ہے۔حضرت مسیح کے تمام معجزات

بلکہ واقعات زندگی تک سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ شام و مصر معاصر رومی مورخوں نے اِن عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا۔اس کے برخلاف یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب وشام سے آنے والے مسافروں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا اور اس کا تذکرہ بھی کیا تھا۔فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلم بند کرتے ہیں انھوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خواب راحت میں مصروف تھا۔جو لوگ بیدار بھی ہوں گے وہ اپنے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنھوں نے دیکھا ہوگا اِن میں سے کتنا حصہ اُن لوگوں کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریر کرنے کے عادی ہوں گے جب کہ اہل عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج بھی نہ تھا اور اُن میں سے اکثر ناخواندہ تھے اور اگر اِن میں چند پڑھے لکھے ارباب ہیت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انھوں نے بھی اس امر کا مشاہدہ کیا ہو یا اگر مشاہدہ کیا ہے تو لازماً اس کا تذکرہ بھی کیا ہو یا اگر تذکرہ کیا ہو تو اِن کی یاداشت مثل دوسری سینکڑوں علمی یاداشتوں کے ضائع نہ ہوگئی ہو۔آغازِ آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیت میں درج ہیں؟

اور اُن کا درج نہ ہونا کیا اُن کے عدم وقوع کی دلیل ہوسکتی ہے؟

مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادثِ افلاکی کا ذکر ہے جبکہ علم و ہیت وفلکیات اِن کے ذکر میں خاموش ہے۔لیکن یہ خاموشی کیا اُن کے عدم وقوع کی شہادت ہوسکتی ہے؟

خود انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک ستارہ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا اور پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کو

سولی دی گئی تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہوگئی لیکن کیا ہیت اور افلاک کی کتابوں میں اِن انقلابات سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادثِ فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے اور ہر جگہ ایک مطالع اور مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں۔ بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے تو دوسری جگہ جا نکلتا ہے۔ ایک جگہ چاندنی ہے دوسری جگہ اندھیرا ہوتا ہے۔ ایک جگہ چاند کو گرہن لگتا ہے مگر دوسری جگہ اس کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اس لیے اگر تمام دنیا کے لوگوں نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادثِ فلکی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جس واقعہ کو کسی ایک مورخ یا ہیت دان نے بڑے شدمد سے بیان کیا ہے اس کی معاصر قوموں کی کتابوں میں اسی واقعہ کی کوئی شہادت تک نہیں ملتی۔ لیکن کیا یہ خاموشی اُس واقعہ کے عدم وقوع کو متعین کرتی ہے جس کو ایک مورخ یا ہیت دان نے نہایت یقین کے ساتھ بیان کیا ہو۔ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک یہی وجہ نظر آتی ہے کہ تمام دنیا کا مطلع ایک نہیں ہے اس لیے ایک جگہ ایک چیز نظر آتی ہے دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ ہم اِن تمام بحثوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک صاف اور سیدھی بات کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شق قمر اہل مکہ کے طلب کرنے پر ایک آیت الٰہی تھی یعنی اِن منکروں کو اِن کی خواہش کے مطابق ایک نشانی دکھائی گئی تھی۔ احادیث میں یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہوکر نظر آیا چنانچہ خواہ چاند محض دو ٹکڑے ہوا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اِن کی آنکھوں میں ایسا تصرف کردیا تھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں یا وہ خود بھی تو چاند میں خلاف عادت تصرف کرسکتا ہے پھر چونکہ اللہ کی یہ نشانی اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی اور ان ہی کے لیے یہ آیۃ ثبوت تھی اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور

روایت کی حاجت نہ تھی۔اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر کا مشاہدہ نہ ہوا تو یہ بھی کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہ ہوگی۔ بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور دوسرے لوگوں اور شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آیا ہوتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا جیسا کہ اور سینکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں اور علم فلکیات میں مذکور ہیں لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر مکہ میں تھے یا باہر قافلوں میں تھے صرف اُن کو ہی نظر آیا تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت محمد ﷺ کے لیے ایک نشانی کے طور پہ ظاہر ہوا"۔

[*15]۔

رسالت و نبوت کے درجنوں ایسے مقدمات ہیں جو انسانی عقل سے بہت وراء ہیں، انسان کو عقل کے استعمال میں احتیاط کا مشورہ دیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے متشابہ سے بچو کیونکہ جن کا رجحان متشابہ کی طرف ہوا اُن کے دل میں کجی ہے۔ اسراء اور معراج کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جس پہ سوچنے اور ثبوت طلب کرنے کے بجائے محض مان جانا کافی ہے۔

اسراء ومعراج

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو گونا گوں نعمتوں سے نوازا۔ جا بجا رفعتوں کے وہ مقام عطا فرمائے جن کا کوئی نشان سابقہ انبیاء ورسل کی زیست میں نہیں ملتا۔ رسول اکرم ﷺ کی شانِ رسالت اس قدر منفرد اور ہمہ پہلو ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت مبارک کا لحہ لحہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے والہانہ پن سے مزین ہے۔ چنانچہ یہ اسی والہانہ پن کا اظہار تھا کہ رسول اللہ کو آسمانوں میں مہمانی کا وہ شرف عطا کیا گیا جو اس قدر منفرد اور ممتاز ہے کہ اس سے قبل کی انسانی تاریخ میں اس طرح کا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا ۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں میں مہمانی کا جو اعزاز بخشا عام طور پہ ہم اس کو واقعہ معراج کے نام سے جانتے ہیں۔ چونکہ قرآن حکیم میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے اس لیے امت باہم اس امر میں متفق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں پر اس اعزاز سے نوازا گیا، اگرچہ جزیات میں بعض اختلافات بھی موجود ہیں تاہم کلی طور پہ اس واقعہ میں تمام امت کا اتفاق ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ :

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ ... ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷/ ۱)

ترجمہ:

''پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں، بے شک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

جیسا کہ لفظ اسرا کے معنی سے ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اس مبارک سفر میں رات کو لے جایا گیا۔ لفظ معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی ''چڑھنے کے'' ہیں۔ چونکہ احادیث میں ارشاد ہوا کہ مجھ کو اوپر چڑھایا گیا۔ یعنی ''عرج لی'' کا لفظ استعمال ہوا اس لیے اس سفر مبارک کو معراج کہا جانے لگا اور یہی سب سے معروف نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اُس وقت اپنے خاص بندوں کو اُن قوتوں سے نوازتا ہے جس کی بنا پر انبیاء و رسل کی آنکھیں مادیت کے ظاہری پردوں کے اُس پار جھانکنے پہ بھی قادر ہو جاتی ہیں، اُن کی سماعت معروف حدوں سے وراء ہزاروں میل کی آوازیں سننے لگتی ہے، زمان ومکان کے اسلوب بدل کے رہ جاتے ہیں اور ظاہر کے پردے پیچھے کے پوشیدہ مناظر بے حجاب نظر آنے لگتے ہیں اور فرشتوں کے جلو میں آسمانوں کے مقدس مہمان کی میزبانی کچھ اس انداز سے کی جاتی ہے کہ ملائکہ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ قدس میں بار پا کے ''قَابَ قَوۡسَیۡنِ''

(دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں۔اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک قدموں نے لامکانوں کی جس حد کو چھوا وہاں تک آدم کے بیٹوں میں سے کوئی نہیں پہنچا اور جن امور کا مشاہدہ رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں نے کیا اُن امور کو انسانی بصارت کی حدِ آخر قرار دیا جاسکتا ہے۔اس سفر مبارک کی تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں جہاں اُن برکتوں اور سعادتوں کا تذکرہ ہے جو اس سفر مبارک کے نتیجے میں ظاہر ہوئیں۔اول ہم اس بات کو متعین کرنے کی کوشش کریں گے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو کب پیش آیا۔

✡ ✡ ✡

معراج کی تاریخ

اس ضمن میں حق بات تو یہ ہے کہ معراج النبی ﷺ کی حقیقی تاریخ ہم تک نہیں پہنچی اور نہ ہی درست طور پہ مورخین اور محدثین نے اس کو متعین کیا ہے۔ اسلام سے قبل اہل مکہ کے ہاں کسی سنہ و تاریخ کا کوئی متفقہ نظام رائج نہ تھا اور مختلف قبیلے زمانے کا تعین مختلف امور کے تحت کرتے تھے۔ کوئی اپنے کسی بزرگ کی موت یا پیدائش سے زمانے کو جانتا تھا تو کوئی ہاتھی والے ابرہہ کے واقعے سے ماہ و سال کو یاد رکھتا تھا۔ قرآن حکیم کی آیات سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کو اس مبارک سفر پہ رات کو لے جایا گیا مگر کس رات کو لے جایا گیا یہ بات اندھیرے میں ہی رہی۔ حتیٰ کہ اُن صحابہ رسول نے بھی تاریخ کا درست تعین نہیں کیا جنھوں نے واقعہ معراج کو روایت کیا ہے۔ چنانچہ کوئی صحیح روایت اس بارے میں ہم تک نہیں پہنچی جس سے واقعہ معراج کی تاریخ کا حتمی تعین کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں اُن کی مدد سے بہرحال اس امر کو متعین کیا گیا کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ چنانچہ اس ضمن میں

متاخرین کے جو اقوال ہم تک پہنچے ہیں وہ باہم متفرق ہیں، مثلاً ربیع الاول کی روایت بھی موجود ہے، ربیع الآخر کی روایت بھی ہم تک پہنچی ہے، بعض نے معراج النبی ﷺ کو رجب میں ظاہر کیا ہے، بعض نے رمضان اور بعض نے شوال کے مہینے میں معراج کے وقوع پذیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔آخری روایت سدّی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے اور سدّی نے کہا کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے سترہ مہینے قبل رمضان میں پیش آیا۔تاہم علمائے حدیث نے سدّی کو قابل اعتبار نہیں جانا ۔سدّی کے علاوہ واقدی سے بھی دو وایتیں ہم تک پہنچی ہیں جن کے مطابق معراج سترہ رمضان ہفتہ کی شب پیش آئی۔یا یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ قبل ربیع الاول کو وقوع پذیر ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے۔تاہم علمائے رجال نے اِن روایات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اصول حدیث کی کسوٹی پہ پرکھ کے انھیں رد کر دیا۔اِن کے علاوہ بھی تبع تابعین سے کئی روا تیں ہیں جن میں وقت اور تاریخ کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن جس روایت میں تاریخ اور وقت کی تفصیلات زیادہ ہیں یہ روایت اسی قدر نامعتبر اور ناتمام سند کے ساتھ منتقل ہوئی ہے کہ علمائے حدیث نے اِن روایات کو چنداں قابل اعتناء نہیں جانا۔جیسا کہ ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے شب معراج کو رجب میں رکھا ہے اور اس پہ اصرار کیا ہے۔متاخرین میں سے امام رافعی اور امام نووی نے رجب کی اسی تاریخ کو درست قرار دیا ہے۔ایک اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی تاریخ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ رجب کی تصریح بھی کی ہے اگرچہ اُن سے قبل بیان کی گئی روایت میں صرف مہینے کا تذکرہ ہے۔علامہ زرقانی کا کہنا ہے کہ لوگوں کا عمل اسی تاریخ پہ ہے۔بعض دیگر علمائے حدیث کا خیال ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے جو تاریخ معراج کو متعین کرتی ہے۔کیونکہ اصل یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پہ کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب اُسی قول کو درست قرار دیا جائے گا جس پہ لوگوں کا عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ چنانچہ اس مسئلہ کو حل کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسات، استنباطات اور مجادلات کو ایک لمحہ کے لیے بھول جایا جائے اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا

ہیں اور کیا اُن کی مدد سے کثرتِ روایت گمانِ صحت کی بنا پہ کسی ایک تاریخ کو متعین کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم اِن تصریحات پہ ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔

- ابن سعد نے واقدی سے ۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل کی جو روایت درج کی ہے اُس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت اُم سلمیٰؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت اُم ہانیؓ ہیں۔ موسیٰ بن عقبہؒ نے زہریؒ سے اس واقعہ کو ہجرت سے ایک سال قبل کا واقعہ بیان کیا ہے یاد رہے کہ موسیٰ بن عقبہ کا شمار اولین اور معتبر سیرت نگاروں میں کیا جاتا ہے۔
- زہری بواسطہ سعید ابن مسیّب نے بھی اس واقعہ کو ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ کہا ہے۔
- عروہ بن زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ کے حوالے سے اس واقعہ کو ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ بیان کیا ہے۔
- قتادہ جو مشہور تابعی ہیں اِن کا بھی یہی خیال ہے۔
- مقاتل مشہور تابعی ہیں اِن کا بھی یہی خیال ہے۔
- ابن جریج مشہور تابعی ہیں انھوں نے اس واقعہ کو ہجرت سے سترہ ماہ قبل ربیع الاول کا واقعہ بیان کیا ہے۔
- ابراہیم بن اسحٰق الحربی نے اس واقعہ کو ۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ قرار دیا ہے۔
- مسلم بن قتیبہ نے کہا کہ یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ پہلے پیش آیا تھا۔
- عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ ۷ ربیع الاول کو ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا۔
- سدّی نے کہا کہ یہ واقعہ ہجرت سے سولہ یا سترہ مہینے پہلے کا ہے۔
- علامہ ابن اثیر نے اس واقعے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے تاہم علماء تاریخ نے اس کو بعید از امکان قرار دیا ہے اور اس پہ توجہ نہیں کی۔

چنانچہ علمائے متاخرین کی اِن تصریحات نے معاملے کو حل نہیں کیا بلکہ کسی قدر الجھا دیا ہے اس لیے کہ اِن میں اگرچہ مہینے اور تاریخ کو متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اِن میں سے اکثر روایتیں تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کی ہیں اور انھوں نے اسے جس انداز سے بیان کیا ہے اصول حدیث اس کے مانع ہیں اس لیے کہ اِن روایات کی سند نہ تو مکمل ہے اور نہ قابل اعتبار، اس لیے علمائے حدیث نے اِن روایات کی بنا پہ تاریخ معراج النبی ﷺ کی کسی حتمی تاریخ کو متعین کرنے سے گریز کیا ہے۔ بہر حال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت نے جن میں سے بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں اُن کا رجحان اسی جانب ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال یا کم وبیش ایک سال پہلے پیش آیا۔ امام بخاریؒ نے اگرچہ صحیح بخاری میں واقعہ معراج کی کوئی تاریخ تحریر نہیں کی تاہم انھوں نے اس واقعہ کو ہجرت سے پہلے اور بیت عقبہ کے درمیان بیان کیا ہے۔ ابن سعد نے بھی طبقات میں اس واقعے کو ترتیب کے حوالے سے اسی عرصہ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ حدیث کے اِن دو معتبر اور مشہور اماموں نے ترتیب کے حوالے سے اس واقعہ کو جس عرصے میں متعین کیا اس سے اُن کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا کچھ کم وبیش پہلے کا ہے اور معراج اور ہجرت میں کوئی زیادہ زمانہ حائل نہ تھا بلکہ بعض علما تو معراج کو درحقیقت اعلان ہجرت قرار دیتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس ساری بحث کے بعد ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ اگرچہ درست مہینے کا تعین قدرے مشکل ہے تاہم اگر ایک سال والی روایت کو درست مانا جائے تو یہ واقعہ ربیع الاول کو مانا جائے گا اور اگر سترہ ماہ قبل کی روایت پہ یقین کیا جائے تو مشہور قول کے مطابق واقعہ معراج ہجرت سے سترہ ماہ قبل یعنی رجب کے مہینے میں متصور ہوگا یہی قول مقبول اور راجح ہے ہم نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

چنانچہ اس سے قبل کہ ہم واقعہ معراج سے متصل دوسرے مباحث میں الجھیں بہتر یہ ہے کہ یہاں ہم واقعہ معراج کا کچھ تذکرہ کردیں تاکہ معاملات کو سمجھنے میں آسانی ہو واقعہ معراج کی اصل ماہیت کو بیان کرنا مشکل ہے اس لیے کہ یہ واقعہ ہماری مادی کائنات سے ماوراء، ہمارے قیاس واستنباط اور عقل انسانی کی حد سے بعید ہے اس لیے ہم صرف قرآن حکیم میں نازل کی گئیں آیات اور صحیح روایات سے اخذ احوال وواقعات پہ ہی اکتفاء کریں گے۔احادیث وسیر کی کتابوں میں واقعہ معراج سے متعلق کثیر روایات ملتی ہیں۔علامہ زرقانی نے اِن صحابیوں کی تعداد پینتالیس بیان کی ہے جنھوں نے واقعہ معراج کو روایت کیا ہے۔علامہ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر میں سورۃ بنی اسرائیل کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اِن روایات کو اکثر و بیشتر بیان کر دیا ہے۔اگرچہ اُن میں صحیح ،مرفوع ،قوی، ضعیف،موقوف،مرسل،منکر ہر قسم کی روایات شامل ہیں۔ہم نے واقعہ کو بیان کرنے میں صرف انھی روایات پہ اکتفاء کریں گے جن کو امام بخاری وامام مسلم نے اپنی صحاح میں بیان کیا ہے۔امام بخاری

ومسلم نے اس سلسلے میں جن روایات کو اختیار کیا ہے وہ معتبر صحابہ سے مروی ہیں۔امام بخاری ومسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابو ذر غفاریؓ ، حضرت مالک بن صعصعہؓ ، حضرت انس بن مالکؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ، حضرت ابو ہریرہؓ ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر صحابہ سے بیان کیا ہے جن کی صداقت اور ایمان کی پختگی میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا کہ اِن لوگوں نے اپنی زندگی کے بہت سے شب و روز رسول اکرم ﷺ کی صحبت میں گزارے اور براہ راست رسول اللہ ﷺ سے فیض حاصل کیا۔اِن صحابہ کی روایات سے جو تفصیلات ہم تک پہنچی ہیں انھیں ترتیب سے بیان کرنے سے مندرجہ ذیل واقعات سمجھ میں آتے ہیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ میں اور میرے چچا حضرت حمزہؓ اور میرے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب حطیم میں سوئے ہوئے تھے حتیٰ کہ کسی شخص نے میرے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کے ہلایا اور میں نے جانا کہ وہ حضرت جرائیلؑ اور اُن کے ساتھی تھے۔

اُن میں سے ایک بولا؛

اِن تینوں میں سے جو قوم کا سردار ہے اسے اٹھالو اور لے چلو!

چنانچہ انہوں نے مجھے اٹھایا اور اپنے ساتھ آبِ زم زم کے کنویں تک لے آئے انہوں نے مجھے لٹایا اور پھر میری ناف سے اوپر میرے سینے کو چاک کیا گیا۔معراج سے پہلے شق صدر کی روایات مستحکم ہیں حافظ ابن حجر اور قاضی عیاض نے اپنی کتابوں میں اِن کا تذکرہ کیا ہے [16*]۔جب نبی اکرم ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تو نہ تو وہاں سے خون نکلا اور نہ ہی کسی قسم کے درد کا احساس جاگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ پورا واقعہ ہی عام عادت اور فطرت کے خلاف معجزے کے طور پہ ظاہر ہوا تھا۔نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میرا سینہ چاک کرلیا گیا تب حضرت جرائیلؑ نے حضرت میکائیلؑ سے کہا مجھے زم زم کا تشت دو تا کہ میں اِن کا قلب صاف کروں اور سینہ کھول دوں۔جرائیل علیہ السلام نے میرا قلب باہر نکالا اور اس کو تین مرتبہ آبِ زم زم سے دھویا۔حضرت میکائیلؑ حضرت جرائیلؑ کو زم زم کے تشت دیتے رہے اور وہ میرے دل کو دھوتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے سات تشت زم زم کے استعمال کئے۔اس کے بعد وہ سونے کا ایک تشت لائے جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا یعنی نفس

ایمان اور حکمت اوراس کی اصل سے بھرا ہوا طشت لے کے آئے جس میں معانی علوم وحکمت کو مادی شکل عطا کی گئی تھی یا یہ کہ اس تشت میں وہ چیز تھی جو ایمان وحکمت حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

اس کے بعد وہ ایک تشت اور لائے جو ایمان حکمت اور سکنیت سے بھرا ہوا تھا انہوں نے اس کو بھی میرے سینے میں انڈیل دیا اور اس کے بعد میرے مونڈھوں کے بیچ مہر نبوت لگائی [17*]۔ چنانچہ جب وہ اس امر سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے میرے سینے کو بند کر دیا پھر اُن میں ایک براق کو لے آیا۔ براق ایک سفید رنگ کا گھوڑا تھا جس کا قد گدھے سے زیادہ اور گھوڑے سے کم تھا اُس کے دو سفید پر تھے اور وہ بہت ہی حسین جانور دکھائی دیتا تھا اُس کے جسم کی سفیدی ایسی تھی کہ آنکھوں کو چکا چوند کرتی تھی۔ اور براق کے متعلق بہت سی روایات ہیں اِن سب کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ براق کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اُس کا اگلا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی اور یہی وہ سواری تھی جس پہ آپ ﷺ سوار ہو کے پہلے تو مسجد اقصیٰ گئے اور اس کے بعد سیر لامکاں کو تشریف لے گئے [18*]۔

دیگر جن صحابہ نے معراج النبی کے بارے میں آنحضرت محمد ﷺ سے احادیث روایت کی ہیں اُن میں سے کسی نے کہا ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا کہ جب میں براق کے قریب پہنچا کہ اس پہ سواری کروں تو وہ بِدکا اور اُس نے اپنے کان کھڑے کر کے آپس میں ملا لیے۔

یہ دیکھ کر حضرت جبرائیلؑ نے براق کی پشت پہ ہاتھ رکھا اور اسے قدرے سختی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا؛

اے براق: کیا تجھے شرم نہیں آتی۔ خدا کی قسم! تجھ پہ سوار ہونے والوں میں محمد ﷺ سے بڑھ کے اور کوئی بھی تیرے اللہ کے نزدیک اتنا معزز نہ تھا جتنا کہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ سن کر براق نادم ہوا اور اس کے جسم سے پسینہ بہنے لگا تاہم کچھ دیر بعد وہ پرسکون ہو گیا تا کہ میں اُس پہ سواری کر سکوں اور پھر میں اُس کی پشت پہ سوار ہو گیا اور میں مسجد اقصیٰ جا پہنچا اور اپنے براق کو وہاں باندھا جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنے گھوڑے کو باندھا کرتے تھے اور وہاں اللہ کے بہت سے انبیاء تھے جن سے حضرت جبرائیلؑ نے میری ملاقات کرائی تھی اور اُن میں حضرت موسیٰؑ تھے حضرت عیسیٰؑ تھے اور حضرت ابراہیم

ؑ تھے، اور دیگر بہت سے لوگ تھے جن کو میں نہیں پہچانتا تھا۔ تاہم بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ اُن میں کوئی بھی نہ تھا جو اپنے اللہ کے ہاں معزز نہ ہو اس لیے کہ وہ سب تو انبیاء و رسل تھے جو آپ ﷺ سے پہلے لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے تھے اس کے بعد اذان ہو گئی اور حضرت جبرائیلؑ نے میرا بازو پکڑ کے مجھے آگے کیا تاکہ میں جماعت کراؤں اور میں نے نماز پڑھائی اور مجھے احساس ہوا کہ بہت سے لوگوں نے میرے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ غرض نماز ادا کرنے کے بعد جب ہم لوٹے تو حضرت جبرائیلؑ نے مجھ سے سوال کیا؟ اے اللہ کے رسول ﷺ!

کیا آپ جانتے ہیں کہ کتنے لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں میں نہیں جانتا!

تب جبرائیل نے مجھے بتایا کہ اِن تمام نبیوں نے جن کو اللہ تعالیٰ نے آج تک اس دنیا میں ظاہر فرمایا ہے۔

اگرچہ مسجد اقصیٰ میں اللہ کے نبیوں کو نماز پڑھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سیر لامکاں کی طرف روانہ ہو گئے نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں جب میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا تو میرے سامنے تین پیالے لائے گئے جن میں سے ایک میں پانی تھا دوسرے میں دودھ تھا اور تیسرے میں شراب تھی[*19]۔

میں نے دودھ کو اختیار کیا!

جس پہ جبرائیل علیہ السلام جو میرے ساتھ ہی کھڑے تھے وہ بہت خوش ہوئے اور کہا!

آپ ﷺ کی راہنمائی فطرت اور راستی کی طرف کی گئی ہے اگر آپ ﷺ شراب کو قبول فرما لیتے تو آپ ﷺ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

جب نبی اکرم ﷺ بیت المقدس میں انبیاء و رسل کو نماز پڑھا چکے تب آپ ﷺ آسمانوں کی سیر پہ روانہ ہو گئے۔

ابن اسحٰقؒ کے حوالے سے امام سہیلیؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ!

مجھ سے ابو سعید خدریؓ نے کہا کہ انہیں ایک ایسے شخص نے اس بات سے آگاہ کیا ہے جسے میں جھوٹا نہیں سمجھتا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

جب میں بیت المقدس میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات سے فارغ ہوا تو وہاں ایک سیڑھی لائی گئی جو اتنی خوبصورت تھی کہ میں نے اِس سے قبل اُس سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہ دیکھی تھی پھر میرے رفیق نے مجھ سے کہا؛

آپ ﷺ اس سیڑھی پہ چڑھ جائیں۔

اور میں اُس سیڑھی پہ چڑھا حتیٰ کہ وہ مجھے آسمان کے دروازوں میں سے ایک دروازے تک لے گئی جسے بابِ حفظ کہا جاتا تھا۔

اور مجھے بتایا کہ یہ آسمانِ دنیا کا دروازہ ہے۔

باب حفظ پہ ایک فرشتہ تھا جس کا نام اسماعیل تھا اور اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے تھے اور اُن بارہ ہزار فرشتوں میں سے ہر ایک کے ماتحت مزید بارہ بارہ ہزار فرشتے تھے اور اُن کی اصل تعداد کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔

چنانچہ جب میں جبرائیل کے ساتھ آسمان دنیا میں داخل ہوا تو اس آسمان کے دربان نے حضرت جبرائیلؑ سے سوال کیا؟

یہ کون ہیں اور کیا انہیں بلایا گیا ہے؟

حضرت جبرائیل نے جواب دیا؛

میرے ماں باپ اِن پہ قربان یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اِن کو بلایا گیا ہے اب تم راستے سے ہٹ جاؤ اور وہ فرشتہ ہٹ گیا۔

اور اُس نے مجھے بھلائی کی دُعا دی۔

ابن اسحٰق مزید لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

آسمان دنیا پہ مجھ سے مختلف ملائکہ نے بات کی اور وہ میرے وہاں پہنچنے پہ بہت مسرور تھے اور بات بات پہ اپنی مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ تب میں نے محسوس کیا کہ اُن میں سے ایک فرشتہ ایسا بھی ہے جسے شاید میرا وہاں آنا اچھا نہیں لگا کیونکہ میں نے دیکھا کہ باقی سب فرشتے تو مسکرا رہے ہیں خوشیاں منا رہے ہیں اور مجھے دُعا دے رہے ہیں اچھے لفظوں میں میری مدح کر رہے ہیں مگر وہ ایک

طرف منہ بنائے کھڑا ہے جیسے اُسے کوئی خوشی نہ ہوئی ہو۔

تب آپ ﷺ نے جبرائیل کو پکارا اور اُس سے پوچھا؟

جبرائیل! کیا اُس فرشتے کو میرے یہاں آنے کی خوشی نہیں ہوئی؟

میں نے اُنگلی سے اُس فرشتے کی طرف اشارہ کیا!

اور حضرت جبرائیل نے جب اُس فرشتے کو دیکھا تو مسکرا دیئے پھر مجھ سے کہا!

یارسول اللہ! ﷺ

وہ اس لیے خوش نہیں ہو رہا کہ اس کا خوشی سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے وہ دوزخ کا دروغہ ہے اور اُس کا نام مالک ہے کئی لاکھ سالوں سے ہم میں سے کسی نے اسے مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا اسی لیے وہ آج بھی نہیں مسکرا رہا شاید اسے مسکرانا آتا ہی نہ ہو۔

حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت محمد ﷺ سے کہا!

آیئے اُس کے پاس چلتے ہیں مگر وہ کسی سے مسکرا کے نہیں ملتا اس لیے شاید آج بھی نہ مسکرائے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب ہم دوزخ کے امین اس فرشتے کے پاس پہنچے تو میں نے جبرائیل سے کہا۔

جبرائیل کیا تم مالک سے یہ نہیں کہو گے کہ وہ ہمیں دوزخ دکھائے۔

حضرت جبرائیل نے کہا؛ کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ ضرور۔

جبرائیل نے مالک سے کہا۔اے مالک، آنحضرت محمد ﷺ کے سامنے سے پردہ ہٹا دو تاکہ آپ ﷺ جہنم کے عجائبات کا مشاہدہ کر سکیں چنانچہ مالک نے اپنے بازو کو حرکت دی اور جہنم کا پردہ ہٹ گیا۔

وہ چشم زدن میں شرر فشاں ہوگئی۔

وہ میرے اتنے قریب لائی گئی کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ مجھے نظر آنے والی تمام اشیاء کو ہڑپ کر جائے گی۔

آنحضرت محمد ﷺ نے جبرائیل کو کہا؛

مالک سے کہو! ابھی جہنم کو ڈھانپ دے۔

اور مالک نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم آگے بڑھے اور ہم نے دیکھا کہ ایک حسین وجمیل عورت ہے جو بال کھولے کھڑی ہے یوں لگتا تھا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہے جب نبی اکرم ﷺ اُس کے قریب سے گذرے تو اُس نے نبی اکرم ﷺ کو پکارا اور کہا میں آپ ﷺ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس عورت کو نظر انداز کیا اور اس کے قریب سے گزر گئے۔

تاہم آپ ﷺ کو اس عورت کے بارے تجسس تھا اس لیے آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا، جبرائیل یہ عورت کون تھی؟

جبرائیل نے کہا؛ یارسول اللہ ﷺ یہ عورت دراصل دنیا کی تمثیلی شکل تھی آپ ﷺ نے بہت اچھا کیا جو اسے نظر انداز کیا ورنہ آپ ﷺ کی امت آخرت کے بجائے دنیا کو اختیار کر لیتی۔

یہاں تک آپ ﷺ چلتے گئے۔

اور راستے کے کنارے پہ آپ ﷺ نے ایک بڑھیا کو دیکھا جس کے چہرے کی جلد اس بات کی گواہ تھی کہ اُس کی عمر بہت زیادہ ہو چکی ہے اُس سے بدبو آرہی تھی۔ جب نبی اکرم ﷺ اُس بڑھیا کے قریب سے گذرے تو اُس بڑھیا نے بھی آپ ﷺ کو پکارا اور کہا: میری بات سنئے!

مگر نبی اکرم ﷺ نے اس بڑھیا کو بھی نظر انداز فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل سے پوچھا، یہ بڑھیا کون تھی؟

یہ بھی دنیا ہی تھی جو اپنی اصل شکل میں تھی۔ حضرت جبرائیل نے جواب دیا؛

اس کے بعد آنحضرت محمد ﷺ آسمان دنیا پہ ہی آگے بڑھے اور انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص ہے جو بیٹھا ہوا ہے اور اُس کے سامنے بنو آدمؑ کی ارواح پیش کی جا رہی ہیں۔

اور آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ حضرت آدمؑ ہیں۔

چنانچہ جب کوئی روح اُن پہ پیش کی جاتی تو وہ خوش ہوتے اور اس روح کو بھلائی سے یاد کرتے اور کہتے یہ عمدہ روح ہے جو عمدہ جسم سے نکلی ہے۔

لیکن پھر اُن پہ کوئی روح پیش کی جاتی تو وہ اپنے چہرے کو اُس سے پھیر لیتے اور فرماتے، اس کو مجھ

سے دور لے جاؤ یہ ایک بری روح ہے جو کسی برے جسم سے نکلی ہے۔ حضرت جبرائیل نے مجھ کو بتایا کہ چونکہ روئے زمین پہ بسنے والے تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اس لیے اُن کی اولاد کو پہلے اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے جو کافر ہیں جب اُن کی ارواح آپ پہ پیش کی جاتی ہیں تو آپ کو اذیت ہوتی ہے کہ باوجود عقل عطا ہونے کے یہ انسان خالق کی پہچان سے عاری رہا جس کی وجہ سے اس کا جسم بھی ناپاک رہا اور اس کی روح سے بھی بدبو آ رہی ہے۔ اس لیے حضرت آدمؑ اسے وہاں سے دور ہٹانے کا حکم دیتے۔

یہ ایک طویل روایت ہے جس کے راوی حضرت ابوسعید خدریؓ ہیں وہ اپنی روایت کو جاری رکھتے ہیں ۔اس کے بعد آنحضرت محمد ﷺ جبرائیل کے ساتھ آسمان دنیا کی مزید سیر کے لیے آگے بڑھے تو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح لٹکے ہوئے تھے اور اُن کے ہاتھوں میں انگارے بھرے تھے وہ اِن انگاروں کو اپنے منہ میں ڈال رہے تھے میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ اُس نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں ظلم کرنے والے تھے اور یتیم کا مال کھانے سے باز نہ آتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم کچھ اور آگے گئے تو میں نے دیکھا کہ!

وہاں کچھ لوگ ہیں جن کے پیٹ بہت بڑے ہیں اُن کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ اس سے قبل ہم نے اتنے بڑے پیٹ کبھی نہ دیکھے تھے لگتا تھا کہ یہ ابھی پھٹ جائیں گے۔ وہ آگ میں ڈالے جاتے تو اپنے بڑے پیٹوں کی وجہ سے مزاحمت پہ قدرت نہ رکھتے تھے چنانچہ وہ آگ میں روندے میں جاتے اور اذیت سے اُن کی چیخیں دور تک جاتی تھیں۔

آنحضرت محمد ﷺ نے پوچھا، جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟

یہ وہ لوگ ہیں جو سود لیتے تھے اور اللہ سے نہ ڈرتے تھے، جبرائیل نے جواب دیا۔

ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

جب ہم کچھ اور آگے گئے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ایک طرف عمدہ اور صاف گوشت رکھا ہے اور اُن کی دوسری طرف بدبودار اور گندہ گوشت پڑا تھا اور وہ لوگ صاف ستھرا اور عمدہ گوشت

چھوڑ کے گندہ اور بوسیدہ گوشت کھا رہے تھے۔میں نے جبرائیل سے پوچھا؟ یہ کون لوگ ہیں اور عمدہ گوشت چھوڑ کے گندہ گوشت کیوں کھا رہے ہیں۔

حضرت جبرائیل نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حسین وجمیل بیویاں دے رکھیں تھیں مگر وہ اپنی بیویوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کی طرف راغب رہتے جن عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے اِن پہ حلال کر رکھا تھا وہ اِن کی بجائے اُن عورتوں کے پاس جاتے جن کو اللہ تعالیٰ نے اِن پہ حرام کر رکھا تھا۔

ہم آگے بڑھے اور ہم نے دیکھا کہ!

کچھ لوگ ہیں جن کے سروں کو کچل کے ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے اور پھر وہ سر جلد ہی اپنی اصل حالت پہ آجاتے اور اُن کو پھر سے کچل دیا جاتا۔میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبرائیل نے جواب دیا؛

یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نمازوں سے کوتاہی کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہم کچھ اور آگے گئے تو ہم نے دیکھا کہ!

ایک آدمی ہے جس کے پاس لکڑیوں کا گھٹا ہے جو اس سے اٹھایا نہیں جاتا مگر وہ اس گھٹے میں اور لکڑیاں ملائے جا رہا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے جبرائیل سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟

یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ شخص ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں پڑی رہتیں تھیں مگر یہ اُن کی حفاظت سے کوتاہی کرتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

ہم کچھ اور آگے گئے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جو جہنم کے سلگے ہوئے پتھر چبا رہے ہیں اور زقوم کو کھا رہے ہیں میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟

جبرائیل نے جواب دیا؛ یا رسول اللہ ﷺ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کو سینت سینت کر رکھتے تھے اور صدقہ اور زکواۃ نہ دیتے تھے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے مزید روایت کیا کہ!

جب نبی اکرم ﷺ اور حضرت جبرائیل کچھ اور آگے بڑھے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے ہونٹ اور زبانیں قینچیوں سے کاٹی جارہی ہیں تب آنحضرت محمد ﷺ نے جبرائیل سے پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟

حضرت جبرائیل نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ یہ وہ واعظ اور خطیب ہیں جو آپ ﷺ کی امت میں فتنہ پیدا کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد ہم مزید آگے بڑھے تو ہم نے دیکھا کہ کچھ عورتیں ہیں جو پستانوں کے بل لٹکی ہیں۔

میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟

جبرائیل نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے مردوں کی اولاد میں ایسے بچے شامل کرتی ہیں جو اُن کے شوہر سے نہیں ہوتے تھے یعنی وہ اپنے شوہروں کی اولاد میں ملاوٹ کرتی ہیں۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن محمد نے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت پہ اللہ تعالیٰ کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور بہت شدید ہو جاتا ہے جس نے اپنے مردوں میں اس بچے کو شامل کیا جو اس کے شوہر کا نہ تھا اس عورت نے اسے شوہر کے مال سے پروان چڑھایا اور خفیہ رازوں کو اپنے سینے میں چھپایا۔

ابوسعید خدریؓ اپنی اس طویل روایت میں مزید بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم دوسرے آسمان پہ گئے اور وہاں میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں سے کرائی گئی جو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ اور حضرت یحییٰ بن زکریاؑ تھے۔ پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور وہاں ہم نے ایک حسین و جمیل شخص کو دیکھا کہ اُس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟

یہ آپ کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے بعد ہم چوتھے آسمان پہ پہنچے اور وہاں میں نے ایک شخص کو دیکھا اور

جبرائیل سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟

جبرائیل نے جواب دیا یہ حضرت ادریسؑ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین سے اٹھالیا تھا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے بعد ہم پانچویں آسمان پہ پہنچے اور وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف فرما تھے جن کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے اور یہ سفید بال اُن پہ خوب جچ رہے تھے اور میں نے اس سے قبل کسی بوڑھے کو اتنا حسین وجمیل نہ دیکھا تھا، تب میں نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون ہیں؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ اپنی قوم کے محبوب حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔

ابوسعید خدریؓ نے کہا اس کے بعد آنحضرت محمد ﷺ کو چھٹے آسمان پہ لے جایا گیا اور وہاں میں نے دیکھا کہ وہاں ایک گندم گوں طویل اور چھریرے بدن والے آدمی کو ہے اُن کا قد اتنا لمبا تھا کہ وہ بنو شنودہ کا فرد لگتے تھے۔

میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون صاحب ہیں!

جبرائیل نے کہا؛ آنحضرت ﷺ یہ آپ کے بھائی موسیٰ بن عمرانؑ ہیں۔

اس کے بعد ہم ساتویں آسمان پہ پہنچ گئے اور وہاں میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ ہیں جو بیت المعمور کے دروازے کے پاس کرسی ڈالے بیٹھے ہیں اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو ایک بار داخل ہونے کی سعادت حاصل کر لیتا پھر قیامت تک اُس کو دوبارہ یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی اس لیے کہ اللہ کے ملائکہ کی تعداد کتنی ہے کوئی نہیں جانتا اور اللہ اپنے رازوں میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ بیت المعمور کے دروازے پہ پایا جانے والا شخص میرا ہم شکل لگتا تھا تب میں نے جبرائیل سے سوال کیا یہ کون ہیں؟

جبرائیل نے جواب دیا؛ یارسول اللہ ﷺ یہ آپ کے باپ ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا؛

اس کے بعد ہم کو جنت میں لے جایا گیا جہاں میں نے ایک حسین وجمیل حور دیکھی جس کا حسن و جمال تعجب میں ڈالنے والا تھا۔

میں نے اُس سے پوچھا تو کس کے لیے ہے؟

اُس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثہؓ کے لیے ہوں ۔

سفر معراج سے واپسی کے بعد آنحضرت محمد ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو اس حور کی خوشخبری سنائی۔ابو سعید خدریؓ نے روایت کی کہ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ!

معراج کی شب میری ملاقات اللہ کے اُن بندوں سے بھی کرائی گئی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے تھے۔

آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ دن کی کسی ایک گھڑی میں فصل بوتے اور اگلے ہی لمحے وہ فصل تیار ہو کر کٹنے کے قابل ہو جاتی اس کے بعد وہ پھر فصل بوتے اور لمحوں میں ہی وہ فصل دوبارہ کٹنے کے لیے تیار ہو جاتی نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں جنت کے قریب سے گذرا اور جنت سے بھینی بھینی اور بہت ہی عمدہ خوشبو اٹھ رہی تھی اور ہر طرف سے ٹھنڈی اور عمدہ ہوائیں آ رہی تھیں اور وہیں آپ ﷺ کو ایک دلکش آواز سنائی دی۔

حضور اکرم ﷺ نے جبرائیل سے پوچھا یہ آواز کیسی ہے؟

جبرائیل علیہ السلام نے کہا!

یارسول اللہ ﷺ یہ جنت کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے اے پروردگار مجھے وہی کچھ دے جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔

علامہ ابن کثیر نے اس حدیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ!

جنت اپنے لوگوں کو پکار رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ میرے عشرت کدے کے موتی سونا چاندی مونگے شہد دودھ اور پانی اور شراب کے کٹورے بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔

اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ!

ہر وہ مومن مرد اور عورت تجھ میں داخل ہو گا جو محمد ﷺ پر اور میرے دیگر رسولوں پہ ایمان لاتا ہو اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراتا ہو اور مجھ سے بڑھ کے کسی اور کو نہ مانتا ہو اور نہ میرے برابر کسی کو جانتا ہو اور نیک عمل کرتا ہو۔سن لے جس کے دل میں ذرا سا بھی ڈر ہو اس کا دل ہر قسم کے خوف و خطر سے محفوظ رہے گا یاد رکھ! جو مجھ سے مانگتا ہے میں اسے محروم نہیں رکھتا جو مجھے قرض دیتا ہے یعنی

نیک عمل کرتا ہے اور میری راہ میں خرچ کرتا ہے میں اُس کو ضرور عمدہ بدل دوں گا اور جو مجھ پہ بھروسا کرتا ہے توکل کرتا ہے میں اس کی پونجی کو اس کی ضروریات کے لیے کافی کر دیتا ہوں اور میں ہی سچا معبود ہوں میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں میرا وعدہ سچا ہے جو کبھی غلط نہیں ہوسکتا مومن کی نجات یقینی ہے اور اللہ ہی ہے جو برکت والا اور سب سے بہترین خالق یعنی پیدا کرنے والا ہے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ جب ساتویں آسمان سے رخصت ہونے لگے تو حضرت ابراہیمؑ نے اُن سے کہا اے اللہ کے نبی آج رات آپ کے رتبے کو اتنا بلند فرما دیا جائے گا کہ اس سے قبل یہ رتبہ کسی اور کو حاصل نہ ہوسکا آپ یہاں سے بلند درجات کی طرف تشریف لے جانے والے ہیں اور آپ ﷺ کی امت سب امتوں سے کمزور ہے اس لیے جہاں تک ممکن ہو اپنی امت کے لیے آسانیاں حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو وہ بلند رتبہ عطا کیا گیا جس کی اس سے قبل کوئی مثال نہ تھی اور نبی اکرم ﷺ چلتے چلتے وہاں پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی اور اس سے آگے سدرۃ المنتہٰی کا مقام تھا یعنی انتہا کی بیری کا درخت اور اُس درخت پہ شان ربانی کا پرتو تھا جس نے آکر جب اس کو چھپا لیا تو اس کی ہیت ہی بدل گئی اور اس میں رنگ بہ رنگ ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں تک جاتی ہیں یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیل اپنی خلقی شکل میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ظاہر ہوئے پھر شاہد مستورِ ازل نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ زار میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت اور نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

اور جب آپ ﷺ خوشی خوشی حریم ناز سے نیچے کی طرف آئے تو اُن کا گذر حضرت موسیٰ بن عمران کے پاس سے ہوا۔

موسیٰ بن عمران نے آنحضرت محمد ﷺ کو آواز دی اور کہا اے میرے بھائی یہ تو بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ امت پہ کیا فرض کیا ہے آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دن بھر میں پچاس نمازیں فرض کی ہیں یہ سن کر موسیٰ بن عمران نے

کہا:

اے میرے بھائی نماز ایک بڑا بوجھ ہے آپ ﷺ کی امت اس کو نہ اٹھا سکے گی آپ واپس اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں اور تخفیف کی درخواست کریں۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ اپنے رب کی طرف لوٹ گئے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کی۔

اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔

اس کے بعد میں پھر واپس آیا اور میں موسیٰ بن عمران کے پاس سے گذرا اور اُن کو اپنی کامیابی کی اطلاع دی۔

یہ سن کے وہ مسکرا دیئے اور کہا:

میرے بھائی آپ ﷺ کی امت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی پھر جایئے اور اپنی امت کے لیے آسانی طلب کیجئے۔

چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کئی بار اپنے رب کے پاس گئے اور اپنی امت کے لیے آسانی طلب کی حتیٰ کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ تمہاری امت نمازیں تو پانچ پڑھے گی مگر اُس کو ثواب پچاس نمازوں ہی کا دیا جائے گا اس لیے کہ ہمارے ہاں زبان نہیں لوٹائی جاتی۔ آنحضرت محمد ﷺ جب پانچ نمازیں لے کر واپس آئے تب بھی حضرت موسیٰ نے اُن سے یہی کہا کہ یہ آپ کی امت پہ بھاری ہوں گی اس لیے آپ ﷺ واپس جایئے اور تخفیف کی درخواست کریں۔ تاہم اب کی بار آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت موسیٰ کی بات کو نظرانداز کیا اور فرمایا اب مجھے اپنے رب کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ واقعہ اسرا اور معراج کی روایات بہت زیادہ ہیں جن کی صحت اور عدم صحت پہ بھی علماء کے ہاں ایک بحث پائی جاتی ہے اس ضمن میں ہم نے جس قدر مناسب جانا تحریر کر دیا اور ہر کام اللہ کے حکم کا مقید ہے۔

سفرِ معراج، جسمانی یا روحانی

معراج النبی ﷺ کے ضمن میں دیگر مباحث کے ساتھ یہ بحث بھی روزِ اول سے جاری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب سیر لامکاں کے لیے لے جایا گیا تو کیا یہ محض ایک خواب تھا یا آپ ﷺ کو جسمانی معراج کرائی گئی۔ اس سلسلے میں دونوں باتیں کہی جاتی ہے اور دونوں اطراف سے قرآن وسنت سے دلیل پیش کی جاتی ہے۔ اگرچہ یہ ایک بے سود بحث ہے اور اس یقین سے کہ آنحضرت محمد ﷺ کو معراج خواب میں ہوئی تھی یا اس بات کو اختیار کرنے سے کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی تھی انسان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور نہ ہی کسی ایک نظریہ کو اختیار کرنا اللہ تعالیٰ کے کسی عتاب کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کا وہ گروہ جن کے خیال میں معراج النبی جسمانی حالت میں ہوئی تھی اُن کا استدلال یہ ہے کہ اگرچہ سورۃ اسرا میں لفظ رویا کا استعمال موجود ہے مگر اہلِ لغت نے اس لفظ کے یہاں استعمال کو زیرِ بحث لاتے ہوئے اِس کے معنی خواب نہیں کیے بلکہ مشاہدہ یا دیکھنے کے کیے ہیں یاد رہے کہ اس بحث کا دروازہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کے مابین بھی کھلا رہا اور صحابہ کے

دوگروہ اپنے اپنے خیال اس ضمن میں پیش کرتے رہے۔ چنانچہ سورۃ اسرا کی جس آیت کو اس معاملے کی بنیاد بنایا گیا پہلے اُس کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ○

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ١٧ -آیت ٦٠)

ترجمہ؛

''ہم نے جو خواب تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا مگر لوگوں کے لیے آزمائش''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ قرآن کے اولین مفسر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا؛

اس آیت میں لفظ رویا کے معنی خواب نہیں بلکہ مشاہدہ کرنے کے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت درج کی ہے اُس میں لفظ رویا کے معنی مشاہدہ چشم کے کیے گئے ہیں اس لیے معراج نبوی میں خواب والی بات درست نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کو جسمانی معراج کرائی گئی۔

جسمانی معراج کے نظریہ کے قائل مزید کہتے ہیں کہ:

اس ضمن میں جو احادیث متاخرین تک پہنچی ہیں اُن درجنوں روایتوں میں سے صرف دو روایتوں میں خواب کا ذکر آیا ہے جبکہ باقی تمام روایات خواب کے کسی تذکرے سے خالی ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی جو صحیح روایت درج کی گئی ہے وہ خواب کے کسی تذکرے سے قطعی خالی ہے۔ مزید براں صحیحین ہی میں حضرت انسؓ کی روایت جو ثابت بنانی کے توسط سے ہم تک پہنچی ہے وہ بھی خواب کے کسی تذکرے سے خالی ہے۔ مگر حضرت انسؓ ہی سے ایک اور روایت جو شریک کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے اُس میں خواب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور

اس میں حضرت انسؓ نے اس واقعہ کو آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش کیا ہے روایت کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

''انس بن مالکؓ کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف وحی کی جائے آپ کے پاس تین شخص آئے اور آپ اس وقت مسجد حرام میں سوئے تھے۔ پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ دوسرے نے کہا اِن سونے والوں میں سے جو بہتر ہے۔ پچھلے نے کہا اِن سونے والوں میں جو سب سے بہتر ہے اس کو ساتھ لے لو۔ یہ رات گئی پھر آپ ﷺ نے اِن کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل جاگتا تھا مگر آنکھیں سوتی تھیں۔ لیکن آپ ﷺ کا دل نہیں سوتا تھا اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اُن کے دل نہیں سوتے۔ اور انس بن مالکؓ ہم سے آپ ﷺ کی شب معراج کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ کو وحی کی جائے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے کہ آپ کے پاس تین لوگ آئے پہلے نے کہا وہ کون ہے بیچ والے نے کہا وہ اِن سب سونے والوں میں بہتر ہے تو پیچھے والے نے کہا جو اِن سب سونے والوں میں بہتر ہو اس کو لے لو۔ پھر آپ نے اِن کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ وہ ایک اور رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں۔ لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا کہ انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ اِن کی آنکھیں سوتی ہیں اِن کے دل نہیں سوتے پھر جبرائیل نے آپ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لے کر آسمان کو چڑھے''۔[*20]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس گروہ نے کہا کہ آیت مذکور میں یہ جو فرمایا گیا کہ اس خواب کو لوگوں کے آزمائش بنایا گیا ہے تو اس

کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جسمانی طور پہ معراج کو تشریف لے گئے تھے اس لیے کہ اگر آپ کفار قریش سے کہتے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو گیا ہوں تو اُن کو اس پہ کیا اعتراض ہوسکتا تھا کہ انسان طرح طرح کے خواب دیکھتے ہیں مگر جب آپ ﷺ نے اُن کو کہا کہ گزشتہ رات تو میں یہیں حرم پاک میں تھا پھر میں یہاں سے روانہ ہوا اور مسجد اقصیٰ پہنچا اس بات پہ قریش نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اس لیے کہ مکہ سے مسجد اقصیٰ کا سفر کسی تیز رفتار اونٹنی پر بھی مہینے بھر سے زیادہ ہی کا ہوگا۔ مزید براں انھوں نے کہا کہ سورۃ اسرا کی پہلی آیت میں جو کہا گیا کہ ''پاک ہے وہ ذات جو شب معراج میں لے گیا اپنے بندے کو'' تو لفظ بندے سے بھی یہی متشرح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو معراج شریف پہ جسمانی حالت میں لے جایا گیا۔ کہ بندہ یعنی عبد کا اطلاق روح اور جسم کے مجموعے پہ ہی ہوتا ہے مفرد جسم یا مفرد روح کے لیے لفظ عبد کا استعمال معروف نہیں۔

چنانچہ اس ضمن میں امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ کی معراج میں لوگوں کا اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب میں پیش آیا اور حق یہ ہے جس پہ اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامۃ متاخرین میں سے فقہا و محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت محمد ﷺ کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ کرے گا اور تحقیق کرے گا اس پہ حق واضح ہو جائے گا اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پہ اس کو محمول کرنے میں کوئی امر محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مزید براں کہا گیا کہ:

جب رسول اللہ ﷺ کو معراج پہ لے جایا گیا تو آپ ﷺ کو دودھ اور شراب کے پیالے پیش کیے گئے جس میں سے آپ ﷺ نے دودھ کو اختیار کیا جس پہ جبرائیل نے فرمایا آپ نے فطرت کو اختیار کیا ورنہ آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ چنانچہ واقعات بتاتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دودھ پیا اور اس کے بعد براق پہ سوار ہو کے آسمانوں کی طرف پرواز کر گئے۔ تو انھوں نے کہا کہ دودھ پینا اور سوار ہونا جیسے امور جسمانیات میں سے ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو جسمانی معراج کرائی گئی۔ اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو معراج خواب کی حالت میں کرائی گئی اُن کا کہنا ہے کہ چونکہ قرآن حکیم میں اس واقعہ کو واضح طور پہ لفظ رویاً سے تعبیر کیا گیا ہے اس لیے قرآن حکیم کی اس آیت کے بعد کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہیں رہتی اور یہ رویا ہی تھا وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ انبیاء ورسل کے خواب عام آدمی کے خوابوں جیسے ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انبیاء ورسل کے خوابوں کی ماہیت عام انسانوں کے خوابوں سے بالکل بعید اور منفرد ہوتے ہیں۔ تاہم اس ساری بحث سے ہم اس نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر اس امر پہ قادر ہے جس کا وہ ارادہ کرے اس لیے یہ کہنا کہ معراج خواب میں تھی یا یہ کہنا کہ معراج حالت بیداری میں جسمانی حالت میں ہوئی تھی دونوں باتیں ممکنات میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو ہر بات پہ قادر ہے تاہم خود ہمارا خیال یہ ہے کہ اُن لوگوں کے دلائل کسی قدر مستحکم ہیں جن کا خیال ہے کہ معراج بیداری اور جسمانی حالت ہی میں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں انگنت عجائب در آئے
اتنے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اگر چہ دیگر رسولوں کی
حیات بھی ان باتوں سے خالی نہیں ہے تاہم رسول
اللہ ﷺ کی زندگی میں تو ہر دم اس قدر خرق عادت
معاملات در پیش آئے کہ چودہ صدیوں سے مورخین
ان کا تذکرہ کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم بھی انھی کی
پیروی میں لگے ہوئے ہیں۔

رویت باری تعالیٰ

واقعہ معراج ہی کے سلسلے کی ایک معرکتہ الآرا بحث یہ ہے کہ اس موقعہ پر یا عموی طور پر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے یا کہ نہیں دیکھا۔ صحابہ کے زمانہ ہی سے یہ بات مختلف فیہ بن گئی تھی۔ اس لیے کہ حضرت ابن عباسؓ اور اُن کے کچھ دوستوں کا خیال تھا کہ آنخضرت محمد ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا جب کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُن کے بعض شاگروں کا خیال ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پہ آنخضرت محمد ﷺ نے اللہ رب العزت کو نہیں بلکہ جبرائیل کو اُن کی خلقی صورت میں دیکھا تھا۔ چنانچہ اس اختلاف کی وجہ وہ کچھ روایتیں بنیں جو واقعہ معراج سے متعلق تھیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالکؓ سے جو روایت شریک بن عبداللہ کے واسطہ سے درج کی ہے اُس کا آخری حصہ یوں ہے۔

''آنخضرت محمد ﷺ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے تو عزت والا جبار خدا یہاں تک قریب ہوا

اور جھک آیا کہ اُس کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ کے اس راوی شریک بن عبداللہ کے متعلق علمائے حدیث کی رائے کیا ہے۔

- امام مسلم نے فرمایا؛ وہ سخت بے احتیاط ہے اور اُس نے روایت کے الفاظ کو آگے پیچھے کر دیا ہے۔
- امام خطابی نے فرمایا؛ میں سمجھتا ہوں امام بخاری نے جو روایات اپنی صحیح میں درج کی ہیں اُن میں سب سے کمزور روایت یہی شریک والی روایت ہے شریک ایسے منکر الفاظ اپنے پاس سے روایت کرتا ہے جن کی تائید میں دوسرا کوئی قول دستیاب نہیں ہوتا۔ حضرت انس بن مالکؓ سے واقعہ معراج کو بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے مگر کسی نے یہ بات نہیں کہی جو شریک نے کہی ہے۔

- امام بیہقی نے کہا: منکر ہے۔
- حافظ ابن کثیر نے کہا: قصہ گو ہے۔
- علامہ ابن حزم نے کہا: علما رجال کی رائے شریک کے بارے میں اچھی نہیں ہے۔
- امام نسائی نے کہا: قوی نہیں۔
- ابن جارود نے کہا: کمزور ہے۔
- یحیٰی بن سعید القطان کہتے ہیں: شریک سے حدیث نہ لی جائے۔
- ابن سعد نے کہا: ثقہ ہے۔

- ابن داود نے کہا: ثقہ ہے۔

چنانچہ عام طور پہ علماء نے کہا کہ جو لوگ رویت باریٰ تعالیٰ کے قائل ہیں اُن کے اس تیقن کی بیان معراج کی احادیث نہیں بلکہ وہ سورۃ نجم کی اِن آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں سدرۃ المنتہیٰ کا تذکرہ ہوا ہے۔آیات ذیل میں تحریر کی جاتی ہیں۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى (5) ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى (6) وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى (7) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى (8) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (9) فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى (10) مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى (11) أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى (12) وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى (13) عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى (14) عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى (15) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى (16) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى (17) لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى (18)

(القرآن الحکیم سورۃ النجم ۵۳ -آیات ۵-۱۸)

ترجمہ:

”محمد ﷺ کو پُر زور اور طاقت ور نے تعلیم دی وہ آسمان کے بلند تر اُفق پہ تھا۔ پھر قریب ہوا اور جھک آیا یہاں تک کہ دو تیر پرتاب کے برابر یا اس سے قریب تر ہو گیا۔ پھر اس کے بندے کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی کی۔ دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے اس کے متعلق آپس میں شک کرتے ہو حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس کے پاس جنت الماویٰ ہے اُس نے دوسری مرتبہ یقیناً اور بے شک اترتے ہوئے دیکھا جب کہ سدرۃ کو چھالیا تھا جس نے چھالیا تھا نگاہ نہ جھپکی نہ بہکی اور اُس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ اِن آیات سے صحابہ کے ایک گروہ نے یہ خیال کیا کہ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پہ آنحضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نہ صرف ملاقات کی بلکہ اُس کا دیدار بھی کیا۔اس رائے کے قائلین میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت کعب بن احبارؒ وغیرہ کچھ لوگ شامل تھے جبکہ صحابہ میں سے جس گروہ کا خیال تھا کہ سدرۃ المنتہیٰ پہ رسول اللہ ﷺ جبرائیل سے ملے تھے اُن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شامل ہیں چنانچہ حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ سفر معراج میں رسول اللہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تمھاری اس بات نے تو میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں یاد رکھو اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خدا کو دیکھا تو سمجھو کہ وہ جھوٹ کہتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرما چکے ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَا يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَا اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ انعام٦ ۔آیت ١٠٣)

ترجمہ؛

”خدا کو نگاہیں نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سورہ شوریٰ میں ارشاد ہوا کہ :

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَاىُ

حِجَابٌ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ شوریٰ ۴۲۔آیت ۵۱)

ترجمہ؛

’’اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عائشہؓ نے مسروق سے یہ فرمایا کہ جب انھوں نے کہا کہ اُس شخص کو جھوٹا جانو جس نے یہ کہا کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خدا کو دیکھا تو میں نے اُن سے سوال کیا تو پھر اِن آیات کا مصداق کون ہیں، ہم تو آج تک یہ سمجھتے رہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ہی مراد ہے؟

وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ تکویر ۲۳۔آیت ۸۱)

ترجمہ؛

’’اُس نے اُس کو اُفق مبین پر دیکھا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورہ نجم کی یہ آیت۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی

(القرآن الحکیم سورۃ النجم ۵۳۔آیت ۱۳)

ترجمہ؛

’’اور اُس نے اُسے دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اِن آیات کو سنا تو مسکرائیں اور مسروق سے کہا:

خدا کی قسم! کائنات میں موجود تمام مردوزن میں سے پہلے خود میں نے رسول اللہ ﷺ سے اِن آیات کا مصداق جانا تھا تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا وہ جبرائیل تھے۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک روایت موجود ہے جس میں انھوں نے آنحضرت محمد ﷺ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو نور ہے اُس کو بھلا کون دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ خود ہمیں بھی حضرت عائشہؓ کا استدلال ہی متاثر کرتا ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب

✡✡✡

شق صدر کہ شرح صدر

خصائص المزمل ﷺ کے سلسلہ بیان میں ایک شرح صدر بھی ہے اور یہ منجملہ نبوت کے اُن خصائص میں شامل ہے جو انبیائے رُسل کو عطا کیے جاتے ہیں۔شرح صدر یا شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اسے بشری آلودگیوں سے پاک کرنا اور نفس کو ایمان و حکمت کے نور کی طرف متوجہ کرنا۔جاننا چاہیے کہ انبیاء و رسل کو جس بارِ امانت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے وہ بہت ثقیل ہوتی ہے اور اسی ثقل کو کم کرنے کے لیے یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ انبیاء و رسل کو اس بارِ امانت کا متحمل بنایا جائے۔قرآن حکیم میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

”اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ۝ وَوَضَعۡنَا عَنكَ وِزۡرَكَ ۝ الَّذِیٓ اَنقَضَ ظَهۡرَكَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ المنشراح ۹۴۔آیات ۳۔۱)

ترجمہ؛

”کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عربی لغت کے مطابق شرح کے معنی چیرنے پھاڑنے کے ہیں اور صدر سے مراد دل ہے۔ چنانچہ علماء نے فرمایا کہ شرح صدر سے مراد سینہ کو کھول دینے کے ہیں۔ کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا یا حقیقت کا واضح کر دینا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اور احادیث رسول میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے پاس جانے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دُعا فرمائی کہ: ”رَبِّ اشْرَحْ لِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ“ (اے میرے پروردگار میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں)۔ اور یہ سارا اہتمام اس لیے ہے کہ انبیاء و رسل کا علم اور فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک اور مبّرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لیے گذشتہ تجربہ و منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے اور چونکہ انبیاء و رسل کو یہ علم بغیر کسی کسب و تحصیل براہ راست خالق کائنات کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے اس لیے اِس علم کے یقین کا پایہ بھی انتہائی بلند ہوتا ہے اور وہ کسی بھی قسم کے شک و شبہ سے پاک ہوتا ہے۔ الغرض علم انبیاء محض القائے ربانی ہوتا ہے اور بہت سے امور اُن کے سامنے بغیر کسی غور و فکر، تجربہ و امتحان، تحصیل و اکتساب، جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے آئینہ کی طرح منشرح ہو جاتے ہیں۔ صرف و فہم و تمثیل کے لیے سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی شعرا ادبا اور موجدین کے ذہن میں کوئی بات بغیر غور فکر کے اچانک ہی در آتی ہے اور انھیں یوں

محسوس ہوتا ہے جیسے اُن کے ذہن کے دروازے کو کھلا پا کے کوئی خیال اچانک ہی اندر داخل ہو گیا ہو۔اور وہ اُس مسئلے کا حتمی حل بھی ہو جس پہ غور کرتے کرتے اُن کے دماغ کی چولیں ہل گئیں ہوں۔اور یہ شرح صدر کی ادنیٰ مثال ہے۔انبیاء ورسل کا سینہ جن امور کے لیے کھولا جاتا ہے اُن کا تعلق مادیات سے نہیں بلکہ روحانیات سے ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں اس کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۚ وَقَدۡ اٰتَيۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۝

(القرآن الحکیم سورۃ طٰہٰ ۲۰ ۔آیت ۹۹)

ترجمہ:

''اسی طرح ہم تجھ سے گذشتہ زمانے کی باتیں بیان کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (ذکر) عطا کیا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت یوسفؑ کے قصے کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ:

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِيۡنَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ یوسف ۱۲ ۔آیت ۳)

ترجمہ:

''ہم نے تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے تو اس سے قبل قطعاً آشنا نہ تھا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورۃ شوریٰ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ...

(القرآن الحکیم سورۃ شوریٰ ۴۲ - آیت ۵۲)

ترجمہ:

"اور اسی طرح ہم نے (اے محمد) تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا تُو تو پہلے یہ بھی نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راستہ دکھا دیتے ہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا شق صدر ہوا یا نہیں اس میں تو مورخین اور محدثین میں کوئی اختلاف نہیں اور سب اس امر میں متفق ہیں کہ شرح صدر ہوا لیکن کتنی بار ہوا اور کب کب ہوا اس میں بہرحال اختلاف موجود ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ملنے والی سب روایات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اِن روایات میں پانچ مختلف مواقعہ پہ شرح صدر کا ثبوت ملتا ہے۔

- جب آپ ﷺ بنو سعد کے قبیلے میں پرورش پا رہے تھے۔
- جب آپ ﷺ کی عمر دس برس تھی۔
- جب آپ ﷺ آپ ﷺ کی عمر بیس برس تھی۔
- جب جبرائیلؑ پہلی وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے تھے۔
- جب آپ ﷺ معراج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

علمائے جرح وتعدیل نے اس موضوع پرطویل مباحث چھوڑے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ شرح صدر کا واقعہ صرف دو دفعہ پیش آیا۔ایک دفعہ تب جب آپ ﷺ بنوسعد میں تھے۔ دوسری دفعہ جب آپ ﷺ معراج کے لیے تشریف لے گئے۔ باقی تمام روایتوں کو علمائے حدیث نے قابل اعتناءنہیں جانا اور اصول حدیث کی بنا پہ رد کیا ہے یوں بھی بہت سے معتبر سیرت نگاروں اور مورخین نے شرح صدر کو دو بار ہی تحریر کیا ہے ہم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔واللہ اعلم

✡ ✡ ✡

ہمارے ہاں ہر گاؤں میں ایک قبر ہوتی ہے اور بڑے شہروں میں کئی قبریں ہوتی ہیں جس پر جھنڈے لہرا رہے ہوتے ہیں اور صاحب قبر سے بہت سی کرامات منسوب ہوتی ہیں جو معجزات سے بھی بڑھ جاتی ہیں یہ کھلی جہالت اور شرک باللہ ہی نہیں بلکہ شرک بالرسالت بھی ہے اس سے گریز کرنا چاہیے۔

معجزات وآیات اللہ

رسول اللہ ﷺ کو اس قدر براہین و دلائل سے نوازا گیا کہ اِن کا تذکرہ الگ سے ایک جلد کا متقاضی ہے۔اِن میں وہ معجزات بھی شامل ہیں جو صحیح روایت کے ذریعے ہم تک پہنچے۔وہ آیات اور نشانیاں بھی شامل ہیں جن کا تذکرہ احادیث صحیحہ کے ساتھ قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔اور وہ معجزات بھی شامل ہیں جن کی روایت پہ علمائے وجرح وتعدیل کے تحفظات ہیں۔تاہم وہ ایک تواتر کے ساتھ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔ہم یہاں مختصر طور پہ اُن معجزات کا کچھ مزید مطالعہ پیش کریں گے جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی مذکور ہے۔

واقعہ ہجرت

آپ ﷺ نے تیرہ سال تک اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی مگر لوگوں کی ایک قلیل تعداد ہی ایمان لائی۔قریش نے بدترین مخالفت کی اور دشمنی کی انتہا تک گئے۔ پھرانھوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔قریش نے فیصلہ کیا کہ آج ہی رات اس قصہ کو ختم کر دیا جائے اور ہر قبیلے کا ایک ایک ماہر جنگجو اُن کے گھر کے باہر جمع ہو جائے جب وہ باہر نکلیں تو سارے مل کے انھیں قتل کر دیں۔مگر قریش کا یہ منصوبہ ناکام ہو گیا اور آپ ﷺ اُن کے بیچ سے اُن کے سروں پہ خاک ڈال کے نکل گئے۔اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے۔

”وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ○

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال۸۔ آیت ۳۰)

ترجمہ:

”وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے کہ تجھے قید کر دیں قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ ہی سب سے بہتر چال چلنے والا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

غزوہ بدر

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ بدر میں پیش آیا جس میں مسلمانوں کی تعداد قلیل اور کفار کی تعداد کثیر تھی۔ یہ ایسی جنگ تھی جس میں فیصلہ ہونا تھا کہ خطہ عرب میں اب اسلام رہے گا یا کفر۔ چنانچہ اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کا ظہور ہوا جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں بھی مذکور ہے۔ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوئی اُس کے تحت مسلمانوں کو کفار کی کم تعداد دکھائی گئی۔

ارشاد ہوا کہ۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۴۳)

ترجمہ:

”خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تمھیں تیرے خواب میں اِن کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے بارے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن خدا نے (تمھیں اس سے) بچا لیا بے شک خدا سینوں کے راز جانتا ہے“۔

اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقعہ پہ دوہرا اہتمام فرمایا تھا ایک طرف تو مسلمانوں کو کافر تھوڑے سے نظر آتے تھے تاکہ اُن کی ہمت پست نہ ہو اور وہ جنگ کے میدان میں جمے رہیں تو دوسری طرف یہ معاملہ تھا کہ کافروں کو بھی مسلمان بس تھوڑے سے ہی دکھائی دیتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو اُس کی جڑ سے مٹا دینا اب بس چند لمحوں کی بات ہے تم حملہ کرو اور اِن تھوڑے سے بے سروسامان مسلمانوں کو قتل کر دو۔ تاکہ اس کے ساتھ ہی اسلام بھی مٹ جائے اور اُن کے بتوں کی عزت بھی قائم ہو جائے۔ چنانچہ کفارِ قریش نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ وہ جنگ سے گریز کریں حالانکہ اُن کا قافلہ محفوظ ہو چکا تھا اور اس جنگ کا اب کوئی جواز باقی نہ بچا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ اسی میدان میں قریش کے اُن بہت سے سرداروں کو قتل کرانے کا منصوبہ بنا چکا تھا جنھوں نے نہ صرف اسلام سے بے پناہ دشمنی کا مظاہرہ کیا تھا بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کو بھی اذیت پہنچائی تھی اس لیے وہ میدان جنگ سے بھلا کس طرح بھاگ سکتے تھے جب کہ اُن کو قتل کیے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مزید ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے اس احسان کو بھی یاد رکھو کہ کافروں کی آنکھوں نے بھی اُن کو دھوکا دیا اور وہ میدان جنگ میں تمھارے ہاتھوں قتل ہونے کے لیے موجود رہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا وَّيُقَلِّلُكُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِهِمۡ لِيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ...

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۴۴)

ترجمہ؛

”خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمنوں سے صف آرا ہوئے تو وہ تمہاری نگاہوں میں اُن تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو اُن کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا تاکہ اُس کام کو جس کا ہونا طے ہو چکا ہے پورا ہو جائے“۔

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بھی تو میرا احسان تھا کہ جب تک جنگ شروع نہ ہوئی تھی اس وقت تک تو کفارِ قریش اس یقین میں پختہ تھے کہ بس یہ تھوڑے سے مسلمان ہیں وہ ابھی اِن کو قتل کر دیں گے اور اُن کا مقصد پورا ہو جائے گا مگر جب معرکہ شروع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مسلمانوں کو دگنا کر دیا۔ تب اچانک ہی کافروں کو احساس ہوا کہ جس کام کو اس قدر آسان سمجھ رہے تھے حقیقت میں وہ اس قدر آسان نہ تھا بلکہ وہ مسلمانوں کو جس قدر کم سمجھے تھے مسلمان اس قدر کم بھی نہ تھے پھر انھیں احساس ہوا کہ مسلمان تو شاید اُن سے دوگنا ہیں اور اس کے علاوہ باجود یہ کہ میدان جنگ اہل قریش کے لیے کوئی اجنبی جگہ نہ تھی اور نہ ہی جنگ کرنا اُن کے لیے کوئی نئی بات تھی اور نہ ہی وہ بزدل تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں خوف ڈال دیا، اُن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ اِن آیات میں فرما رہے ہیں کہ یہ سب تو میری طرف سے تھا۔

مزید ارشاد ہوتا ہے کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۱۳)

ترجمہ:

"اے یہودیو! تمھارے لیے اِن دونوں فوجوں میں جو صف آرا ہوئیں جن میں سے ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری خدا کی منکر تھی۔ یقیناً یہ ایک نشانی تھی کہ کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے اُس کی تائید کرتا ہے۔ اِس واقعہ میں اِن لوگوں کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے"۔

آگے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یاد کرو اُس وقت کو جب تم اللہ رب العزت سے رو رو کے فریاد کر رہے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تمھاری نصرت کے لیے قطار اندر قطار فرشتوں کے وہ لشکر اتارے جو تم کو نظر نہ آتے تھے۔ مگر اللہ جانتا ہے کہ اُس نے اپنے نبی کی کس طرح مدد کی۔ جب کفار مسلمانوں سے تین گنا تھے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے اندر اس خواہش کو اجاگر کیا کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے ٹھہر جائیں۔ دوسری طرف مسلمانوں سے کہا اِن سے لڑو غیب سے تمھاری مدد کی جائے گی اور پھر غیب سے فرشتوں کے وہ لشکر اترے جن کا تذکرہ ذیل کی آیات میں کیا جا رہا ہے۔

اِذۡ تَسۡتَغِیۡثُوۡنَ رَبَّکُمۡ فَاسۡتَجَابَ لَکُمۡ اَنِّیۡ مُمِدُّکُمۡ بِاَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُرۡدِفِیۡنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال۸۔ آیت ۹)

ترجمہ؛

"اور وہ موقع جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ نے آپ سے فرمایا کہ (غم نہ کر) میں تمھاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے مزید ارشاد ہوا کہ :

وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی وَلِتَطۡمَئِنَّ بِہٖ قُلُوۡبُکُمۡ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِاللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔آیت ۱۲۶)

ترجمہ؛

"اور خدا نے یہ اس لیے کیا تا کہ تمھارے دل مطمئن ہو جائیں ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی ضمن میں مزید ارشاد ہوا کہ:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَي الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ...

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال۸-آیت۱۲)

ترجمہ؛

''یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں سے وحی کر رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کیے رہو میں عنقریب کافروں کے دلوں میں تمھارا رعب ڈال دوں گا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مورخین نے جنگ بدر کی تفصیلات فراہم کی ہیں اُن کے مطابق جب یہ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئے تو صورت حال یہ تھی کہ مسلمانوں کا مستقر قدرے بلندی پہ تھا اور اُن کے نیچے ریتلی زمین تھی جب کہ کافر قدرے نشیب میں تھے اور اُن کے نیچے مضبوط زمین تھی مگر جس صبح اِن دونوں لشکروں نے صف آرا ہونا تھا اُس رات خوب بارش ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کا مستقر دھول مٹی سے پاک ہو گیا اور اُن کے گھوڑوں کے پاؤں خوب جمنے لگے ۔جبکہ دوسری طرف لشکر قریش کے مستقر میں اس بارش نے اُدھم مچا دیا تھا اُن کی زمین میں ہر طرف کیچڑ پھیل گیا جس میں اُن کے گھوڑوں کے پاؤں پھسلتے تھے اور کفار بہت سی مشکلات کا شکار ہو گئے تھے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ بارش بھی تو اُسی غیبی امداد کا ایک تسلسل تھا جس کے تحت کفار کا ہر صورت شکست کھانا طے ہو چکا تھا۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ....

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۔ آیت ۱۱)

ترجمہ:

”اور خدا کے اُس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تم کو اس پانی سے پاک کر دے اور ناپاکی کو تم سے دور کر دے اور تمھارے قدموں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمھارے قدموں کو جما دے۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس سے آگے ارشاد ہوا کہ میرے اس احسان کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمھیں اونگھ میں مبتلا کر دیا تاکہ تم بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کر سکو۔

وَاِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ...

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸۔آیت ۱۱)

ترجمہ:

”یاد کرو کہ جب خدا اپنی طرف سے تمھاری بے خوفی کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا ۔“

✡✡✡✡✡✡✡✡

یا یوں فرمایا کہ:

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ....

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۱۵۴)

ترجمہ؛

''پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لیے تم پر نیند اتاری جو ایک گروہ پر چھارہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سب تم نے نہیں بلکہ ہم نے کیا اشارہ فتح کی طرف ہے۔اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کنکریاں آپ ﷺ نے دشمن کی طرف پھینکیں تو وہ دراصل آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ ہم نے پھینکی تھیں اور دشمن کو بے دریغ آپ کے ساتھیوں نے نہیں بلکہ ہم نے قتل کیا ہے۔دراصل تو بدر کا میدان حق و باطل کے فیصلے کا میدان تھا اور اس میدان میں اس بات کا فیصلہ ہو بھی گیا کہ حق ہمیشہ غالب رہنے والا ہے۔قریش کے تمام اشرار کو قتل کر دیا گیا اور قریش کو ایسے منظروں کا سامنا کرنا پڑا جن کی انھوں نے کبھی خواب میں بھی توقع نہ کی ہوگی۔بدر کے میدان میں جو پے در پے نشانیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئیں یہاں اُن کا تذکرہ کیا جارہا ہے اور اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ہر موقعہ اور ہر لحہ مدد عطا فرمائی اور وہ کسی بھی موقع پر اپنے رسول کو تنہا چھوڑنے والا نہ تھا ذیل کی آیات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دُعاؤں کا سننے والا ہے اور وہ مدد کرنے والا ہے۔

ارشاد ہوا کہ:

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِىَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ الانفال ۸ ۔ آیت ۱۷)

ترجمہ؛

”تو تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے اُن کو قتل کیا ہے اور اے پیغمبر تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا ہے تا کہ مسلمانوں کو اُس سے (فتح کی) اچھی نعمت عطا فرمائے۔خدا دُعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے“۔

✡ ✡ ✡

غزوہ خندق

غزوہ خندق میں کفار نے آخری بار مسلمانوں پہ بھرپور یلغار کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب میں اس جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ جنگ عجیب وغریب ماحول میں لڑی گئی۔ مسلمانوں پہ انتہا کی سختی تھی، وہ قحط اور بدحالی کا شکار تھے، وہ تعداد میں کمی اور مدینہ کے بخار میں مبتلا تھے، وہ یہودیوں کی عسکری قوت سے خائف تھے تو دوسری طرف تمام عرب قبائل نے ایک اتحادی لشکر کے ذریعے شہر مدینہ کی کمزور سی ریاست پہ حملہ کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سلیمان فارسیؓ کے مشورے پر شہر مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا اور مسلمان سخت سردی کے موسم میں شدید مشقت میں لگ گئے۔ اور وہیں وہ منافقین بھی تھے جو مسلمانوں میں بددلی پھیلانے کے لیے طرح طرح کی افواہیں گھڑتے رہتے تھے۔ دراصل یہ ایک سخت کسوٹی تھی جس پہ مسلمانوں کے خلوص کو پرکھا جا رہا تھا۔ سورۃ الاحزاب کی اِن آیات میں اسی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

"وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا..."

(القرآن الحکیم سورۃ الاحزاب ۳۳- آیت ۲۲)

ترجمہ؛

''اور جب مسلمانوں نے اِن متحدہ حملہ آور لشکروں کو دیکھا تو کہا' یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اُس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس واقعہ نے اُن کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا تھا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وہ بیس دن مدینہ کا محاصرہ کیے رہے۔اس دوران یہودیوں نے اُن سے ساز باز کر کے مدینے کے اندر سے یعنی مسلمانوں کی پشت سے حملہ کرنے کا پروگرام بھی بنا لیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہر منصوبے کو ناکام بنا دیا اور کفار قریش کا یہ متحدہ لشکر بنا کسی مقصد کو حاصل کیے محاصرہ اٹھا کر واپس چلا گیا۔قرآن حکیم میں اِن کے اس طرح واپس جانے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ تو سراسر تمھارے رب کا فضل اور اُس کا کرم ہے کہ اُس نے تمھاری مدد کے لیے ایسے نادیدہ لشکر بھیجے جن کے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔وہ ہواؤں کے ایسے لشکر تھے جنھوں نے دشمن کے دل خوف سے بھر دیئے تھے اور وہ میدان جنگ چھوڑ کے بھاگ گئے۔
چنانچہ سورۃ احزاب کی اگلی ہی آیت میں فرمایا گیا کہ:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآئَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ...

(القرآن الحکیم سورۃ احزاب ۳۳- آیت ۹)

ترجمہ؛

''مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے اُن پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے خدا

اُس کو دیکھ رہا تھا‘‘۔

✡ ✡ ✡

غزوہ حنین

غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد پیش آیا۔ مسلمان فتح مکہ کی خوشی میں مسرور تھے۔ فتح مکہ کے نتیجے میں بہت سے لوگ اسلام لے آئے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو ہوازن مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں تو آنخضرت محمد ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور جب لشکر تیار ہو گیا تو انھوں نے کوچ کیا اور حنین کے مقام کی طرف روانہ ہو گئے جو مقابل بدوی قبائل کا مسکن تھا۔ مسلمان ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ دشمن کی طرف روانہ ہوئے تھے جن میں اچھی خاصی تعداد اُن لوگوں کی بھی تھی جو فتح مکہ کے موقعہ پہ اسلام لائے تھے اور ابھی اُن کا دین پختہ نہ ہوا تھا اور اُن میں بہت سے ایسے تھے جو محض مال غنیمت کے لالچ میں مسلمانوں کے ساتھ ہو لیے تھے۔ دوسری طرف بنو ہوازن تھے جو اہل عرب میں حربی اعتبار سے سب سے زیادہ ماہر جانے جاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے تیر انداز بڑی بڑی کمانوں سے کئی میل دور تک اپنے ہدف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے اور وہ بلا کے تیز انداز تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کا لشکر اُن کے علاقوں میں داخل ہوا تو خفیہ پناہ گاہوں میں چھپے ہوئے تیر اندازوں نے مسلمانوں پہ اس قدر شدید تیر اندازی کی کہ مسلمانوں کا لشکر ششدر رہ گیا اور وہ مسلمان جو مکہ سے لشکر کے ساتھ شامل ہوئے تھے وہ پیٹھ پھیر کے بھاگ اٹھے حتیٰ کہ سارے مسلمان لشکر میں ابتری پھیل گئی اور وہ منتشر ہو گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ میدان جنگ میں صرف رسول اللہ ﷺ اپنے چند جانثاروں کے ساتھ رہ گئے باقی سارا لشکر منتشر ہو چکا

تھا۔تب نبی اکرم ﷺ کے حکم سے آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کے لشکر کو آواز دی۔انھوں نے مہاجرین اور انصار کو پکارا تو مسلمان لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔جب چند سو مسلمان لشکر میں جمع ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حملے کا حکم دیا ۔انھوں نے حملہ کیا اور ساتھ ہی آنحضرت محمد ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور کفار کی طرف اچھال دی۔کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور فوراً ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔بنو ہوازن کو شکست ہوگئی اور وہ میدان جنگ چھوڑ کے بھاگ اٹھے۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں فرمایا کہ حنین کے دن کو یاد کرو جب تم میں سے کچھ لوگ اپنی کثرت تعداد کے باعث مغرور ہو گئے تھے مگر جنگ میں جو صورت حال پیش آئی وہ غیر متوقع تھی اور اللہ ہی ہے جس نے تمھاری مدد کے لیے نظر نہ آنے والے لشکروں کو اتارا اور تمھیں باطل کے مقابلے میں فتح سے سرفراز کیا۔

ارشاد ہوا کہ:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ○

(القرآن الحکیم سورۃ توبہ ۹ ۔ آیات ۲۵۔۲۶)

ترجمہ؛

”خدا نے تمھاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور نیز حنین کے دن جب تمھاری کثرت تعداد نے تم کو مغرور بنا دیا تھا تو یہ کثرت تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پہ تنگ ہوگئی پھر پیٹھ پھیر کے پیچھے ہٹے تب اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی اور فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کفر

کرنے والوں کو پوری سزا دی“۔

✡ ✡ ✡

بنو نضیر کی سازش

نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں سے ایک عادلانہ معاہدہ کیا جس کی رو سے انھیں ریاست مدینہ میں برابری کے حقوق دیئے گئے مگر یہودی روز اول سے ایک ناشکری قوم ثابت ہوئی تھی اس لیے بجائے اس کے کہ وہ رسول اکرم ﷺ پہ ایمان لاتے انھوں نے آپ ﷺ کو پہچانتے ہوئے انکار کیا ہر چند کہ اُن کی الہامی کتابوں میں بارہا اُن کو رسول اللہ ﷺ کی آمد سے آگاہ کیا گیا تھا اور اُن کو بہت سی نشانیاں بھی بتائی گئی تھیں جن کی بنا پہ انھوں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اس کے باوجود انھوں نے انکار کیا اور نبی اکرم ﷺ کی دشمنی پہ اتر آئے۔ انھوں نے ہر ہر مرحلے پہ نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کی حتیٰ کہ آپ ﷺ سے جنگیں کیں، شکست کھائی، جلاوطن ہوئے اور اُن کے ایک قبیلے کو قتل بھی کیا گیا۔ ہم اہل یہود کی جس کج روی کا تذکرہ یہاں کرنا چاہتے ہیں اُس کے مطابق رسول اللہ ﷺ دیت کا ایک معاملہ طے کرنے کے لیے یہود کے پاس گئے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کو گلی میں بچھی ایک چارپائی پہ بٹھایا اور آپ سے کہا ہم ابھی آپ ﷺ کا مطالبہ پورا کیے دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دیگر صحابہ کے ساتھ اُس چارپائی پہ بیٹھ گئے جو ایک دیوار کے ساتھ بچھی تھی۔ یہودیوں نے اس موقعہ پر نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ایک شخص سے کہا وہ چھت پہ جائے اور

چکی کا بھاری پاٹ رسول اللہ ﷺ پہ گرا دے۔ مگر رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ان دیکھے لشکروں کی حفاظت میں رہتے تھے اس لیے جبرائیل فوراً ہی تشریف لائے اور نبی اکرم ﷺ سے فرمایا یہاں اُٹھ جائیں۔ نبی اکرم ﷺ فوراً اٹھے اور مسجد نبوی کی طرف روانہ ہو گئے آپ ﷺ کے ساتھی آپ کو ڈھونڈتے ہی رہ گئے اور یہودی اپنی سازش میں ناکامی پہ تلملا اٹھے۔ قرآن حکیم میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے سورۃ مائدہ سے مذکوہ آیت تحریر کی جاتی ہے۔

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔۔۔

(القرآن الحکیم سورۃ المائدہ ۵۔آیت ۱۱)

ترجمہ؛

”اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اُس نے تم پہ کیا ہے یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پہ دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے اِن کے ہاتھوں کو روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ ہی پہ بھروسہ کریں“۔

غلبہ روم کی پیش گوئی

یہ اس دور کی بات ہے جب کفارِ قریش نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا، مسلمان دن رات اُن کے دستِ ستم کا شکار تھے کہ روم اور ایران میں جنگ چھڑ گئی۔ رومی اہل کتاب تھے اور دین نصرانیت کے پیروکار تھے۔ اس سے قطع نظر کہ اُن کے عقائد کس قدر بگاڑ کا شکار ہو چکے تھے وہ بہر حال ایک خدا اور ایک رسول اور ایک کتاب کے پیرو تھے اس لیے مسلمان اُن کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ محسوس کرتے تھے اور اُن کے مقابل اہل فارس اپنے بادشاہ کسریٰ ایران سمیت آگ کا پجاری تھا اور مشرکین جیسے اوہام و تخیلات میں مبتلا تھا۔ چنانچہ جب اس جنگ کا آغاز ہوا تو خود قریش مکہ نے مسلمانوں کو رومیوں کا حلیف اور خود کو ایرانیوں کا حلیف بنا لیا ۔ ایران روم کے خلاف پے در پے فتوحات حاصل کر رہا تھا اور کفار قریش مسلمانوں کو اس بات کا طعنہ دیتے تھے کہ مسلمانوں کے اہل کتاب پہ اُن کے آگ پرست غلبہ پا رہے ہیں۔ مسلمان کسی اچھی خبر کی توقع کرتے رہے مگر روم و ایران کی سرحدوں سے مایوس کن خبریں ہی آ رہی تھیں۔ ایک ایک کر کے رومیوں کے تمام اہم شہر ایرانیوں کے قبضے میں جا رہے تھے جس کا دکھ مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتے تھے اور ایرانیوں کی ہر فتح پہ کفار قریش کے نفس پھول پھول جاتے تھے۔ آخر رومیوں کو ایرانیوں کے مقابل ایک بد ترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایرانیوں نے بیت المقدس فتح کر لیا اور رومیوں سے اُن کی مقدس صلیب تک چھین کے لے

گئے۔لگتا تھا کہ رومی نصاریٰ اب تاریخ کے صفحات سے ہمیشہ کے لیے نابود ہو جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت محمد ﷺ کو بتایا کہ یہ درست ہے کہ آج رومی شکست کھا گئے ہیں مگر عنقریب وہ پلٹ کے حملہ کریں گےاور ایرانیوں پہ فتح حاصل کریں گے۔اُن حالات میں جب بیت المقدس کی فتح کے موقع پہ صرف ایک دن میں ساٹھ ہزار عیسائیوں کوقتل کر دیا گیا تھا اور ایرانی بادشاہ کے خیمے کے باہر رومی فوجیوں کے تیس ہزار کٹے ہوئے سروں کی نمائش جاری تھی۔ تب اہل روم کی فتح کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا نہایت عجیب لگ رہا تھا۔تاہم نبی اکرم ﷺ نے بغیر کسی جھجک کے برسر عام یہ اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی کی ہے کہ عنقریب رومی ایرانیوں پہ غالب آجائیں گے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ:

الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ...

(القرآن الحکیم سورۃ روم ۳۰۔آیات ۱۔۶)

ترجمہ:

”رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد وہ پھر غالب ہوں گے۔خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے کا سب اختیار ہے۔اور اِس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہوں گے وہ جس کی چاہے مدد کرے۔وہ غالب اور رحم والا ہے یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

جس وقت یہ پیش گوئی کی گئی تھی اُس وقت اس پہ یقین کرنا بہت دشوار تھا۔ چنانچہ کفار نے اس پیش گوئی پہ بھی خوب حرف زنی کی اور مختلف مجلسوں میں رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کو تمسخر کا نشانہ بنایا گیا۔ صورت حال یہاں تک جا پہنچی کہ قریش کے سردار مسلمانوں سے شرط لگانے کو تیار ہو گئے کہ تمھارے صاحب کی یہ پیش گوئی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ امیہ بن خلف اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مابین سو اونٹ کی شرط لگ گئی۔ تاہم رسول اکرم ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پتھر پہ لکیر تھے اور سچ ثابت ہوئے۔ رومیوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور ایرانیوں کو بدترین شکست سے دوچار کیا اور مسلمانوں تک یہ خبر روزِ بدر کو پہنچی اور اُن کی خوشی کو دوبالا کر گئی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کو بدترین شکست ہوئی تھی تو دوسری طرف رومیوں کے ہاتھوں ایرانی مغلوب ہوئے تھے۔ جدید دور کا مشہور مغربی مورخ گبن رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کا تذکرہ حیرت کے ساتھ کرتا ہے وہ اپنی کتاب (Fall of romma) میں لکھتا ہے کہ!

”شہنشاہ روم جو اپنی زندگی کے ابتدائی اور آخری دور میں سستی عیاشی اور اوہام کا غلام بنا رہا اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا مگر تب جس طرح صبح وشام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے اسی طرح دفعۃً (۶۲۱ء) میں محلوں کا ارکارڈیوس میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقے سے بچالی گئی۔ جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لے کر قسطنطنیہ سے چلا ہے تو لوگوں کا خیال تھا کہ وہ آخری مرتبہ رومۃ العظمیٰ کے لشکر کو دیکھ رہے ہیں لیکن عرب کے نبی اُمی (ﷺ) کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور عین اس وقت جب مسلمانوں نے بدر کے میدان میں کفار قریش کو شکست دی رومیوں نے بھی اہل فارس پہ فیصلہ کن غلبہ حاصل کر لیا۔ رومیوں نے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر سے دجلہ وفرات کے کناروں تک دھکیل دیا“۔

معجزات، تذکرہ مزید

معجزاتِ نبوی کے ضمن میں اگرچہ کافی ذکر ہو چکا ہے مگر احادیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کو عطا کی گئی نشانیوں کا تذکرہ اس قدر بسیط ہے کہ اُن سے پہلوتہی واقعاتِ سیرت کو تشنہ بنا دیتی ہے۔اس لیے صحیح احادیث میں روایت کیے گئے کچھ مزید نشاناتِ رحمت کے نقوش اِن صفحات پہ ابھارنے کی خواہش ہے۔اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کی نصرت و اعانت کا سلسلہ اس قدر جامع اور وسیع ہے کہ اُن سب معجزات، آیات و علامات کا تذکرہ نہ سہی تاہم بقدرِ استطاعت ہم اس سعادت سے ضرور بہرہ مند ہوں گے۔ اِن شاءاللہ

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت آمنہ کا خواب۔

ایک دن صحابہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، صحابہ نے آپ ﷺ سے کہا 'کچھ اپنے بارے میں ارشاد فرمایئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دُعا، اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں۔ جب میں اپنی ماں کے پیٹ میں تھا تب انھوں نے خواب دیکھا کہ اُن کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے قرآن حکیم کی اس آیت کی تلاوت کی۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝

(القرآن الحکیم سورۃ احزاب ۳۳ - آیت ۴۶)

ترجمہ:

"اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور خدا کے حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عصمت وعفت۔

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اُن چنیدہ بندوں میں سے تھے جن کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا بچپن اور جوانی بھی اُن آلائیشوں سے پاک رہی جن میں عام طور پہ دیگر عرب مبتلا تھے۔ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر مبارک دس گیارہ سال تھی تب اہل مکہ نے بیت اللہ کی تعمیر کا قصد کیا۔ تمام لوگ اس سعادت میں بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہے تھے۔ حتیٰ کہ بچے بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ وہ وادیٔ سے پتھر اٹھا کر لاتے تا کہ اللہ کے گھر

کو تعمیر کیا جاسکے۔رسول اکرم ﷺ بھی اس قومی مہم میں شامل تھے۔اگرچہ آپ ﷺ ابھی بچے ہی تھے اس کے باوجود شوق اور وارفتگی سے بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ دار بنے ہوئے تھے۔آپ ﷺ اہل مکہ کے دوسرے بچوں کے ہمراہ دور دراز سے پتھر اٹھا کے لا رہے تھے چونکہ آپ ابھی بچے ہی تھے اس لیے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا محمد تہبند اتار کر کندھے پہ ڈال لو کہ پتھر اٹھانے سے تمھارا کندھا زخمی نہ ہو جائے۔

دوسرے بچوں نے اسی طرح کیا ہوا تھا۔آپ ﷺ نے اپنے چچا کے حکم کی تعمیل کی اور تہبند اتار کر کندھے پہ ڈال لیا۔لیکن جونہی آپ ﷺ نے اپنا تہبند اتارا آپ ﷺ کو غش آ گیا اور آپ بے ہوش ہو کے گر پڑے۔لوگوں نے آپ ﷺ کے چہرے پہ پانی ڈالا تو آپ ﷺ ہوش میں آ گئے۔ہوش میں آتے ہی آپ ﷺ نے فرمایا۔میرا تہبند، میرا تہبند۔لوگوں نے آپ ﷺ کو تہبند اوڑھا دیا۔حضرت عباسؓ نے دریافت کیا بھتیجے آپ کو کیا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایک دراز قد سفید پوش نے کہا۔ستر پوشی کر اور یہ ابن سعد کی روایت ہے۔امام بخاری، مسند حاکم اور ابو نعیم نے کہا کہ ہوش میں آنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے غیب سے ندا آئی محمد اپنے ستر کو ڈھانپو۔محمد اپنے ستر کو ڈھانپو۔چنانچہ امام بیہقی، حاکم اور ابن سعد میں اتنا اضافہ ہے کہ یہ وہ پہلی ندائے غیب تھی جو آپ ﷺ نے سنی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت علی ابن طالبؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے بچپن اور جوانی کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ پوری زندگی میں صرف دو دفعہ مجھے یہ خیال آیا کہ میں شہر مکہ میں ہونے والی شعر و سخن اور موسیقی کی اُن محفلوں میں شرکت کروں جن کا عام طور پہ رواج پایا جاتا تھا۔چنانچہ ایک دفعہ جب میں کچھ ساتھی لڑکوں کے ساتھ شہر مکہ سے باہر وادئ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ میں شہر جاؤں اور لطفِ احباب اٹھاؤں۔چنانچہ میں نے اپنی ساتھی سے بکریوں کا خیال رکھنے کو کہا اور خود شہر کی طرف چل دیا۔

ابھی میں اُن محافل سے کافی دور تھا جو اِن دِنوں شہر مکہ میں سجا کرتی تھیں کہ شہر کے آغاز میں ہی ایک گھر سے مجھے گانے بجانے کی آواز آئی وہاں شاید کوئی شادی تھی۔ میں قریب ہی بیٹھ کر سننے لگا مگر نیند نے مجھ پہ ایسا غلبہ پایا کہ ایسی نیند مجھے کبھی نہ آئی تھی میں فوراً ہی سو گیا اور پھر تب جاگا جب سورج کی روشنی نے میرے شانوں کو جھنجوڑا۔ میں واپس اپنی بکریوں کے پاس چلا گیا۔ چند دن بعد پھر مجھے یہی خیال آیا لیکن اس بار بھی ایسا ہی ہوا اور نیند نے مجھ پہ غلبہ پا لیا۔ اس کے بعد کبھی میرے دل میں ایسا خیال نہیں آیا کہ میں لغویات میں مشغول ہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

شجر و حجر کی وارفتگی۔

رسول اکرم ﷺ بعد از نبوت صحابہ سے فرمایا کرتے کہ میں شہر مکہ کے اُن پتھروں کو جانتا ہوں جو مجھے سلام کیا کرتے تھے، کبھی میں کسی درخت کے قریب سے گذرتا تو وہ مجھے سلام کرتا اور یہ سب قرب نبوت کی نشانیاں تھیں۔ صحیح مسلم، مسند دارمی اور مسند احمد میں یہ روایت موجود ہے۔ کبھی نبی اکرم ﷺ نے پتھروں کا ذکر کیا تو کبھی درختوں کا کہ وہ مجھے سلام کیا کرتے تھے اور میں نہیں جانتا تھا کہ یہ سب کس لیے ہے حالانکہ یہ سب تو نبوت کی تمہید تھی جیسا صحیح بخاری میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اسی قسم کی کئی روایات مذکور ہیں جن میں آپ ﷺ نے صحابہ کو بتایا کہ جب مجھے نبوت عطا نہیں کی گئی تب اس سے کچھ عرصہ قبل مجھے سچے خواب دکھائی دینے لگے ۔میں کوئی بات خواب میں دیکھتا اور اگلے روز اُس واقعہ کو حقیقت کی آنکھ سے بھی دیکھ لیتا۔ رسالت کا اعزاز حاصل ہونے سے قبل عالم رویا میں فرشتے بھی مجھ سے مخاطب ہوا کرتے تھے ۔ چنانچہ یہ اور اس طرح کی کئی روایات ہیں جو آمد نبوت کی طرف اشارہ کرتی تھیں ساری احادیث بیان کرنا ممکن نہیں۔ احادیث کی کتابوں سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

گریہ ستون۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بارہا اس امر کا مشاہدہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کے فیض و برکت سے نباتات، جمادات اور حیوانات میں وہ انقلاب برپا ہوا کہ اُن سے خلاف عادت ظواہر وقوع پذیر ہوئے۔ چنانچہ صحابہ نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ برسوں رسول اللہ ﷺ ہم کو نماز پڑھاتے رہے۔ آپ ﷺ ہم کو ایک ستون پہ ہاتھ رکھ کے خطبہ دیا کرتے تھے اور مسجد نبوی میں کوئی منبر نہ تھا۔ نو ہجری میں آپ ﷺ پہ بڑھاپے آثار ظاہر ہونا شروع ہوئے کہ آپ ﷺ کی عمر مبارک باسٹھ سال ہو چکی تھی۔ تب ہم نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے کھڑے تھک جاتے ہیں تو صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک منبر تعمیر کر دیں جس پہ بیٹھ کر آپ ﷺ ہم کو خطاب کیا کریں۔ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس بابت دریافت فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا جیسے تمھاری مرضی ہو ویسے کر لو۔ چنانچہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے لکڑی کا منبر تعمیر کر دیا۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اُس منبر پہ بیٹھ کے ہم سے مخاطب ہونے لگے، تاہم جب آپ ﷺ نے پہلی دفعہ اس منبر پہ بیٹھ کے ہم کو خطبہ دیا تو ہم نے مسجد سے ایک عجیب سی آواز سنی جیسا کہ کوئی گریہ کر رہا ہو۔ ہم نے ادھر اُدھر دیکھا مگر جان نہ سکے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ تاہم رسول اکرم ﷺ جان گئے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ منبر سے اٹھے اور اُس ستون کی طرف بڑھے جس پہ سہارا لے کے آپ ﷺ ہم سے خطاب کیا کرتے تھے۔ تب ہم نے جانا کہ وہ تو اُس ستون کا گریہ تھا جو رسول اکرم ﷺ کی جدائی میں رو رہا تھا آپ ﷺ نے لکڑی کے اس ستون کو سہلایا اور دلاسہ دیا جس کے بعد وہ چپ ہو گیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اثبات جمادات۔

صحابہ نے بیان کیا کہ وہ بہت سختی کے دن تھے۔دشمن بس پہنچنے ہی والا تھا اور اُس کے پہنچنے سے قبل ہمیں ہر حال میں شہر مدینہ کے گرد خندق کھودنا تھی۔تب ایک سخت چٹان نے صحابہ کا راستہ روک لیا۔انھوں نے اُسے توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ چٹان نہ ٹوٹی بلکہ ہماری کدالوں کے منہ دوہرے ہو کے رہ گئے۔لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس امر سے آگاہ کیا تو آپ ﷺ اُن کے ساتھ اُس چٹان کی چل پڑے جس نے صحابہ کا راستہ روکا ہوا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے کدال لی اور اُس چٹان پہ وار کیا۔روشنی کی ایک لہر سی نکلی اور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو روم فتح ہونے کی خوش خبری سنائی۔چٹان کا ایک حصہ ٹوٹ کر دور جا گرا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے چٹان پہ دوسرا وار کیا پھر سے روشنی پھیلی نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو ایران فتح ہونے کی بشارت دی اور چٹان سے بڑا ٹکڑا الگ ہو گیا۔نبی اکرم ﷺ نے چٹان پہ تیسرا وار کیا پھر روشنی ہوئی نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو یمن فتح ہونے کی بشارت دی۔صحابہ نے بخوشی اسے قبول کیا۔دوسری طرف چٹان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر چکی تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

کوہ ودمن سرنگوں ہوئے۔

صحیح بخاری میں حضرت علیؓ کے حوالے یہ روایت درج کی گئی ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ کوہ اُحد پہ تشریف لے گئے آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ تھے کہ اچانک ہی یہ پہاڑ ہلنے لگا۔نبی اکرم ﷺ نے اپنے پاؤں سے اس پہاڑ کو ٹھوکر لگائی اور فرمایا ٹھہر جا تیری پشت پہ اس وقت پیغمبر ہے، صدیق ہے اور شہید ہے، امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور

حضرت زبیرؓ تھے جب اُس پہاڑ نے ہلنا شروع کیا اور آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ ٹھہر جائے اور وہ ٹھہر گیا۔ اگرچہ یہ روایت حدیث کی بہت سی کتابوں میں درج کی گئی ہے جن میں صحیح بخاری میں مناقب ابوبکر صدیق کے باب میں، صحیح مسلم میں فضائل طلحہ وزبیر کے باب میں بیان ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں یہی روایت لفظی تفاوت کے ساتھ مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند ابو یعلی میں بھی بیان ہوئی ہے، جبکہ امام بیہقی نے بھی سہیل بن سعد کے حوالے سے اس روایت کو درج کیا ہے مگر اِن تمام روایتوں کے مطالعہ کے باوجود یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ یہ واقعہ کوہ احد یعنی مدینہ کا ہے یا کوہ حرا یعنی مکہ مکرمہ کا ہے اس لیے کہ اہل رواۃ نے اِن دونوں پہاڑوں کے حوالے سے بات کی ہے یا ممکن ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہوں جو باہم ضم ہو گئے۔ واللہ اعلم

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ اطاعتِ اشجار۔

حدیث کی کتابوں میں ایسی بہت سی روایتیں موجود ہیں جن میں درختوں کو نبی اکرم ﷺ کے احکام کی تکمیل کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت جابرؓ کی یہ روایت درج کی ہے کہ ایک دفعہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھا کہ آپ ﷺ قضائے حاجت محسوس ہوئی۔ مگر دور دور تک کوئی آڑ نہ تھی جس کی اوٹ میں رسول اللہ ﷺ اپنی حاجت پوری کرتے۔ تاہم دو درخت وہاں ضرور موجود تھے جو ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پہ تھے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ ایک درخت کی طرف گئے اُس کی ایک ٹہنی کو ایسے تھاما جیسے اونٹ کی مہار تھامی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس درخت کی ٹہنی پکڑی اور اُسے کہا اللہ کے حکم سے میری اطاعت کر اور میرے ساتھ چلا آ۔ میں نے دیکھا کہ وہ درخت کسی فرمانبردار اونٹ کی طرح نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اُسے دوسرے

درخت کے ساتھ لا کے کھڑا کیا اور دونوں درختوں کو حکم دیا مل جاؤ وہ مل گئے جس کی وجہ سے آڑ سی بن گئی جس کے پیچھے نبی اکرم ﷺ نے اپنی حاجت پوری کی۔فراغت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اِن درختوں کو حکم دیا اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ اور ایسا ہی ہوا درخت اپنی سابقہ حالت پہ قائم ہو گئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح کی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے جب اپنے خاندان قریش کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے انکار کیا بلکہ آپ ﷺ کی دشمنی پہ اتر آئے نبی اکرم ﷺ اُن کو بدستور دعوت حق دیتے رہے اور وہ مسلسل انکار پہ ڈٹے رہے بلکہ اب تو وہ آپ ﷺ کو اذیت دینے سے بھی باز نہ رہتے تھے۔چنانچہ ایک دن آپ ﷺ اپنے خاندان کے اس انکار اور اُن کی ایذا رسانیوں سے سخت پریشان تھے اسی پریشانی میں آپ ﷺ شہر سے باہر تشریف لے گئے۔حضرت جبرائیل آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی دلجوئی کی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!

جبرائیل مجھے کوئی ایسی نشانی دکھاؤ کہ میرا دکھ مجھ سے دور ہو جائے۔

جبرائیل نے کہا!

یارسول اللہ ﷺ اگر آپ اُس درخت کو بلائیں تو وہ دوڑا چلا آئے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے اُس درخت کو پکارا تو وہ دوڑا چلا آیا۔

پھر آپ ﷺ نے اُس درخت سے فرمایا واپس چلے جاؤ تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اس نشانی کو دیکھا تو فرمایا اب مجھے کوئی غم نہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔امام رازی نے اسے جامع ترمذی میں بیان کیا ہے۔امام بخاری نے اگرچہ اس کو اپنی صحیح میں درج نہیں کیا تاہم انھوں نے تاریخ کبیر میں اس واقعہ کو درج کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کسی ویرانے میں تھے کہ آپ ﷺ کی ملاقات ایک بدوی سے ہوئی۔نبی اکرم ﷺ نے اس بدوی سے دریافت کیا! کہاں جاتے ہو؟

اُس بدوی نے کہا: اپنے گھر کا قصد ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تمہیں نیکی کی دعوت دی جائے تو اُسے قبول کرو گے۔

بدوی نے پوچھا؟ وہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اُسے دین اسلام کی دعوت دی۔

بدوی نے کہا!

مگر اس بات کا گواہ کون ہے کہ آپ سچے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا!

اگرچہ میرا اللہ اس بات کا گواہ ہے مگر تو چاہے تو میں اُس درخت کو بلاؤں وہ بھی میری تصدیق کرے گا۔

بدوی نے کہا: ضرور بلایئے۔نبی اکرم ﷺ نے اشارہ کیا تو وہ درخت دوڑا چلا آیا اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔نبی اکرم ﷺ نے اُسے فرمایا۔

واپس چلا جا تو وہ واپس چلا گیا۔

بدوی یہ سب دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لے آیا اور کہا!

میں اپنے گھر جاتا ہوں اور اپنے اہل خانہ کو دین اسلام کی دعوت دیتا ہوں اگر انھوں نے قبول کر لیا تو انھیں ساتھ لے آؤں گا اگر انھوں نے انکار کیا تو اُن کو چھوڑ کے چلا آؤں گا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اطاعت حیوانات۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حیوانات بھی رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے۔وہ رسول اللہ ﷺ کے رتبے سے آگاہ تھے اور آپ ﷺ کی اطاعت پہ آمادہ تھے۔جیسا کہ نبوت کے ابتدائی سالوں میں ایک بار نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ وادیٔ مکہ کی پہاڑیوں پہ تشریف لے گئے۔کہ معماً آپ ﷺ کو بھوک کا احساس ہوا۔آپ ﷺ نے ادھر اُدھر دیکھا تو ایک لڑکا نظر آیا جو اہل قریش کی بکریاں چرا رہا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے فرمایا:

اس لڑکے کو بلا لاؤ۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی آواز پہ وہ لڑکا چلا آیا۔

اُس لڑکے کو ہم رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں جانتے ہیں اُن کا نام عبداللہ ابن مسعود تھا آگے کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی زبانی ہی پیش کی جاتی ہے کہ امام بخاری نے اسے اسی طرح تحریر کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں حضرت ابوبکر ؓ کی آواز سن کر میں اُن کے پاس چلا آیا۔

حضرت ابوبکر ؓ نے مجھ سے استفار کیا؟

کیا تیرے پاس کوئی بکری ہے جس سے دودھ نکالا جا سکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا:

کئی ہیں مگر میں امین ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فرمایا؛

کئی ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے جواب دیا۔

اُن میں سے کسی ایک کو لے آؤ۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک بکری لے آئے جو نوعمر تھی اور ابھی اُس نے کوئی بچہ نہ جنا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے کچھ پڑھا اپنے ہاتھوں پہ پھونکا اور بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں حیرانی سے اس سارے عمل کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک ہی اُس بکری کے تھن پھولے اور وہ دودھ سے بھر گئے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک پتھر کو لے آئے تھے جو قدرے گہرا اور پیالہ نما تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی اُس بکری سے دودھ دھویا۔

انھوں نے سب سے پہلے دودھ کا پیالہ آنحضرت محمد ﷺ کو پیش کیا اس کے بعد خود پیا اور آخر میں دودھ سے بھرا پیالہ مجھے پیش کیا اور کہا: پی جاؤ۔

میں نے بھی جی بھر کے دودھ پیا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اُس بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا اور حکم دیا: سمٹ جاؤ

اور وہ سمٹ کر اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔

میں نے اس سارے عمل کو غور سے دیکھا تھا اس لیے حیرت میں گم ہو جانا فطری تھا۔

میں نبی اکرم ﷺ کو بہ حیثیت اللہ کے رسول کے جانتا تھا مگر میں ابھی اُن پہ ایمان نہ لایا تھا اس لیے کہ ایک تو میں بچہ تھا دوسرے میں اس مسئلہ کو قریش اور رسول اللہ ﷺ کے باہمی نزاع کے طور پہ لیتا تھا مگر جب میری آنکھوں کے سامنے یہ سارا معجزہ گزر گیا تو میں اپنے آپ کو نہ روک سکا اور آنحضرت محمد ﷺ سے درخواست کی۔

اللہ کا جو عمدہ کلام آپ پہ اترا ہے اُس میں سے مجھے بھی کچھ سکھائیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم سیکھنے والے لڑکے ہو انشاء اللہ جلد ہی سیکھ جاؤ گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن حکیم کی ستر سورتیں سیکھیں اور کوئی دوسرا اُن میں میرا مقابل نہ تھا۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے میرے اسلام لانے میں یہی واقعہ بنیادی محرک بنا جب رسول اللہ ﷺ نے میری آنکھوں کے سامنے ایک ایسی بکری سے دودھ نکالا جس نے کبھی دودھ نہ دیا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح ایک بار رسول اللہ ﷺ مدینے کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک گدھا آپ ﷺ کے پاس آ کھڑا ہوا۔

صحابہ حیرانی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا:

پتا کرو اس گدھے کا مالک کون ہے۔

صحابہ اُس گدھے کو مالک کو تلاش کر لائے تو نبی اکرم ﷺ نے اُس سے فرمایا:

تمھیں خدا کا کوئی خوف نہیں۔

تمھارے گدھے نے مجھ سے تمھاری بدسلوکی کی شکایت کی ہے تم اِس پہ اُس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈالتے ہو اُس کو مارتے ہو اور اُس کے کھانے پینے کے لیے بھی کوئی خاص انتظام نہیں کرتے۔

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جانوروں سے شفقت کا سلوک اختیار کرنے کا حکم دیا اور اُن پہ ظلم کرنے کو نہایت برا جانا ہے اور اُسے جاہلیت سے تعبیر کیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ میرا گھوڑا نہایت سست سا تھا اور میں اُس سے بیزار تھا۔ کہ ایک دفعہ رات کو کچھ شور ہوا تو اہل مدینہ جاگ گئے۔ ہم نے سمجھا کہ شاید کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ ہم سب خوفزدہ ہو گئے اور کوئی آگے بڑھنے کو تیار نہ ہوا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے

فرمایا:

اپنا گھوڑا لاؤ۔ میں اُس پہ بیٹھ کے دیکھتا ہوں کہ یہ کیا ہے۔

میں جو خود اپنے گھوڑے سے بیزار تھا اس لیے میں نے پسند نہ کیا کہ اس قدر سست گھوڑا رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا جائے اس لیے میں نے عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ میرا گھوڑا تو رہ گیا ہے بالکل چلتا ہی نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

جیسا بھی ہے لے آؤ۔

حضرت طلحہ ؓ فرماتے ہیں اب اس میں انکار کرنے کی گنجائش نہ تھی چنانچہ میں گیا اور اپنے گھوڑے کو کھول کے لے آیا۔

نبی اکرم ﷺ اُس پہ سوار ہوئے اور شہر مدینہ کا ایک چکر لگایا اور آ کر ہمیں تسلی دی تم لوگ اطمینان سے سو جاؤ میں دور تک ہو آیا ہوں کچھ بھی نہیں ہے۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے میرا گھوڑا مجھے دیتے ہوئے فرمایا:

تمھارا یہ گھوڑا تو بہت عمدہ ہے اور میں رسول اللہ ﷺ کی اس بات پہ حیران رہ گیا۔

اس سے اگلے روز میں اپنے گھوڑے پہ سوار ہوا تو میں نے جانا کہ یہ تو وہ گھوڑا نہیں ہے جو چلنے سے بھی بیزار تھا۔ میرا گھوڑا اب ایک تیز رفتار گھوڑا بن چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سواری کرنے کی برکت کی وجہ سے اب میرے گھوڑے کا شمار مدینے کے تیز رفتار گھوڑوں میں کیا جا سکتا تھا۔

صحابہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ہم نے بارہا ایسے امور کا مشاہدہ کیا تھا جن پہ یقین کرنا دشوار محسوس ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہی تھی کہ ہم اس امر سے آشنا تھے کہ رسول اللہ ﷺ بہت سی باطنی قوتوں کے حامل ہیں اور اُن کے مظاہر ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہی رہتے تھے ۔ ہم بار ہا رسول اللہ ﷺ کو جانوروں سے باتیں کرتے دیکھا تھا جانور اُن سے اپنے مسائل بیان کرتے اور رسول اکرم ﷺ ہم کو جانوروں سے اچھا سلوک اختیار کرنے کا حکم دیتے۔

صحابہ نے اس ضمن میں بہت سی روایات بیان کی ہیں سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا صاحب امر ہونا ہم پہ واضح ہو چکا اس کے بعد اگر آپ ﷺ کسی اونٹ کو حکم دیتے کہ سستی چھوڑ دے اور اپنے مالک کی اطاعت کر اور وہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اختیار کرتا تو اگرچہ بظاہر اس میں حیرت کا عنصر موجود ہے مگر ہم رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہتے ہوئے اِن واقعات پہ حیرت کا اظہار نہ کیا کرتے۔

✡ ✡ ✡

رسول اللہ ﷺ اگرچہ لوگوں کے دلوں کی بیماری دور کرنے کے لیے تشریف لائے تھے مگر اللہ کی ذات نے آپ ﷺ کو بہت سے ایسے امور سے بھی نوازا تھا جن پہ حیرت ہوتی ہے۔ دست شفا کے تحت جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کا تعلق انھی امور سے ہے۔

دستِ شفاء

رسول اللہ ﷺ اگرچہ معروف معنوں میں طبیب نہ تھے کہ آپ ﷺ کو جو منصب عطا کیا گیا تھا وہ حکمت سے بہت ارفع تھا اور آپ ﷺ تو درحقیقت لوگوں کے دلوں کا تزکیہ کرنے تشریف لائے تھے۔لوگوں کے دلوں کو جاہلیت کے امور سے پاک کرکے انھیں اُس منزل کا شعور عطا کرنے تشریف لائے تھے جس میں اُن کی فلاح مضمر تھی تاہم بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی جسمانی تکالیف دور کرنے کی دُعا بھی کی اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا فوراً ہی قبول کرلی جاتی تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ دستِ شفا بن گیا تھا جو لوگوں کے روحانی علائق کے ساتھ ساتھ اُن کے جسمانی عوارض وامراض کے لیے بھی باعث برکت تھا۔ایسے ہی چند واقعات یہاں بیان کرنے مقصود ہیں جن میں رسول اکرم ﷺ کے ہاتھوں لوگوں کو ظاہری امراض میں شفا حاصل ہوئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

طبیبِ اعظم۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہیل بن سعدؓ اس واقعہ کے چشم دید گواہ اور راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعہ پہ جب حضرت علیؑ کو طلب کیا تو معلوم ہوا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں اور آنکھیں تک نہیں کھول سکتے حتیٰ کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے تو انھیں کچھ نظر نہ آتا تھا اور دو صحابہ نے انھیں دائیں بائیں سے تھام رکھا تھا اور اسی حالت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے۔تب نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن لیا اور حضرت علیؑ کی آنکھوں پہ لگایا۔تھوڑی ہی دیر بعد حضرت علیؑ کو یوں محسوس ہوا جیسے انھیں کوئی تکلیف ہی نہ ہو۔اب وہ مستعد اور چاک و چوبند تھے اور جنگ کے لیے تیار تھے وہ صحابہ کے ساتھ جنگ کے لیے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُن کے ہاتھ پہ فتح عطا فرمائی اور وہ قلعہ جو کئی دنوں سے مسلمانوں کے لیے دردسر بنا ہوا تھا فتح ہوا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں حضرت عثمان بن حنیفؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک صحابی تشریف لائے جو نابینا تھے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ پہلے میری بیوی میری خدمت کر دیتی تھی مگر اُس کے انتقال کے بعد سے تو میں سخت مصیبت میں ہوں۔میرے پاس کوئی خادم بھی نہیں جو میری خدمت کر سکے ۔اس لیے اے اللہ کے رسول ﷺ میرے لیے دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دے۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس شخص کو اپنے پاس بلایا اور اُس کے کان میں کچھ کہا اُسے ایک دُعا سکھائی جسے ہم نہ سن سکے اس کے بعد اُسے فرمایا جاؤ وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھ اس کے بعد وہ دُعا کر جو میں نے تمھیں سکھائی ہے۔چنانچہ وہ شخص اٹھ گیا تا کہ وضو کرے اور نماز پڑھنے کے بعد اللہ

رب العزت سے دُعا کرے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے بھی نہ تھے کہ وہ شخص خوشی خوشی واپس چلا آیا اور اُس کے انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسا وہ کبھی بھی نابینا نہ رہا ہو۔ وہ شخص بہت خوش تھا۔ اور نابینا شخصوں کی بینائی واپس لوٹ آنے والی کئی روایتیں ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں مگر ہم نے اُن تمام روایتوں کو قلم انداز کیا ہے جن پہ اہل علم نے جرح وتعدیل کی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے اس روایت کو بہ احسن طور پہ بیان کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں انتہائی سخت تھے۔ بنوخزرج نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا تو بنواوس نے سوچا کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کے کسی معروف دشمن کو قتل کریں گے تاکہ بنوخزرج سے حساب برابر ہو سکے اور انھوں نے رافع بن ابی الحقیق کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اس مہم پہ روانہ ہو گئے جو ایک مشکل مہم تھی کیونکہ رافع بن ابی الحقیق ایک مستحکم قلعے میں رہائش پذیر تھا چونکہ اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ سیرت المزمل ﷺ میں گزر چکا ہے اس لیے ہم جزیات کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اُس معجزے کو بیان کرتے ہیں جس کو بیان کرنا اصلاً یہاں مقصود ہے۔ مسلمانوں کا جو گروہ رافع بن ابی الحقیق کو قتل کرنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوا اُن کے سربراہ حضرت عبداللہ بن عتیقؓ تھے۔ جو نہایت شجاع اور قبیلے کے عمدہ جنگجو مانے جاتے تھے۔ مشکل سے ہی سہی تاہم حضرت عبداللہ بن عتیقؓ اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دشمن رافع بن ابی الحقیق کو قتل کر دیا تھا۔ مگر جونہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے قلعے میں حملے کا شور مچ گیا اور یہودی جان گئے کہ کوئی اُن کے قلعے میں گھس آیا ہے جس نے اُن کے سردار کو قتل کر دیا ہے۔ ہر طرف پکڑو مارو کا شور مچ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عتیقؓ دوسری منزل پہ تھے جہاں انھوں نے رافع بن ابی الحقیق کو قتل کیا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ دشمن کے ہاتھ لگ جائیں اس لیے وہ تیزی

سے سیڑھیاں اترے۔آخری سیڑھی سے اُن کا پاؤں پھسل گیا اور انھوں نے جان لیا کہ اُن کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔تاہم وہ جانوروں کے ایک باڑے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے جہاں وہ کچھ دیر تک خود کو چھپا سکیں۔اُن کے پاؤں کی تکلیف بڑھتی ہی جا رہی تھی اور وہ جلد از جلد یہودیوں کے اس قلعے سے نکل جانا چاہتے تھے۔چنانچہ جب انھوں نے دیکھا کہ انھیں تلاش والے لوگ اُن سے غافل ہو گئے ہیں تو وہ چپکے سے قلعے سے باہر نکل آئے اور اپنے ساتھیوں تک پہنچ گئے۔انھوں نے اپنے ساتھیوں کو منصوبے کی کامیابی کی اطلاع کی اور ساتھ ہی بتایا کہ اُن کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور اب وہ مزید چلنے پھرنے کے قابل نہیں اس لیے وہ انھیں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔اُن کے ساتھیوں نے کہا بخدا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے سردار کو دشمن کے لیے چھوڑ دیں۔چنانچہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عتیقؓ کو اپنے کندھوں پہ اٹھایا اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔وہ مدینے پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کامیابی کی اطلاع کی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ حضرت عبداللہ بن عتیقؓ کے پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔نبی اکرم ﷺ نے پہلے تو دشمن کے نابود ہونے پہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عتیقؓ سے کہا۔مجھے بتاؤ تمھارے کون سے پاؤں میں تکلیف ہے۔حضرت عبداللہ بن عتیقؓ نے اپنا پاؤں آگے کر دیا جس پہ چادر لپیٹ دی گئی تھی۔نبی اکرم ﷺ کے حکم سے چادر کو اتار لیا گیا اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے کچھ پڑھا اور حضرت عبداللہ بن عتیقؓ کے پاؤں پہ اُس جگہ ہاتھ پھیرا جہاں انھیں شدید تکلیف تھی۔مگر جونہی نبی اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عتیقؓ کے پاؤں کو چھوا اُسی وقت اُن کی تکلیف جاتی رہی اور انھیں محسوس ہوا کہ اُن کے پاؤں کو تو کچھ ہوا ہی نہ تھا صحابہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد وہ اپنے پاؤں پہ چل کے ہمارے ساتھ واپس آئے اور ہم سب اپنے اپنے گھروں کو چل دیئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مکہ فتح ہو چکا تھا مگر ساتھ ہی بنو ہوازن کی طرف خبریں آ رہی تھیں کہ وہ شہر مکہ پہ حملہ کرنے والے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ تیاری مکمل ہونے پہ دشمن کی طرف کوچ کیا گیا۔ دشمن کے ساتھ سخت جنگ ہوئی ایک بار تو یوں محسوس ہونے لگا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے گی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی نصرت آنحضرت محمد ﷺ کے ساتھ تھی اس لیے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ جنگ کے بعد نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ بہت سے صحابہ زخمی ہیں۔ کسی نے کہا کہ اُس نے خالد بن ولیدؓ کے بازو پہ تلوار کا گہرا زخم دیکھا ہے۔ نبی اکرم ﷺ بے قرار ہو اٹھے۔ وہ لوگوں سے پوچھتے پوچھتے حضرت خالد بن ولیدؓ کی فرودگاہ تک پہنچے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ایک کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑے تھے اور انھوں نے اپنے زخمی بازو کو تھام رکھا تھا نبی اکرم ﷺ نے اُن کو حکم دیا خالد زخم سے ہاتھ اٹھا لو۔ انھوں نے زخم سے ہاتھ اٹھایا نبی اکرم ﷺ نے اپنا لعاب دہن لیا اور زخم پہ لگا دیا کچھ ہی دیر بعد زخم ٹھیک ہو گیا اور حضرت خالد بن ولیدؓ کو یوں محسوس ہوا جیسے انھیں کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں زخم لگا۔ صحابہ نے کہا شاید انھیں اپنی ہی تلوار سے زخم لگا ہے۔ تاہم جب وہ زخمی ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا میں اس جنگ میں کودنے کو بے تاب ہوں مگر میرا زخمی پاؤں مجھے اس سے روکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنا پاؤں آگے کرو۔ انھوں نے اپنا پاؤں آگے کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ اپنا لعاب دہن لیا اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے پاؤں پہ مل دیا۔ کچھ دیر بعد اُن کا زخم مندمل ہو گیا اور وہ پھر سے جنگ میں شامل ہو گئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح کا ایک واقعہ جنگ اُحد میں بھی پیش آیا کہ گھمسان کی جنگ میں دشمن کے ساتھ ایک

جھڑپ میں ایک صحابی کی آنکھ میں زخم آیا۔اُن کی آنکھ بہ نکلی وہ اُسے اپنے ہاتھ پہ لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کی آنکھ کو اصل جگہ پہ رکھا اور لعاب دہن لگا دیا۔لمحوں میں آنکھ ٹھیک ہو گئی تھی اور وہ صحابی پھر معرکہ کارزار میں اتر پڑے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت علیؓ آنخضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے دُعا کریں ۔میں قرآن یاد کرتا ہوں مگر جلد ہی بھول جاتا ہوں ۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کے سینے پہ ہاتھ رکھا اور کچھ دُعا کی ۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا سے پہلے تو یہ حال تھا کہ میں چار آیتیں یاد کرتا مگر شام تک انھیں بھول چکا ہوتا۔مگر جب نبی اکرم ﷺ نے میرے لیے دُعا کی تب سے میں چالیس چالیس آیتیں یاد کرتا ہوں مگر وہ مجھے نہیں بھولتیں۔میں محسوس کرتا ہوں کہ میں جو کچھ یاد کرتا ہوں وہ مجھے ہمیشہ کے لیے یاد ہو جاتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ ایک سفر میں تھے۔صحابہ نے بیان کیا کہ ایک عورت روتی ہوئی رسول اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی۔اُس نے ایک نومولود بچے کو بھی اٹھا رکھا تھا۔

عورت نے نبی اکرم ﷺ سے فریاد کی:

اے اللہ کے رسول میرا یہ ایک ہی بیٹا ہے مگر اسے دن میں کئی بار اشرار نظر آتے ہیں اور یہ سہم جاتا ہے۔چپ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں بولتا۔

یارسول اللہ ﷺ اس کے لیے دُعا فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ اونٹنی پہ سوار تھے۔آپ ﷺ نے اُس بچے کو اُس عورت سے لے لیا اور اپنے کجاوے پہ رکھ کے بچے کے شیطان کو مخاطب کیا:

میں اللہ کا رسول ہوں اور تجھے حکم دیتا ہوں کہ اس بچے کا پیچھا چھوڑ دے۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے بچہ اُس عورت کو واپس کر دیا۔صحابہ کہتے ہیں اس کے بعد ہم اپنی منزل کی جانب رواں ہو گئے۔ تاہم جب ہم واپسی کے سفر میں تھے اور جب ہم اُس مقام پہ پہنچے جہاں نبی اکرم ﷺ نے اُس عورت کے بچے کے لیے دُعا فرمائی تھی تو وہ عورت ایک بار پھر وہاں موجود تھی شاید وہ ہماری ہی منتظر تھی اور اُس کے ساتھ دو دنبے تھے۔

اُس نے نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کیا اور عرض کی:

اے اللہ کے رسول آپ سچے ہیں۔ بخدا جب سے آپ نے میرے بچے کا علاج کیا ہے تب سے وہ بالکل صحت مند ہو گیا ہے اور جو بلا سے چمٹی ہوئی تھی وہ اسے چھوڑ گئی ہے۔ میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آئی ہوں اور ساتھ میں یہ دو دنبے لائی ہوں جو میں آپ ﷺ کو ہدیہ کرنا چاہتی ہوں۔

صحابہ کہتے ہیں چونکہ ہم تعداد میں کم تھے اس لیے نبی اکرم ﷺ نے صرف ایک دنبہ قبول فرمایا اور ایک واپس کر دیا۔ہم نے اسی مقام پہ دنبہ ذبح کیا اور سب نے مل کے اُس کا گوشت کھایا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا کہ یہ حجۃ الوداع کا موقعہ تھا۔مسلمانوں کا ایک جم غفیر تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھیر رکھا تھا۔اور وہیں ایک عورت تھی جس نے ایک نومولود بچہ اٹھا رکھا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا چاہتی تھی مگر ہجوم کی وجہ سے اُسے دشواری پیش آ رہی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اُس عورت کو دیکھ لیا اور صحابہ کو حکم دیا اس عورت کو نزدیک آنے دو۔صحابہ نے اس عورت کو نبی اکرم ﷺ تک پہنچایا۔

اُس عورت نے بلند آواز سے نبی اکرم ﷺ کو بتایا کہ یہ اُس کا بیٹا ہے مگر بولتا نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: پانی لاؤ

صحابہ نے پانی دیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس پانی سے کچھ پانی پیا کچھ پانی کی کلی اُسی برتن میں کر

دی جس برتن میں پانی لایا گیا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا یہ پانی اُس عورت کو دے دو اور اُس سے کہو اپنے بچے کو پلا دے۔

وہ عورت یہ پانی لے کر رخصت ہو گئی۔

صحابہ حج کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ نبی اکرم ﷺ اس کے بعد مکہ تشریف نہ لا سکے۔ تاہم اگلے حج کے موقعہ پر صحابہ نے روایت کی کہ اُن کی ملاقات اُس عورت سے ہوئی تھی اور اُس عورت نے بتایا کہ اُس کا گونگا بچہ بولنے لگ گیا ہے۔ چنانچہ یہ اور اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہے جن میں نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے لیے دُعا کی اور انھیں امراض سے نجات دلائی۔

✡ ✡ ✡

اس میں کیا شک ہے کہ اللہ کے رسول کی نگاہ کرشمہ ساز ہوتی ہے اور اس نگاہ کی جولانی سے چیزوں کی ماہیت بدل کے رہ جاتی ہے آئندہ صفحات میں ہم اسی نگاہ کرشمہ ساز کے کچھ جلووں کا مطالعہ کرنے جارہے ہیں جن سے ایمان کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔

نگاہ کرشمہ ساز

نبی اکرم ﷺ اگرچہ لوگوں کے لیے خرق عادت امور کے اظہار کے لیے تشریف نہ لائے تھے بلکہ آپ ﷺ کے پیش نظر تو تمام عالم کی بھلائی تھی، لوگوں کی فلاح تھی لوگوں کی آسودگی تھی، لوگوں کی آسانی تھی، لوگوں کی نجات تھی، لوگوں کی تربیت تھی، لوگوں کا تزکیہ تھا، لوگوں کے لیے راستہ کی نشاندہی تھی۔ تاہم اِن تمام مقاصد کے حصول کے دوران کبھی کبھار ایسے مواقع بھی آتے رہے جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی مشکل سینہ تان کے کھڑی ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی اور اللہ تعالیٰ کی مدد بغیر کسی تاخیر کے آپہنچی۔ چیزوں کی ماہیت بدل گئی چند کھجوروں سے پورا لشکر آسودہ ہوگیا، چلو بھر پانی سے ہزاروں لوگوں اور سینکڑوں اونٹوں کی پیاس بجھ گئی، انگلیوں سے پانی کے چشمے ابلنے لگے، پتھروں سے پانی بہنے لگا، سالن بڑھتا ہی رہا، چند روٹیاں ختم ہونے میں ہی نہ آتیں وغیرہ۔ اور ایسے واقعات نہایت کثیر تعداد میں منقول ہوئے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کی دُعا سے بیچ صحرا پانی کی کمی پوری ہوگئی، یا اسی طرح چیزوں کی ماہیت بدل گئی اور چیزوں

نے رسول اللہ ﷺ کی منشا کو مدنظر رکھا اور اپنے اصل سے ہٹ گئیں۔ اسی طرز کے کچھ واقعاتِ سیرت کا انتخاب اِن صفحات میں درج کرنا مقصود ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نشاناتِ تحیر۔

حضرت جابرؓ اپنے والد عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنی تنگدستی کی وجہ سے یہودیوں کے مقروض ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے وفات پائی تو وہ کئی یہودی ساہوکاروں کے مقروض تھے جو اب حضرت جابرؓ سے اُن کے باپ کے قرض کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔ حضرت جابرؓ سخت پریشان تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میرے والد عبداللہؓ نے مجھ پہ قرض کا بہت سا بوجھ لاد دیا ہے۔ جسے ادا کرنے کی میں اپنے اندر استطاعت نہیں پاتا کہ میرے پاس کچھ نہیں بجز کھجوروں کے چند درختوں کے۔ میں نے اپنے کھجوروں کے نخلستان کا آج پھل اتارنا ہے آپ ﷺ میرے ساتھ چلیں تاکہ یہودی مجھ پہ سختی کرنے سے باز رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا تم اپنے کھجوروں کا پھل اتارو میں ابھی آتا ہوں۔ اور ہاں اپنے قرض داروں کو بھی وہیں بلا لینا۔ حضرت جابرؓ نے کھجور کے درختوں سے پھل اتار لیا اسی اثناء نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ کھجوروں سے جو پھل اترا تھا اُس سے حضرت جابرؓ کا قرض اترنا ناممکن تھا۔ مگر آنحضرت محمد ﷺ کی منشا یہ تھی کہ اُن کے اس محبوب صحابی کو اس پریشانی سے نجات مل جائے اور جب اللہ کے رسول کسی بات کا ارادہ فرما لیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی مدد فرماتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا مال کو ایک جگہ اکٹھا کر دو۔ جب کھجوریں ایک جگہ اکٹھی کر دی گئیں تو نبی اکرم ﷺ نے اِن کھجوروں کے چاروں طرف کچھ چکر لگائے اور کچھ دُعا بھی کی۔ اس کے بعد کھجوروں کے اس ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے۔ اسی اثنا حضرت جابرؓ سے مطالبہ کرنے والے یہودی بھی پہنچ

گئے ۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا۔اپنے قرضداروں کو بلاؤ اور اللہ کا نام لے کر ایک ایک کا قرض اتارتے جاؤ۔انھوں نے ایسا ہی کیا۔ یہودی قرض داروں کو کھجوریں دی جانے لگیں۔حضرت جابرؓ کا قرض ادا ہونے لگا۔مگر کھجوریں جوں کی توں رہیں اُن میں کوئی کمی نہ آئی حتیٰ کہ تمام قرض دار فارغ ہو گئے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ کا قرض اتر گیا مگر کھجوروں کے اُس ڈھیر میں کوئی کمی نہ آئی جب تک نبی اکرم ﷺ موقعہ پہ موجود رہے کھجوروں میں برکت جاری رہی۔ جب حضرت جابر بن عبداللہؓ کا تمام قرض ادا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے تشریف لے جاتے ہی کھجوروں سے برکت بھی جاتی رہی۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ بمشکل اپنے گھر والوں کے لیے تھوڑی سی کھجوریں بچا سکے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اصحاب صفہ محتاج تھے۔ وہ علم دین حاصل کرتے اور سارا دن رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اُسی چبوترے پہ گزارتے جو خاص اُن کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔اصحابِ صفہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔کبھی کبھی تو اُن کی تعداد تین سو سے بھی تجاوز کر جاتی۔ رسول اللہ ﷺ اصحاب صفہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ہر پل اُن کا خیال رکھا کرتے تھے آپ ﷺ نے مدینہ کے صاحب ثروت صحابہ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ جس قدر اصحاب صفہ کو اپنے ساتھ لے جا کے کھانا کھلا سکتے ہوں اُن کو کھانا کھلائیں۔ چنانچہ کئی صحابہ کا معمول تھا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کعب بن مالکؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اصحاب صفہ کی خوب مہمانداری کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اصحاب صفہ میں سے بارہ پندرہ اصحاب کو کھانے کے لیے ساتھ لیا اور گھر پہنچ گئے۔انھوں نے اپنی بیوی اُم رومان سے کہا اِن لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ نبی اکرم ﷺ نے کسی کام سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو طلب کیا تو وہ آپ ﷺ کی طرف تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ اصحاب صفہ یونہی بھوکے بیٹھے ہیں انھوں نے اپنی بیوی اُم رومان کو ڈانٹا کہ تم نے یہ کیا کیا مہمانوں کو بھوکا ہی بٹھا رکھا ہے۔

حضرت اُم رومان نے جواب دیا کہ اس کی دو وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ کھانا کم تھا میں نے سوچا کہیں کھانا کم نہ ہو جائے اس لیے میں رُک گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اصحاب صفہ نے بھی آپ کے آنے تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہی تھوڑا سا کھانا اصحاب صفہ کو پیش کیا۔ انھوں نے سیر ہو کے کھایا اس کے باجود کھانا بچ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بچا ہوا کھانا آنحضرت محمد ﷺ کی طرف بھجوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کھانے میں اس قدر برکت عطا فرمائی تھی کہ دوسرے روز آنحضرت محمد ﷺ کے گھر میں تشریف لانے والے درجنوں اصحاب صفہ نے اسی کھانے میں سے کھایا کھانا پھر بھی بچ رہا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وہ غزوہ احزاب کے دن تھے، سخت سردی کے ایام تھے اور مسلمانوں کو شدید مشقت کا سامنا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کی معاشی حالت بھی قابل رحم تھی اور وہ غربت و افلاس میں مبتلا تھے۔ اُن کو روزمرہ کی خوراک بھی دستیاب نہ تھی اسی لیے تو جب کچھ صحابہ نے نبی اکرم ﷺ کو اپنے پیٹ پہ پتھر باندھا ہوا دکھایا تو وہ یہ دیکھ کہ ششدر رہ گئے کہ شاہ دو جہاں کے پیٹ پہ ایک کی بجائے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن کے شامل حال رہی اور آسمان سے رحمتیں نازل ہو رہی تھیں۔ صحابہ نے کہا کہ اُن دنوں جب ہم خندق کی مشقت میں مبتلا تھے تو ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہ تھا۔ دوسری طرف دشمن کے بڑھتے قدموں کی چاپ ہمارے دلوں کی دھڑکن کو بے ترتیب کرتی تھی۔ اس لیے ہم چاہتے تھے کہ اُن کی یلغار سے پہلے خندق کو مکمل کر لیا جائے کیونکہ اگر تھوڑی سی خندق بھی کھدنے سے باقی رہ جاتی اور دشمن ہم پہ چڑھ آتا تو ہماری ساری محنت بیکار ہو جاتی۔ چنانچہ ہمارے شب و روز انتہائی اضطراب میں گذر رہے تھے اور موسم کی سردی اور پیٹ کی بھوک اُس پہ مستزاد تھی۔ صحابہ نے روایت کی ہے کہ تب ہم میں سے کسی کو بھی بغیر کچھ کھائے پیئے تین روز گذر گئے تھے جب ہم نے نبی اکرم ﷺ کے پیٹ پہ دو پتھر بندھے ہوئے دیکھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں

مجھ سے برداشت نہ ہوا اور میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اُس نے کہا میرے پاس کچھ جَو ہیں اور بکری کا ایک چھوٹا بچہ ہے۔ حضرت جابرؓ نے اُن سے کہا تم جَو پیس لو میں بکری کو ذبح کرتا ہوں کیونکہ میں اپنی بھوک تو برداشت کرسکتا ہوں مگر رسول اللہ ﷺ بھوکے رہیں یہ میری برداشت سے باہر ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی بیوی نے جَو پیسے اور حضرت جابرؓ نے بکری کے بچے کو ذبح کیا۔ حضرت جابرؓ کی بیوی نے آٹا گھوندھا اور بکری کے گوشت کی ہانڈی چولہے پہ چڑھا دی۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اُن دِنوں ہم دن کو خندق کھودتے اور رات کو اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتے کیونکہ اندھیرے اور شدید سردی کی وجہ سے رات کو خندق کی کھدائی کا کام جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ اُس روز بھی جب شام ہوئی اور صحابہ مدینے کو لوٹنے لگے تو میں چپکے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

یارسول اللہ ﷺ!

میرے پاس بکری کا ایک چھوٹا بچہ تھا جسے میں نے آپ کے لیے ذبح کیا ہے اس لیے آپ ﷺ ایک دو لوگوں کے ساتھ تشریف لائیں اور کھانا کھائیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ نبی اکرم ﷺ میرے ساتھ چل دیں گے اور میرا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے اپنے قریب کھڑے صحابی سے کہا۔ اہل خندق سے کہو کہ جابر بن عبداللہؓ نے اُن کو کھانے کی دعوت دی ہے۔ میں نے کچھ کہنا چاہا پھر خاموش ہو رہا۔ اس کے بعد میں گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور میں بار بار مڑ کے پیچھے دیکھتا تھا کہ نبی اکرم ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں شہر مدینہ میں رسوا ہو گیا ہوں۔ اس لیے جب میں گھر پہنچا تو میرے منہ سے آواز بھی نہ نکلتی تھی۔

میری بیوی نے پوچھا؟

آخر بتاؤ تو سہی کہ ہوا کیا ہے؟

تو میں نے کہا!

رسول اللہ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں فوری طور پہ تو میری بیوی بھی پریشان ہوگئی مگر پھر کچھ سوچ کے اُس نے مجھ سے پوچھا؟ تمام صحابہ کو کھانے کی دعوت تم نے دی ہے یا رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدعوع کیا ہے؟ میں نے کہا!

انہیں رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے۔

تب اُس نے کہا!

تم پریشان نہ ہو اللہ اور اُس کا رسول ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے گھر پہنچے اور اُن سے کہا ہانڈی کہاں ہے اور روٹیاں کہاں ہیں؟

ہم نے ہانڈی اور روٹیاں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ہانڈی اور روٹیوں پہ کچھ پڑھا اور میری بیوی سے کہا!

ہانڈی کو چولہے سے مت اتارنا اور نہ اس میں جھانک کر دیکھنا بس اس میں سے سالن ڈال ڈال کے دیتی رہنا۔

اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے کہا!

دس دس آدمی آؤ اور کھانا کھاتے رہو۔ چنانچہ صحابہ دس دس کی تعداد میں آتے اور جی بھر کے کھانا کھانے کے بعد رخصت ہو جاتے اور ہم نے دیکھا کہ ہانڈی سے نہ سالن کم ہو رہا تھا اور نہ ہی روٹیوں کی کوئی کمی تھی۔ لوگ دیر تک کھانا کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک ہزار آدمی نے اُس ہانڈی سے خوب جی بھر کے کھانا کھایا اور ہانڈی میں سالن ابھی اُسی طرح تھا جیسے کہ ابھی اُس سے سالن نکالنا شروع ہی نہ کیا گیا ہو۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ سے معجزات ظاہر ہوتے رہے اور ہم خندق کی کھدائی میں منہمک رہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایک عیال دار آدمی ہوں مگر میرے گھر میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں میری مدد کی

جائے۔ نبی اکرم ﷺ کے پاس کچھ جو رکھے تھے آپ ﷺ نے وہی جو اُس شخص کو پیش کر دیئے ۔اُس صحابی نے جو دیکھے تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ نا کافی ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا:

غم نہ کر یہ تمھارے لیے کافی ہو جائیں گے۔

اُس نے یہ جو اپنی بیوی کے حوالے کر دیئے اور کہا انھیں ایک برتن میں ڈال دو اور اس میں سے نکال کر استعمال کرتی رہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے یہ تمھارے لیے کافی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُن صحابی کی بیوی اُس برتن میں سے روز جو نکالتی انھیں پیستی اور اپنے شوہر اور بچوں کے لیے کھانا تیار کرتی۔ وہ جو کے برتن میں نہ دیکھتی کہ مبادا وہ کم ہو جائیں۔اسی طرح کئی مہینے گزر گئے۔اُس شخص کے گھر میں مہمان بھی آتے رہے اور اُس کے بیوی بچے بھی اسی برتن سے کھاتے رہے جس میں تھوڑے سے جو تھے۔دن گزرتے رہے وہ اسی برتن سے جو حاصل کرتے رہے حتیٰ کہ کئی مہینے اسی طرح گذر گئے کہ ایک دن اُس صحابی کے جی میں شیطان نے یہ بات داخل کی کہ برتن میں سے جو نکالو اور اُن کو تول کے تو دیکھو کہ وہ کتنے ہیں۔اُس نے ایسا ہی کیا اور وہ جو اگلے ہی دن ختم ہو گئے وہ صحابی پریشانی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرہ بیان کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔اگر تم یہ حرکت نہ کرتے تو نجانے تمھاری کتنی نسلیں اُسی برتن سے کھاتیں مگر اُس برتن میں کوئی کمی نہ ہوتی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا اور آپ ﷺ کے پاس ولیمہ کرنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا کہ حضرت اُنسؓ کی والدہ حضرت اُم سلیم نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا حلوہ) نبی اکرم ﷺ کی طرف بھیجا تا کہ آپ ﷺ اسے نوش فرمائیں۔حضرت انسؓ ایک طشت میں جس پہ کپڑا ڈال دیا گیا تھا وہ حلوہ لے کر آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم

ﷺ نے حضرت انسؓ کے ہاتھ سے حیس کا وہ برتن لیا کپڑا اٹھا کے اُس پہ نگاہ کی۔ حضرت اُنسؓ کی والدہ کے لیے خیر و برکت کی دُعا کی اور حضرت انسؓ سے فرمایا۔ اہل مدینہ سے کہو نبی اکرم ﷺ نے تمھیں ولیمہ پہ مدعو کیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد کئی سو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گھر پہنچ گئے۔ اُن میں سے کچھ لوگ مسجد میں تھے کچھ حجرے میں تھے اور کچھ حجرے کے باہر کھلی جگہ میں جمع تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا۔ صحابہ سے کہو دس دس کی تعداد میں آئیں اور اس طشت سے کھاتے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا دس صحابہ اندر آتے اور تشت میں سے حلوہ کھانے لگتے۔ وہ سیر ہو جاتے تو اُٹھ جاتے اور اُن کی جگہ مزید دس صحابہ تشریف لے آتے۔ اس طرح حیس کے اُس طشت سے سینکڑوں صحابہ سیر ہوئے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب مہمان آنا بند ہو گئے تو میں نے طشت اٹھا لیا۔ میں نے کپڑا اٹھا کے دیکھا اور میں نہیں جانتا کہ تب اس میں کھانا زیادہ تھا جب میں اسے لے کے آیا تھا کہ اب اس میں کھانا زیادہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا اب یہ برتن میری بیوی کے پاس لے جاؤ اور میں اسے حضرت زینبؓ کو سونپ آیا۔ انھوں نے اس میں سے کچھ کھایا پھر رسول اللہ ﷺ کی کسی اور بیوی نے کچھ کھایا اور جلد ہی وہ کھانا ختم ہو گیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو ہریرہؓ جو خود بھی اصحاب صفہ میں سے تھے فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اہل صفہ ایسے دیکھے ہیں جن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس پہننے کے لیے دو چادریں ہوں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت کرتے ہوئے اصحاب صفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ہم پہ وہ ابتلا کے دن تھے ہر طرف بھوک اور تنگی تھی۔ مجھے اُس اللہ کی قسم کے جس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ جب مجھے بھوک کی شدت تنگ کرتی تو میں اپنا پیٹ زمین پڑے کسی پتھر پہ ڈال دیتا یا اسے اٹھا کر اپنے پیٹ کے ساتھ لگا لیتا کہ شاید اس امر سے مجھے کچھ راحت

ملے مگر کچھ نہ ہوتا۔ پھر میں نے دور سے دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اسی طرف چلتے آ رہے ہیں جہاں میں بھوک سے بے قرار پڑا تھا۔ چنانچہ جب وہ میرے پاس سے گذرنے لگے تو میں نے اُن کو پکارا اور یونہی ایک آیت کے معنی پوچھے۔ انھوں نے مجھے وہ آیت سمجھائی اور چلتے بنے۔ حالانکہ میں اُس آیت کے معنی سے واقف تھا میرا اُن کو روکنے کا واحد مقصد یہ تھا کہ شاید وہ میری حالت سے آگاہ ہو جائیں اور مجھے کچھ کھانے کو پیش کریں۔ مگر شاید انھوں نے توجہ نہ کی یا شاید اُن کے پاس بھی کچھ نہ ہو۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اُس طرف تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اس لیے کہ میں جانتا تھا رسول اللہ ﷺ ضرور میری حالت سے آگاہ ہو جائیں گے اور میری امید بر آئی۔ اس لیے کہ جونہی آنحضرت محمد ﷺ میرے قریب پہنچے اور آپ ﷺ نے میرے چہرے کی طرف دیکھا تو میری کیفیت کو بھانپ گئے۔

آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور مجھے پکارا:

یا ابو ہریرہؓ:

میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ:

میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔

اور میں خوشی خوشی آنحضرت محمد ﷺ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے گھر پہنچے تو وہاں دودھ سے بھرا ایک پیالہ پڑا تھا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے اپنے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ دودھ فلاں صاحب آپ ﷺ کے لیے دے گئے ہیں۔

آپ ﷺ نے مجھے پکارا!

ابھی آپ ﷺ نے میرا آدھا نام ہی لیا تھا کہ میں لپک کے آگے آیا اور میری خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ مجھے دودھ پینے کا حکم دیں۔ مگر آپ ﷺ نے مجھے جو حکم دیا اُس نے مجھے زیادہ خوش نہ کیا۔ میں بھوک سے بیتاب تھا اور میرے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے تھے۔ میرے کانوں اور پیٹ سے عجیب عجیب آوازیں آ رہی تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

جاؤ اور سارے اصحاب صفہ کو لے آؤ۔ اور میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں سارے صحابہ کو لے آیا جو کم از کم ستر اسی تو ہوں گے ہی تب میرے حصے میں کتنا دودھ آئے گا۔

میں نے سوچا کہ اتنا سا دودھ بھلا اصحاب صفہ کا کیا گزارا کرے گا حق تو یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ صرف مجھے حکم دیتے اور میں یہ دودھ پیتا جس سے مجھے کچھ قوت محسوس ہوتی۔ مگر رسول اللہ ﷺ کا حکم تو بہر حال ماننا ہی تھا اس لیے میں با دل نخواستہ اصحاب صفہ کے چبوترے کی طرف چل دیا اور وہاں پہنچ کے میں نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دودھ پینے کی دعوت دی اور وہ سب میرے پیچھے پیچھے نبی اکرم ﷺ کے گھر کی طرف چل دیئے۔ نبی اکرم ﷺ کے گھر میں جگہ کچھ تنگ تھی اس لیے اصحاب صفہ ایک دوسرے سے جڑ کے بیٹھ گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے پکارا:

اے ابو ہریرہؓ: میں نے عرض کی میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ۔

اسلام کے اِن مہمانوں کو پینے کے لیے دودھ پیش کرو اور دائیں طرف سے شروع کرو۔

جو حکم یا رسول اللہ ﷺ۔

میں نے پیالہ لیا اور پہلے شخص کو دیا اور اُس پہ نظریں جما کے کھڑا ہو گیا تا کہ وہ کچھ کم دودھ پیئے اور اپنے باقی ساتھیوں خاص طور پہ میرے لیے بھی کچھ بچ رہے۔ مگر وہ سب بھی تو میری طرح ہی کئی طرح دن کے بھوکے تھے اس لیے اُس شخص نے دودھ لیا اور اُس کا جی نہ چاہتا تھا کہ وہ اسے اپنے لبوں سے الگ کرے۔ اُس نے جی بھر کے دودھ پیا اور میں نے خیال کیا کہ شاید پیالہ خالی ہو گیا ہو گا اور میں نے دوسرے اصحاب کی طرف دیکھا۔ اور خود میری اپنی بھوک کا احساس بھی شدت اختیار کر رہا تھا۔ آخر اُس صحابی نے پیالہ میرے حوالے کیا اور اُس کی آنکھوں کی روشنی بتا رہی تھی کہ وہ اب پہلے سے بہتر محسوس کر رہا ہے میں نے پیالے میں جھانکا اور مجھے ایک جھٹکا سا لگا۔ پیالے سے شاید ایک قطرہ دودھ بھی کم نہ ہوا تھا۔ مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میں نے نبی اکرم ﷺ کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑے اطمینان سے مسکرا رہے تھے۔

میں ایک کے بعد ایک شخص کو پیالہ دیتا گیا۔ لوگ سیر ہوتے گئے۔ مگر پیالے سے دودھ کا ایک

قطرہ بھی کم ہونے میں نہ آتا تھا۔

اوراب میں پُر امید سا تھا کہ اللہ میری بھوک کا سامان بھی کردے گا۔

کافی وقت گذر گیا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا جب میں نے دودھ کا وہ پیالہ اُس آخری شخص کے ہاتھ سے لیا جو اصحاب صفہ کے ساتھ آیا تھا۔ جو لوگ دودھ پی کے سیر ہو چکے تھے وہ واپس مسجد نبوی کی طرف چلے گئے تھے۔

تب میں نے اس پیالے کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پہ رکھا اور آہستہ آہستہ نبی اکرم ﷺ کی طرف چلا کہ مبادا پیالے سے دودھ چھلک جائے اور پیالے میں سے ستر اسی آدمیوں کے سیر ہونے کے بعد بھی ایک قطرہ دودھ کم نہ ہوا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے مجھے دیکھا اور سر اٹھایا:

اے ابو ہریرہؓ اب تم رہ گئے ہو یا میں۔

آپ نے بالکل درست فرمایا یا رسول اللہ ﷺ۔

تو پھر شروع ہو جاؤ اور بیٹھ کے اس دودھ کو پی جاؤ۔ میں بیٹھ گیا اور نبی اکرم ﷺ کے حکم کے مطابق آہستہ آہستہ اس دودھ کو پینے لگا۔ میری بھوک مٹنے لگی اور میں نے پیالہ اپنے منہ سے الگ کیا اور اسے رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا مگر اس سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا:

اے ابو ہریرہ:

جی یا رسول اللہ ﷺ "تم اور دودھ پیو"۔

اور میں پھر سے دودھ پینے لگا۔

میرا پیٹ بھر چکا تھا اور شاید نیت بھی۔

تب میں نے ختم کیا اور پیالہ آنحضرت محمد ﷺ کو پیش کیا۔

مگر آنحضرت محمد ﷺ نے مجھے حکم دیا! ابو ہریرہؓ اور دودھ پیو:

اور میں پھر سے پینے لگا اور میرا جی آخری حد تک بھر گیا تو میں نے پیالہ رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا۔

آپ ﷺ نے مجھے ایک بار پھر حکم دیا کہ ابو ہریرہؓ اور دودھ پیو۔

اور اب میں منت سماجت پہ اتر آیا اور عرض یا رسول اللہ ﷺ اب تو ایک گھونٹ کی بھی گنجائش نہیں۔

اچھا تمہاری مرضی۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اور رسول اللہ ﷺ نے یونہی کھڑے کھڑے پیالے کو منہ سے لگایا اور کئی گھنٹوں سے دودھ کا جو پیالہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا وہ ایک پل میں خالی ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے آدھے منٹ میں اسے خالی کر کے ایک طرف رکھ دیا اور میرا دل اس خیال سے پریشان ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو بہت ہی تھوڑا دودھ ملا شاید آپ ﷺ اس سے سیر بھی ہوئے ہیں یا نہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں بھی اگر پیاس لگے تو انسان اسے زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتا، مگر روزِ محشر کی پیاس کے تو کیا ہی کہنے جہاں ہر بشر کی زبان پیاس سے سوکھ کر لکڑی ہو رہی ہوگی تب حوضِ کوثر کا ساقی پانی لیے کھڑا ہوگا مگر صرف اُن کے لیے جن کے مقدر ارفع ہوں گے، اے اللہ ہمیں بھی اُن میں شامل کر لے، آمین

ساقی کوثر

عرب کے خشک اور وسیع ریگستانوں میں سب سے نایاب اور قیمتی چیز پانی تھا جو دور دور تک دستیاب نہ ہوتا۔ پانی کے چھوٹے چھوٹے چشموں پہ قبضہ کرنے کے لیے عربوں میں جنگ چھڑ جاتی۔ عرب صحراؤں کے بیچ اُن رستوں سے آگاہ تھے جہاں نخلستان اور چشمے اُن کے منتظر ہوتے، وہ صحرائے عرب کی شدت سے نمٹنا جانتے تھے جب کہ خطہ عرب سے ملحق متمدن ریاستیں روم و ایران اور یونان کے باسی اِن صحراؤں میں قدم رکھنے سے گھبراتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب اُن کے قافلے لوٹ لیتے مگر وہ باوجود اپنی مہیب طاقت کے عربوں کے تعاقب میں صحرا میں نہ گھستے کہ اُن میں سے اگر کبھی کوئی فوجی دستہ عربوں کے تعاقب میں صحرا میں اترا تو اُسے واپس جانا نصیب نہ ہوا اور وہ صحرا کی بھول بھلیوں میں اس طرح بھٹکا کہ پھر اُسے موت ہی اس مصیبت سے چھٹکارا دلا سکی۔ خطہ عرب پہ بیرونی تسلط کے قائم نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ پانی کی کمیابی ہی تھی اس لیے خطہ عرب بیرونی طاقتوں کے تسلط سے آزاد رہا۔ جب اسلام آیا اور دین کا پیغام دور دور تک پہنچانے کے لیے جب

عربوں کے لشکر بیچ صحرا سے دور دراز کی منزلوں کو روانہ ہوئے یا اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے صحراؤں میں نکلے تو رسول اللہ ﷺ کی بابرکت صحبت انھیں حاصل رہی اس لیے انھیں کبھی پانی کی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑا کہ جب کبھی ایسا موقعہ آیا تو کبھی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے تو کبھی آپ ﷺ نے کسی سوکھے چشمے میں کلی کر دی تو وہاں سے پانی ابلنا شروع ہوگیا۔ کبھی آپ ﷺ نے چلو بھر پانی سے پورے لشکر کو سیراب کیا تو کبھی سوکھے کنویں آپ ﷺ کے اشارہ ابرو سے پانی اگلنے لگے چنانچہ پانی کی دستیابی کے حوالے سے ہم تک سینکڑوں روایات پہنچیں اُن سب کا تذکرہ تو یہاں ممکن نہیں تاہم حصول برکت کے لیے ہم یہاں پانی کی معجزانہ دستیابی کے حوالے سے ایک دو واقعات کا تذکرہ ضرور کریں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ کسی مہم کے دوران مقام زورا میں تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔لوگوں نے اِدھر اُدھر سے پانی تلاش کرنے کی بہت کوشش کی تا کہ وہ وضو کر کے نماز ادا کر سکیں مگر ناکام رہے۔رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کی گئی کہ پانی نہیں مل رہا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا وہ برتن کہاں ہے جس میں صبح پانی تھا۔صحابہ وہ برتن لے آئے اُس برتن کی تہہ میں ابھی کچھ پانی موجود تھا۔نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ اُس برتن میں ڈال دیا۔پانی برتن سے ابلنے لگا صحابہ کی تعداد تین سو سے کچھ کم یا کچھ زیادہ تھی۔تمام صحابہ نے جلدی جلدی وضو کیا۔صحابہ وضو کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے خود وضو کیا۔برتن سے ہاتھ نکالتے ہی پانی کا وہ چشمہ بھی ختم ہوگیا جو رسول اللہ ﷺ کی برکت سے جاری ہوا تھا۔صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی اور اگلی منزل کو روانہ ہوگئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حدیبیہ کے روز اصحاب رسول کے پاس سے پانی ختم ہوگیا اور اُن کی زبانیں پیاس سے سوکھ

گئیں۔ نبی اکرم ﷺ وضو کرنے لگے تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ پانی بس یہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مشک میں ہاتھ ڈال دیا اور فرمایا یہاں سے پانی لے لو۔ صحابہ نے بیان کیا کہ ہم پندرہ سو کے قریب لوگ تھے سب سیراب ہوئے ہمارے اونٹ اور گھوڑے سیراب ہوئے اور ہم نے اپنے تمام برتن بھر لیے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مشک سے ہاتھ نکال لیا اور وہ چشمہ جو آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے ابل رہا تھا رُک گیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حدیبیہ ہی کے بارے میں دوسری روایت ہے کہ صحابہ جس مقام پہ اترے وہاں ایک کنواں تھا جس کا نام حدیبیہ تھا۔ صحابہ پیاس سے بے تاب تھے اس لیے انھوں نے پانی نکالنے میں جلدی کی۔ تھوڑی دیر بعد پانی ختم ہوگیا۔ اگرچہ ابھی پانی کی شدید ضرورت تھی۔ نبی اکرم ﷺ کو اطلاع کی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کنویں پہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پانی طلب کیا کچھ پانی پیا اور کچھ کی کلی کنویں میں کی۔ کنویں میں تھوڑی دیر پہلے پانی نام کو بھی نہ تھا اب کنویں سے پانی ابلنے لگا تھا۔ صحابہ نے اپنی ضرورت پوری کی۔ جتنے دن صحابہ حدیبیہ کے مقام پہ موجود رہے کنویں سے پانی کم نہ ہوا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مسلمانوں کو سفر تبوک میں بھی پانی کی شدید کمی کا سامنا تھا۔ وہ ایک طویل سفر تھا اور صحابہ نے صحرا کے بیچوں بیچ سے گذرنا تھا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ پانی کی کمی کی وجہ سے ہم دو دو نمازیں اکٹھی کر کے پڑھتے رہے۔ پھر ہم تبوک کے قریب پہنچ گئے اور وہاں ایک چشمہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ جب تک میں نہ پہنچ لوں چشمے سے پانی نہ لینا۔ مگر وہاں سب سے پہلے پہنچنے والے منافق تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظر انداز کیا اور چشمے سے سارا پانی نکال لیا۔ نبی اکرم ﷺ جب تبوک کے مقام تک پہنچے تو صحابہ سے ناراضگی کا اظہار کیا مگر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے کان میں کہا کہ وہ منافقین تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ سے کہا کچھ پانی لاؤ۔ صحابہ پانی لائے نبی اکرم ﷺ نے وضو کیا چشمے میں پانی کی کلی کی۔ چشمے کے سوتے سے اُبل پڑے۔ صحابہ نے اپنی ضرورت پوری کی۔ صحابہ جتنا عرصہ تبوک کے مقام پر موجود رہے انھیں پانی کی کمی نہ ہوئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اسلام قبول کرنے کے بعد مجھ پہ تین دن بہت بھاری تھے۔ ایک وہ دن جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی، دوسرا وہ دن جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور تیسرا وہ دن جب میرا توشہ دان جاتا رہا۔ صحابہ نے دریافت کیا، یہ توشہ دان کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ہم ایک غزوہ میں تھے اور ہمارے پاس زادراہ ختم ہو گیا۔ میرے پاس چند کھجوریں تھیں۔ جب انھیں گنا گیا تو وہ اکیس تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے کھجور کے ہر دانے پہ کچھ پڑھ کے پھونکا۔ پھر کھجوروں کو ملا دیا اور مجھے حکم دیا دس دس صحابہ کو بلاؤ اور انھیں کہو کھجوریں کھاتے جائیں۔ دس دس صحابہ آتے اور کھجوریں کھاتے گئے حتیٰ کہ پورا لشکر آسودہ ہو گیا۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا دسترخوان سمیٹ دو میں نے دسترخوان سمیٹتے ہوئے کھجوروں کو گنا تو وہ اکیس تھیں۔ میں نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی اِن کھجوروں میں میرے لیے بھی برکت کی دُعا فرمائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے دُعا فرما دی۔ میں نے اِن کھجوروں کو ایک توشہ دان میں ڈال دیا۔ وہ دن اور آج کا دن میں اس توشہ دان میں ہاتھ ڈالتا اور کھجوریں نکال کے کھا لیتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے مگر اُس توشہ دان کی برکت میں فرق نہ آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ گزرا، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا طویل زمانہ گزرا، میں فکر معاش سے بے پرواہ اسی توشہ دان سے کھجوریں کھاتا رہا۔ حتیٰ کہ میں اسی توشہ دان سے کھجوریں نکال کے خیرات بھی کیا کرتا۔ کچھ نہیں تو پچاس وسق کھجوریں تو میں نے خیرات کی ہوں گی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی میں اس توشہ دان سے کھاتا رہا

۔تب خارجیوں کا فتنہ اٹھا اور انھوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔اس کے بعد انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا۔اسی افراتفری میں میرا توشہ دان بھی کہیں کھو گیا جس کا مجھے بہت دکھ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک بار نماز کا وقت ہوا تو مسجد میں پانی نہ تھا۔جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ تو اپنے گھروں کو چلے گئے تاکہ وضو کرلیں مگر پھر بھی مسجد میں بہت سے نمازی تھے جنھوں نے وضو کرنا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی برتن لاؤ جس میں تھوڑا پانی ہو۔ایک برتن لایا گیا جس کی تہہ میں کچھ پانی موجود تھا۔نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اُس برتن میں ڈالا تو رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کسی چشمے کی طرح ابلنے لگا۔اسی کے قریب صحابہ تھے جنھوں نے وضو کیا اس کے بعد نماز ادا کی گئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ نہایت عسرت کے ساتھ مدینہ آیا اور فاقہ کشی سے ہمارے پیٹ کمر کے ساتھ جا لگے تھے۔ہم نے اپنے آپ کو صحابہ کے سامنے پیش کیا مگر اُن کے حالات بھی ٹھیک نہ تھے اس لیے کسی نے ہماری کفالت کی ذمہ داری نہ اٹھائی۔تب ہم مسجد کی طرف گئے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ہماری دلجوئی کی اور ہمیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔وہاں تین بکریاں بندھیں ہوئی تھیں جن کے تھنوں سے دودھ ابلتا دکھائی دیتا تھا۔آپ ﷺ نے ہمیں وہاں ٹھہرایا اور حکم دیا کہ اِن بکریوں سے دودھ نکال کے پی لیا کرنا۔ہم بہت دن سے وہاں مقیم تھے۔نبی اکرم ﷺ رات کو نماز کے بعد تشریف لاتے۔ہم دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کے لیے رکھ دیا کرتے تھے۔ایک دن نبی اکرم ﷺ اپنے وقت پہ تشریف نہ لائے تو شیطان نے مجھے دھوکا دیا

اور میرے دل میں اس خیال نے جگہ بنالی کہ رسول اللہ ﷺ انصار مدینہ کی طرف چلے گئے ہوں گے جہاں سے آپ ﷺ نے کچھ کھا پی لیا ہوگا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے حصے کا دودھ بھی پی گیا۔ میں دودھ پی کے فارغ ہوا ہی تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔انھوں نے برتن دیکھا جس میں ہم آپ ﷺ کے لیے دودھ ڈال دیا کرتے تھے تو وہ خالی تھا نبی اکرم ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے میں سمجھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ میرے لیے بددُعا کریں گے مگر رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دُعا فرمائی اور خود نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ میں اپنی حرکت کی وجہ سے بہت شرمندہ تھا۔ میں بکریوں کی طرف گیا تو میں نے دیکھا کہ اُن کے تھنوں میں دودھ موجود تھا حالانکہ میں نے تھوڑی دیر پہلے ہی انھیں دوہا تھا۔ میں خوشی خوشی بکری کے نیچے بیٹھ گیا اور اس سے قبل کہ رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوتے میں نے اُن کے لیے دودھ سے لبالب بھرا پیالہ اُس جگہ رکھ دیا تھا جہاں اس سے قبل آپ ﷺ دودھ پیا کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہوئے اور دودھ پیا اس کے بعد میرے لیے دُعائے خیر کی۔ اور اس طرح کی بہت سی روایات ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی دُعا کے بعد اشیاء کی ماہیت تبدیل ہوگئی تھی۔ سب کو بیان کرنا ممکن نہیں اس لیے اس ضمن میں جتنا بیان مقدر میں تھا بیان ہوگیا۔

✡ ✡ ✡

اُن ہاتھوں کی رفعت کا کیا ہی کہنا کہ وہ جب بھی اٹھے تو بھرے ہوئے آئے کبھی خالق کے در سے خالی نہ آئے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کے لیے بیشمار دعائیں کیں، جو ہمیشہ قبول کی گئیں انھیں دست کرشمہ ساز کا کچھ تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

دست کرشمہ ساز

یقیناً وہ کائنات کے واحد ہاتھ تھے جو اٹھتے تو آسمانوں میں ہلچل بپا ہو جاتی، اِن اٹھے ہوئے ہاتھوں کو کبھی خالی نہ لوٹایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب کوئی دُعا کے لیے کہتا تو آپ ﷺ انکار نہ کرتے بلکہ فوراً ہی دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیتے۔ روایات میں ایسے سینکڑوں مواقع کا تذکرہ موجود ہے جب لوگوں نے اپنے دکھوں، تکلیفوں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے دُعا کی درخواست کی اور آپ ﷺ کی دُعا کے بعد انھیں اُس آزار سے نجات مل گئی جن کی وجہ سے وہ پریشان تھے۔ اس کتاب میں ہم خصائص المزمل ﷺ بیان کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دُعا کا اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہونا اُن کے خصائص میں شامل ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں دُعاؤں کا قبول ہونا ایک بڑی علامت ہے جس سے اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں انبیاء و رسل سے بڑھ کے اللہ کی اطاعت اختیار کرنے والا کون ہو سکتا ہے اس

لیے اللہ تعالیٰ اُن کی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

علم والے جانتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اُن کی معافی قبول کر لی گئی۔ حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عذاب کی درخواست کی تو اسے قبول کیا گیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے نبوت اور برکت کی دُعا کی جسے قبول کیا گیا۔ حضرت یونسؑ نے سمندروں کی تہہ سے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کیا۔ حضرت زکریاؑ نے خانوادہ نبوت کے لیے وارث مانگا تو انھیں وارث عطا کیا گیا۔ اسی طرح آنحضرت محمد ﷺ نے بھی بارگاہ الٰہی میں بہت سی دعائیں مانگیں۔ حاجتوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ تنہائیوں میں اس کی رفاقت چاہی۔ بے کسی میں اس کی نصرت چاہی۔ فقر و فاقہ میں اُس کے خزانہ غیب سے اعانت طلب کی۔ حق کی شہادت کے لیے اس کی استعانت طلب کی۔ شریروں کے شر سے پناہ کے لیے غیبی امداد کو پکارا۔ چنانچہ ہر موقعہ پر حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے قبول و اجابت کا دروازہ کھولا۔ مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب کسی کے حق میں دُعا کرتے تو اُس کے لیے دُعا کرتے، اُس کی اولاد بلکہ اُس کی اولاد کی اولاد کے لیے بھی دُعا کرتے۔ یہاں تک کہ حق کے منکروں کے سردار ابوسفیان تک کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دُعائیں قبول کی جاتی ہیں اس لیے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے قریش پہ قحط مسلط کیا گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دُعا کی درخواست کی۔ آنحضرت محمد ﷺ کا ظرف اس قدر وسیع تھا کہ دشمنوں کے لیے بھی دُعا کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا سے ہی قریش سے قحط کو اٹھایا گیا۔ یہ واقعات چونکہ بہ تفصیل پہلے گذر چکے ہیں اس لیے یہاں موضوع سخن کی تقریب سے اختصار پہ اکتفاء کی جاتی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نبی اکرم ﷺ کو اہل قریش کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے کئی سال بیت گئے تھے عمرو بن ہشام یعنی ابو جہل اور عمر بن خطاب دشمنانانِ اسلام کے سرخیل تھے۔ تب نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ اے اللہ! میرے دشمنوں کو توڑ دے۔ عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ معزز ہو اس کو اسلام کی عزت سے سرفراز کر۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کو چن لیا۔ حضرت عمر نے اپنی بہن سے کلام پاک سنا اور اُن کے دل میں انقلاب بپا ہو گیا اور یہ اسی دستِ کرشمہ ساز کا کرشمہ تھا کہ وہ عمر جو گھر سے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا ارادہ کر کے نکلتا ہے رسول اللہ ﷺ کی غلامی قبول کر کے گھر واپس آتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

منظر ہجرت کا ہے۔ سراقہ بن مالک رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ پریشان ہو اٹھتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہیں۔ یا رسول اللہ ﷺ دشمن سر پہ آ پہنچا ہے۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں ابو بکر غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے سراقہ بن مالک کا گھوڑا ریت میں دھنس گیا۔ سراقہ جان گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پہ غلبہ نہیں پا سکتا تو اُس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں جان گیا ہوں میں آپ پہ غلبہ نہیں پا سکتا میرے لیے دُعا کریں میں آپ کی طرف آتے سارے عربوں کا منہ موڑ دوں گا ۔رسول اللہ ﷺ نے اُس کے لیے دُعا کی اور سراقہ بن مالک کا گھوڑا آزاد ہو گیا۔ سراقہ بن مالک نے اپنا وعدہ پورا کیا اور رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں آنے والے دیگر عربوں کو گمراہ کیا۔ سراقہ بن مالکؓ نے آٹھ ہجری کو اسلام قبول کیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ہجرت کا عمل مکمل ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے دین اسلام کی حفاظت کی خاطر اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ دیا تھا۔ مدینہ اگرچہ مکہ کے مقابل موسم کے حوالے سے

ایک اچھا شہر تھا تاہم اس کے باوجود اچانک آب وہوا بدل جانے سے بہت سے صحابہ بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔لوگ اپنے وطن کی یاد میں آنسو بہاتے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے اپنے وطن کے فراق میں کہے گئے اشعار ہم نے سیرت المزمل میں کہیں درج کیے ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کی یہ حالت دیکھی تو بارگاہ الٰہی سے دُعا کی۔اے اللہ شہر مدینہ کو بھی ہمارے لیے ایسا ہی محبوب کر دے جیسا کہ ہمیں مکہ محبوب ہے۔بلکہ اس سے بھی زیادہ۔اے اللہ اس شہر کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس شہر کو ہمارے لیے صحت بخش بنادے اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے۔نبی اکرم ﷺ کی یہ دُعا حرف بہ حرف پوری پوری ہوئی۔صحابہ کو یہ شہر محبوب ہو گیا۔مہاجرین اس شہر کی مدافعت میں کمر بستہ ہو گئے۔ آنحضرت محمد ﷺ کو بتادیا گیا کہ مدینہ کا بخار جحفہ منتقل کر دیا گیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آنحضرت محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بے شمار دعائیں کی۔اللہ تعالیٰ انھیں قبول فرماتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دُعا فرمائی۔ہم یہاں صرف ایک واقعہ بیان کرنے پہ ہی اکتفاء کریں گے۔امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑ گیا۔اطراف مدینہ ہر طرف دھول اڑتی تھی۔ہر طرف قحط کا سماں تھا۔نبی اکرم ﷺ صحابہ کو جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے۔آپ ﷺ خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کی۔یا رسول اللہ ﷺ مویشی ہلاک ہو گئے۔لوگ بھوکوں مر گئے، دُعا کیجئے اللہ ہم کو سیراب کرے۔چنانچہ اُس شخص کی فریاد سنتے ہی آنحضرت محمد ﷺ نے دستِ دُعا بلند کیا۔ صحابہ بیان کرتے ہیں ابھی رسول اللہ ﷺ نے دُعا کے لیے اٹھے ہاتھ نیچے نہ گرائے تھے کہ آسمان کا رنگ تبدیل ہونا شروع ہو گیا۔پہلے تیز ہوائیں چلیں اس کے بعد ہم لوگ نماز پڑھ کے ابھی فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ مینہ برسنا شروع ہو گیا اور اس قدر برسا کہ ہر طرف جل تھل ہو گیا۔کامل ایک ہفتہ یہ بادل برستے رہے۔اگلے جمعہ کا منظر ہے رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے

کے لیے کھڑے ہوئے تو وہی شخص یا کوئی اور شخص اٹھا اور فریاد کی ۔ یا رسول اللہ ﷺ مویشی ڈوب گئے ، چھتیں گر گئیں اللہ سے دُعا کریں یہ بادل تھم جائے ۔ نبی اکرم ﷺ اُس شخص کی فریاد سن کر مسکرا دیئے ۔ اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے ۔ اے اللہ! اس بادل کو مدینہ سے اٹھا لے ۔ صحابہ فرماتے ہیں جب ہم نماز پڑھ کے نکلے تو مدینہ کا آسمان صاف ہو چکا تھا اور شہر کسی چمکتے تاج کی طرح لگتا تھا ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے برکت کی دُعا کی جس کی وجہ سے میں نے زندگی میں کبھی کوئی تنگی محسوس نہیں کی ۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے ہجرت کر کے مکہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ اپنے نوخیز بیٹے انس کے ساتھ حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا لڑکا ہے میں اسے آپ ﷺ کی خدمت کے لیے آپ ﷺ کے پاس چھوڑتی ہوں ۔ اس کے علاوہ انھوں نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میرے اس بیٹے کے لیے برکت کی دُعا فرمائیں ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب نبی اکرم ﷺ کی خدمت کے لیے کمر بستہ ہو ئے تو اُن کی عمر دس گیارہ سال تھی وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے مستعد رہے ۔ تاہم ابھی وہ جوان ہی تھے جب رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی دُعا کے باعث ہی ہے کہ میرے پاس بے پناہ مال و دولت ہے ۔ میرے بیٹوں پوتوں اور نواسوں کی تعداد سو سے زیادہ ہے ۔ صحابہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتا اسی باغ میں پھولوں کا ایک پودا بھی تھا جس کی خوشبو دور دور تک جاتی تھی ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس واقعے کو حضرت ابو امامہ باہلی نے روایت کیا ہے ۔ انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ ہم مسجد نبوی

میں رسول اللہ ﷺ کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھے تھے کہ اچانک ایک نوجوان اٹھا اور رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول مجھے زنا کرنے کی اجازت دی جائے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ اُس نوجوان کے مطالبے پہ ہم حیران رہ گئے اور اُسے لعنت ملامت کرنے لگے ۔بعض لوگ تو اُسے مارنے کے لیے بھی اٹھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ہم سب کو اس سے روک دیا اور کہا اس کو چھوڑ دو۔ پھر آپ ﷺ نے اُس لڑکے کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا۔ تم نے مجھ سے جس امر کی اجازت طلب کی ہے کیا اس فعل کو تم اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو۔ اُس نوجوان نے کہا کبھی نہیں یا رسول اللہ ﷺ ۔ اپنی بہن کے لیے، نبی اکرم ﷺ نے دریافت کیا اُس نوجوان نے انکار کیا اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ایک ایک کر کے اُس سے محرمات کے تمام رشتے گنوائے وہ نوجوان انکار کرتا رہا۔ تب نبی اکرم ﷺ نے اُسے فرمایا جس طرح تم اس فعل کو اپنی ماں بیٹی یا بہن کے لیے پسند نہیں کرتے اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماں بیٹی بہن کے لیے اس فعل کو پسند نہیں کرتے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے اُس نوجوان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ حضرت ابو امامہ کہتے ہیں اُس کے بعد ہم نے اُس نوجوان میں کبھی کوئی گمراہی محسوس نہ کی اب اُس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ پلٹ کے بھی کسی کو دیکھتا تک نہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابہ میں کیا جاتا ہے ۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اُن لوگوں میں شامل تھے جن کو سابقین الاولین کہا جاتا ہے انھوں نے دعوت کے پہلے مرحلے میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے لیے دُعا کی اے اللہ سعد کی دعائیں قبول فرما لیا کر۔ نبی اکرم ﷺ کی اس دعا کا اثر تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات کے طور پہ مشہور تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ لوگوں کو بد دُعا نہ دیا کرتے اس لیے کہ وہ جانتے تھے اگر انھوں نے کسی کے لیے بد

دعا کی تو وہ برباد ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد وہ کوفہ کے امیر تھے۔ کچھ لوگوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اُن کی شکایت کی کہ وہ اپنے فرائض درست طور پہ ادا نہیں کرتے حالانکہ یہ محض ایک بہتان تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحقیق کے لیے ایک آدمی کو کوفہ بھیجا جو گھر گھر جا کے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کرتا رہا۔ مگر لوگوں کی اکثریت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے متفق تھے اور جو لوگ اُن کے خلاف باتیں کرتے تھے انھیں جھوٹا قرار دیا۔ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے آدمی سے کہا جانے دو سعد تو ہمیں ٹھیک سے نماز بھی نہیں پڑھاتے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو انا للہ پڑھا اور کہا اے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اِس کو آزمائش میں ڈال دے۔ لوگ کہتے ہیں ہم نے دیکھا کہ حضرت سعد کی اس بددُعا کے بعد وہ شخص گمراہ ہو گیا۔ اس کا یہ حال ہو گیا کہ بڑھاپے سے اُس کی پلکیں اُس کی آنکھوں پہ پڑتی تھیں اس کے باوجود وہ شخص لڑکیوں کو چھیڑنے سے باز نہ آتا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک روز رسول اللہ ﷺ حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کھانا پیش کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے کھانا کھایا اور انھیں کے ہاں استراحت فرما ہوئے کہ آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ مسکراتے ہوئے اٹھے۔ حضرت اُم حرام نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا۔ آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا میرے سامنے میری امت کے ایک گروہ کو پیش کیا گیا جو جہاد کے لیے پانی میں اترا وہ ایسے لگ رہے تھے جیسے کوئی بادشاہ تخت پہ سوار ہو کے چلے۔ حضرت اُم حرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے دُعا فرمائیں کہ اللہ مجھے بھی اس گروہ میں شامل کر دے۔ آنخضرت محمد ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور عرض کی اے رب العزت اُم حرام کو اُن میں شامل کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کی دُعا قبول کی گئی۔ حضرت اُم حرام حضرت امیر معاویہ کے عہد تک زندہ تھیں اور وہ صحابہ کے ایک گروہ کے ساتھ

نکلیں جو جہاد کے لیے سمندر پار جا رہا تھا۔اس طرح وہ اُس گروہ میں شامل ہوگئیں جو بحر میں جہاد کے لیے اترا تھا۔اسی مہم کے اخیر میں جب وہ گروہ خشکی پہ اترا تو سواری سے گرنے کی وجہ سے حضرت اُم حرام نے انتقال فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لب مبارک سے نکلا کوئی لفظ بارگاہِ الٰہی سے کبھی لوٹایا نہ گیا، آپ نے جو بھی دُعا کی اُسے شرفِ قبولیت بخشا گیا، علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے زمانوں کے بارے میں بہت سی باتیں صحابہ کو بتائیں بہت سے فتنوں سے آگاہ کیا اخبار و بشارات کے ضمن میں انھی امور کا کچھ تذکرہ ہے۔

اخبار و بشارات

اول اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ خصائص المزمل کے اس بیانِ تسلسل سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم نے خصائص المزمل ﷺ بیان کر دیئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس بات سے خود کو عاجز اور درماندہ پاتے ہیں کہ اس موضوع کا حق ادا کر سکیں۔ یہ موضوع قلم پہ بھاری اور لفظوں پہ گراں ہے، بلکہ شاید یہ موضوع انسانی حدِ استطاعت سے ہی وراء ہے۔ اس لیے میرے قلم سے نکلے یہ لفظ تو محض اس سعادت کا پرتو ہیں جس کی خواہش اگرچہ موجود ہے مگر استطاعت مفقود۔ یہاں ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کو جن علوم سے مزین کرتے ہیں اُن میں یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو مستقبل کی باتیں بتائیں۔ چنانچہ انبیاء و رسل ہمیشہ سے غیب کی خبریں لوگوں تک منتقل کرتے آئے ہیں۔ قوم بنی اسرائیل اپنے انبیاء کو ''پیش گو'' کہا کرتے۔ اُن کے خیال میں تو نبی آتا ہی اس لیے ہے کہ وہ لوگوں کو آنے والے واقعات سے مطلع کرے۔ چنانچہ عربی، عبرانی اور دوسری سامی زبانوں میں نبی یا نابی کے جو الفاظ مستعمل ہیں اُن کے

معنی ہی پیش گو کے ہیں ۔ بنی اسرائیل اپنے انبیاء ورسل کے درجے کو کم کردیتے تھے۔ اُن کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہان نادیدہ کا مخبر ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ قوم عرب میں مبعوث ہوئے جہاں کاہنوں کی حکومت تھی۔لوگ دور دور سے کاہنوں کے پاس غیب کی خبریں جاننے کے لیے آیا کرتے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد خطہ عرب سے کہانت رخصت ہوگئی اور نبوت غالب آ گئی اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو اس قدر بشارات اور اخبارات سے نوازا کہ انھیں کہانت سے بے نیاز کردیا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کی انھی پیش گوئیوں کا کچھ تذکرہ یہاں مقصود ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مخبر صادق۔

نبی مخبر صادق آنحضرت محمد ﷺ نے روم وایران کی مہیب مملکتوں کے خاتمے کی اطلاع اُس وقت دی جب کوئی اس بات کا تصور بھی نہ کرسکتا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ مسلمان چاروں طرف سے دشمن سے گھرے ہوئے تھے، کمزور تھے اور قریب تھا کہ عرب اُن پہ غلبہ پالیتے۔ تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اُس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔ جب قیصر ہلاک ہوگا تو اُس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور نبی اکرم ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرماتے ہی اسلامی فوجوں نے روم وایران پہ یلغار کردی اور چند ہی سالوں میں یہ طاقتور ریاستیں خواب وخیال ہوگئیں۔ اُن کی آبادیوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کے باشاہوں اور فوجوں کو ہلاک کردیا گیا۔ روم وایران کی تباہی سے دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے دروازے کھل گئے اور مسلمان فاتحین ثمرقند سے لے کر بخارا تک اور سسلی سے لے کر مکران تک اسلام کا ابدی پیغام پہنچانے میں کامیاب رہے۔ جس سے دنیا میں روشنی

کے چراغ جل اٹھے اور جہالت کے اندھیرے بدستور دور ہوتے رہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ دو بدوی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن کے چہروں پہ جمی سفر کی دھول اس بات کا پتا دیتی تھی کہ وہ دور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہیں۔ اُن میں سے ایک شخص نے بھوک کی شکایت کی۔ دوسرے شخص نے بتایا کہ انھیں راہزنوں نے لوٹ لیا ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اِن لوگوں کی بات سنی اور اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

عدی کیا تم نے ملک حیرہ دیکھا ہے؟

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ دیکھا تو نہیں البتہ اُس کے بارے میں سنا ضرور ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عدی دیکھو! اگر تم زندہ رہے تو تم دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چلے گی اور مکہ آ کر بیت اللہ کا طواف کرے گی اور اُسے سوائے اللہ کے راستے میں کسی بات کا ڈر نہ ہوگا۔

عدی دیکھو! اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا جائے گا اور مسلمان اُس کے سفید محل میں داخل ہو جائیں گے۔

عدی دیکھو! اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا لے کر نکلے گا کہ اسے خیرات کرے مگر دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی اُس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے اس پیش گوئی کو سن کے حیران رہ گیا اور سوچنے لگا قبیلہ طے کے ڈاکو کہاں جائیں گے جنھوں نے عرب بھر میں

لوٹ مچا رکھی ہے۔ تاہم میں نے زبان سے کچھ نہ کہا اور خاموش ہو رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ پردہ فرما گئے اور مسلمان مستحکم ہو گئے تب میں نے اپنی آنکھوں سے اُس ہودہ نشین عورت کو دیکھا جو حیرہ سے چلی اور مکہ آ کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ اور کسریٰ کے سفید محل کو فتح کرنے والوں میں تو خود میں بھی شامل تھا۔ اگر زندگی رہی تو رسول اللہ ﷺ کی تیسری پیشگوئی کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں گا۔ حضرت عدی وفات پا گئے مگر جو لوگ زندہ رہے انھوں نے بیان کیا کہ عہد بنو امیہ میں وہ وقت بھی آیا جب خیرات تو بہت تھی مگر لینے والا کوئی نہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مدینہ میں ہمارے ابتدائی سال نہایت غربت اور تنگ دستی میں بسر ہوئے۔ ہمارے پاس کھجوروں اور بکریوں کے دودھ کے سوا اور کچھ نہ ہوتا جسے ہم کھائیں۔ نہ ہمارے پاس ضرورت کی دیگر اشیا ہوتیں۔ انھی دونوں ایک بار رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے تو میں پریشان ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کہاں بٹھاؤں کہ میرے پاس کچھ بھی نہ تھا جس پہ بیٹھنے کی رسول اللہ ﷺ کو دعوت دیتا۔ رسول اللہ ﷺ میری پریشانی بھانپ گئے اور فرمایا۔ جابر فکر مت کرو وہ وقت قریب آ لگا ہے جب تمھارے پاس بیٹھنے کے لیے شاہی قالین ہوں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ایران فتح ہوا اور ہم لوگ آسودہ ہو گئے۔ نہ ہمارے پاس کھانے کی چیزوں کی کمی تھی نہ قالینوں کی۔ اب جب کہ میں ایک قالین پہ بیٹھتا ہوں تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ بات یاد آ جاتی ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں یہ قالین اٹھا لو یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مگر میری بیوی مجھے جواب دیتی ہے میں تو اسے کبھی نہ اٹھاؤں یہ تو رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امیہ بن ابی خلف مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے نامی دشمنوں میں شامل تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور

مسلمانوں کو اذیت پہنچایا کرتا۔ مسلمان مدینہ کو ہجرت کر گئے اور قریش کے شریر ہاتھ ملتے رہ گئے۔ قریش کے دلوں میں اس بات کا رنج تھا کہ اہل مدینہ نے مسلمانوں کو پناہ کیوں دی ہے۔ چنانچہ اہل مدینہ کے ایک رئیس حضرت سعد عمرہ کرنے کے لیے مکہ آئے تو ابو جہل نے انھیں طواف کرنے سے روک دیا۔ حضرت سعد امیہ بن ابی خلف کے مہمان تھے۔ امیہ نے ابو جہل کو منع کیا کہ وہ اس امر سے باز رہے۔ مگر ابو جہل نے امیہ سے بھی تلخ کلامی کی اور کہا اِن لوگوں نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے ہم اِن کو بیت اللہ کا طواف نہ کرنے دیں گے اور یہ بھی کہا کہ اگر سعد تمھارا مہمان نہ ہوتا تو ہم اسے قتل کر دیتے۔ حضرت سعد نے بھی اُس کو ترکی بہ ترکی جواب دیا اور کہا اگر تم نے مجھے طواف نہ کرنے دیا تو تمھارا کوئی بھی تجارتی قافلہ شام کی طرف نہ جا سکے گا۔ امیہ نے بھی ابو جہل کو سمجھایا کہ یہ اہل مدینہ کے سردار ہیں اِن کے ساتھ نرمی سے بات کرو۔

حضرت سعد نے امیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا!

امیہ رہنے دو میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے سنا ہے تم بھی عنقریب مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہونے والے ہو۔ امیہ اگرچہ دوسرے قریشی سرداروں کی طرح رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا مگر اس کے باوجود جانتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات پوری ہوتی ہے۔ اس لیے سعد کی بات سنتے ہی وہ خوفزدہ ہو گیا اور وہاں سے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ وہ کبھی مسلمانوں کے خلاف نہ نکلے گا۔ ابھی اس واقعہ کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ غزوہ بدر کے حالات پیدا ہو گئے۔ امیہ چھپ گیا کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل نہیں ہونا چاہتا تھا۔ مگر ابو جہل نے اسے ڈھونڈ نکالا اور کہا اگر تم جیسے سردار گھر میں بیٹھ رہیں گے تو اہل مکہ کا حوصلہ پست ہو جائے گا۔ امیہ نے ابو جہل کو رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی سے آگاہ کیا اور کہا تم جانتے ہو اُن کی زبان سے نکلنے والی ہر بات پوری ہو جاتی ہے اس لیے میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ابو جہل نے اصرار جاری رکھا اور کہا تم ہمارے ساتھ چلو راستے میں کہیں سے واپس آ جانا۔ امیہ مان گیا مگر ابو جہل نے اُسے واپس نہ آنے دیا اور روز بدر وہ مسلمانوں

کے ہاتھوں قتل کیا گیا۔اور ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلی ہر بات پوری ہوتی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یمن وشام وعراق کی فتح سے کئی سال پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اِن ملکوں کے فتح ہونے کی اطلاع دے دی تھی۔آنحضرت محمد ﷺ نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اِن ملکوں کے لوگ دنیا بھر میں پھیل جائیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا: یمن فتح ہوجائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کے ساتھ آئیں گے اور مدینہ ہی اِن کی اقامت کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ جانتے۔پھر رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی یمن فتح ہوا اور آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق وہاں سے بہت لوگ مدینہ کی طرف آئے۔رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد یمن میں بغاوت ہوگئی۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی فوجوں نے اس بغاوت کو کچل دیا اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر مشرق میں خراسان، ترکستان اور مغرب میں افریقہ اور اسپین تک پھیل گئے۔پھر اِن تمام ملکوں میں حجازی اور یمنی قبائل کے مابین منافرت سے اسلامی تاریخ کے صفحات داغدار ہوتے رہے۔پھر شام فتح ہوا اور وہاں عربوں کی آبادی مقامی لوگوں سے بھی بڑھ گئی وہ عربوں کا مسکن بن گیا اور آج تک یہ علاقے عربوں ہی کا مسکن ہیں۔اسی طرح عراق بھی فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی زبان سے مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک حرف آپ ﷺ کے مخبر صادق ہونے کی تصدیق کرتا رہا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سراقہ بن مالک کا تعلق بنو جشم سے تھا جب قریش نے نبی اکرم ﷺ کی اطلاع دینے والے کے لیے سو سرخ اونٹوں کا علان کیا تو اُسے اُن سواروں کا خیال آیا جنھیں اُس نے آج صبح ہی دیکھا تھا۔وہ جس مجلس میں بیٹھا تھا وہاں سے اٹھا اور اپنے گھوڑے پہ بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے

تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ جلد ہی اُس نے اپنا مقصود پا لیا۔ تاہم وہ رسول اللہ ﷺ پہ غلبہ پانے میں ناکام رہا جیسا کہ اس سے پہلے اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اُس نے اپنی شکست تسلیم کی اور رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے امان عطا فرمائی۔ سراقہ نے مطالبہ کیا اسے لکھ کر دیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کے حکم پر اُن کے غلام نے اُن کو امان نامہ لکھ دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے سراقہ بن مالک سے فرمایا: سراقہ غور کرو جب تمھارے ہاتھوں پہ کسریٰ شاہ فارس کے کنگن ہوں گے۔ اور سراقہ بن مالک حیران رہ گیا۔ پھر بہت سا وقت بیت گیا سراقہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرما دی۔ رسول اللہ ﷺ نے پردہ فرمایا۔ ایک بار سراقہ بن مالک بیمار ہو گئے وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اُن کے بیٹے اور پوتے رونے لگے۔ سراقہ بن مالک نے کہا تم سمجھتے ہو میں مرنے لگا ہوں۔ اُن کے بیٹوں نے جواب دیا ہمیں تو ایسا ہی لگتا ہے۔

سراقہ نے اپنے بیٹوں سے کہا:

بھول جاؤ میں ابھی مرنے والا نہیں ہوں۔

اُس کے بیٹوں نے حیرت سے اس یقین کی وجہ دریافت کی؟

سراقہ نے کہا:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی ابھی تو میں کسریٰ شاہ فارس کے کنگن پہنوں گا اس کے بعد ہی مروں گا۔

پھر سراقہ نے اپنے بیٹوں سے کہا:

جاؤ اور فلاں کنویں سے چار مشکیں ٹھنڈے پانی کی لے کر آؤ اور مجھ پہ ڈالو میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اُن کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا اور سراقہ کا بخار جاتا رہا۔

اس کے بعد جلد ہی ایران فتح ہو گیا۔

حضرت عمر نے شاہ فارس کے کنگن دیکھے تو رونے لگے اور لوگوں سے کہا:

سراقہ بن مالک کو ڈھونڈو۔

لوگ سراقہ بن مالک کو لے آئے اور حضرت عمر نے انھیں کسریٰ شاہ فارس کے کنگن پہنائے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ہم پاکستان کے رہنے والے ہیں۔ابھی کل کی بات ہے پاکستان کا کوئی وجود نہ تھا بلکہ اس سارے علاقے کو ہندوستان کہا جاتا تھا۔مسلمان صدیوں سے اس خطے پہ حکمران رہے ہیں۔ سات مسلمان خاندانوں نے آٹھ سو سال تک ہندوستان پہ حکومت کی ہے۔پہلی صدی ہجری میں ہی اسلام مکران کے ساحلوں تک پہنچ چکا تھا۔دوسری صدی میں محمد بن قاسم نے اسلام کو ملتان تک متعارف کرا دیا تھا۔اس کے بعد ہندوستان شمال سے آنے والے مسلمان فاتحین کے حملوں کی زد میں رہا اسلام نے خطے میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی تھیں۔سنن نسائی کی اس روایت نے میرے سینے کو احساس فخر سے بھر دیا اور میری آنکھیں بوجھل ہو گئیں کہ وہ جنھیں ہم دن رات رحمت للعالمین کہہ کے پکارتے ہیں انھوں نے دور ہونے کے باوجود ہمیں قطعاً نظر انداز نہیں کیا بلکہ اپنے صحابہ کو ہندوستان پہ حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔آپ ﷺ نے ہندوستان کے لوگوں کے لیے نہ صرف اسلام کی بشارت دی بلکہ اسلام کے غلبے کی پیش گوئی بھی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔میری امت کے دو گرو ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے آتش دوزخ کو روک لیا ہے ایک وہ جو قسطنطنیہ فتح کرے گا اور دوسرا وہ جو ہندوستان کی مہم میں شامل ہو گا۔امام نسائی نے اپنی سنن میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ کے حوالے سے درج کی ہے۔

”حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا اور اگر میں غزوہ ہندوستان میں شہید ہوا تو بہترین شہید قرار پاؤں گا اور اگر زندہ لوٹا تو ابو ہریرہ آگ سے آزاد ہو جائے گا“۔[*21]

✡✡✡✡✡✡✡✡

آنحضرت محمد ﷺ مختلف مواقع پہ مسلمانوں کو آنے والے وقت کے فتنوں سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد امت کو جو فتنے پیش آئے نبی اکرم ﷺ اُن میں سے ہر ایک سے آگاہ تھے اور لوگوں کو اِن سے دور رہنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک موقع پہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میں دیکھ رہا ہوں تمھارے گھروں پہ فتنے کسی بارش کی طرح برس رہے ہیں''۔

کسی اور موقع پہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! مجھ کو تم پہ فقر و فاقہ کا کوئی خوف نہیں۔بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی تم پہ بھی نہ پھیلا دی جائے کہ اس کے بعد تم ایک دوسرے سے حسد کرنے لگو۔جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس طرح تم سے پہلوں کو غافل کر دیا گیا تم کو بھی غافل کر دیا جائے گا''۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

''دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا''۔

پھر فرمایا:

''ایک زمانہ آئے گا کہ تمھارے سامنے دن کو کھانے کا ایک پیالہ پیش کیا جائے تو رات کو کھانے کا دوسرا پیالہ آئے گا اور تم کعبہ کے پردوں کی طرح کے بیش قیمت پوشاکیں پہنو گے''۔

حاضرین میں سے کسی نے سوال کیا؟

یارسول ﷺ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں کہ اُس حالت میں اچھے ہوں گے۔

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا! اِس حالت میں''

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہو گا''۔

کسی نے سوال کیا؟

یارسول اللہ ﷺ! ایسے میں ہمارے لیے کیا حکم ہے“۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”تب چلنے والے سے کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والے سے بیٹھ رہنے والا بہتر ہو گا“۔

شمائل وخصائل

قلم کو اُس بارِ تخیل کا تحمل نہیں جس کا بیان یہاں مقصود ہے اور تخیل کی استطاعت نہیں کہ وہ جمال مصطفیٰ کی تاب لا سکے۔ چنانچہ یہ محض ایک کوشش ہے اُس سراپا جمال کو بیان کرنے کی جس کی تعریف میں فرشتے رطب اللسان ہیں۔ رسول رحمت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے انسان پیدا کیا۔ انسانوں کے مابین مبعوث کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں ہیں پہلے آپ ﷺ محمد بن عبداللہ ہیں پھر آپ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رسالت اور نبوت کی ماہیت پہ تفصیلی مباحث لکھے جا چکے ہیں۔ اب ہم آپ ﷺ کی بشری خصوصیات سے بحث کریں گے۔ ہر دو حیثیتوں میں رسول اللہ ﷺ درجہ کمال کو پہنچے اور آپ ﷺ عظمت و رفعت میں، شجاعت و سخاوت میں، رحم و کرم میں، جود و سخا میں، محبت و رافت میں حسن و جمال میں، خصائل و شمائل میں، محامد و محاسن میں، افضلیت و اکملیت میں، معیار اخلاق و افکار میں، عجز و انکسار میں، صبر و شکر میں، زہد و قناعت میں، عصمت و عفت میں، حسن تکلم میں، عفو و درگزر میں، حلم و تحمل میں، توکل علی اللہ میں صلہ رحمی میں، ایفائے عہد میں، عیادت و تعزیت میں رقت و

خشیت میں، نفاست و نظافت میں، ایثار و وفا میں، اللہ سے محبت میں، اللہ سے توکل میں، اللہ سے تعلق میں اُن درجوں تک پہنچے جن کا عام انسان کو کوئی ادراک نہیں۔ہم یہاں خصائص المزمل کے انھی پہلوؤں سے بحث کریں گے۔

✡ ✡ ✡

جمال مصطفیٰ ﷺ

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی ظاہری شباہت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سب میں حسین تھے۔ آپ ﷺ چمکتے چاند کی طرح تھے۔ آپ ﷺ کے چہرے کی طرف نظر بھر کے دیکھنا دشوار تھا۔ چنانچہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کا جو حلیہ بیان کیا ہے اس کے مطابق آپ ﷺ میانہ قد اور موزوں اندام تھے۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے۔ بینی مبارک درازی مائل تھی۔ چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا۔ دندان مبارک بہت پیوستہ نہ تھے یعنی ایک دوسرے سے نسبتاً فاصلے پہ تھے۔ گردن اونچی سر بڑا اور فراغ تھا۔ سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ قدرے کنڈلے تھے۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سرمگیں اور پلکیں بڑی بڑی تھیں۔ شانے پر گوشت اور کندھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں۔ سینہ مبارک پہ ناف تک بالوں کی ایک ہلکی سی لکیر تھی عام لوگوں کی طرح جسم پہ بہت زیادہ بال نہ تھے البتہ شانوں اور کلائیوں پہ بال موجود تھے ہتھیلیاں پر گوشت اور چوڑی تھیں، کلائیاں لمبی اور پاؤں کی ایڑیاں نازک اور ہلکی تھیں۔ پاؤں کے تلوے بیچ سے خالی تھے جن سے پانی نکل جاتا تھا۔ صحابہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے چہرے پہ نبوت کا رعب اور دبدبہ تھا اور ایک روشنی تھی جو لوگوں کو تحیر میں مبتلا کرتی تھی۔ بہت دفعہ اس طرح ہوا کہ کافروں میں سے لوگ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے اور آپ ﷺ کو

دیکھتے ہی کہہ اٹھے خدا کی قسم یہ کسی جھوٹے کا چہرہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو پہلے یہودی تھے اور اپنے دین کے عالم تھے محض رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے ہی ایمان لے آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے متعلق حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ پورے چاند کی رات تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار سرخ لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اُس وقت مجھے اس قدر حسین لگ رہے تھے کہ کبھی میں چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو اور میں فیصلہ نہ کر سکا کہ چاند زیادہ خوبصورت ہے یا آنحضرت محمد ﷺ زیادہ خوبصورت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کو پردہ فرمائے کئی سال گزر چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے ابو عبیدہ بن محمد نے مدینے کی ایک بزرگ خاتون حضرت ربیع بنت معوذ سے پوچھا رسول اللہ ﷺ کیسے دکھائی دیتے تھے۔

انھوں نے جواب دیا:

یَا بُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَہٗ رَائیتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً

اے بیٹے! اگر تم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو یوں سمجھتے گویا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا؟

کیا رسول اللہ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکدار تھا۔

انھوں نے جواب دیا؛ نہیں بلکہ وہ تو چاند کی طرح چمکتا تھا۔

براء بن عازبؓ ہی سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ اُن سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھے جن کو میں نے آج تک دیکھا ہے۔

میں نے کئی بار آپ ﷺ کو سرخ دھاری دار یمنی چادر اوڑھے دیکھا ہے بخدا وہ آپ ﷺ پہ اس قدر سجتی تھی کسی اور پہ کبھی نہ سجتی۔

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہ ﷺ کے حلیہ کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا؛

رسول اللہ ﷺ نہایت خوبصورت تھے، نہایت بارعب تھے، آپ ﷺ کا چہرہ اس طرح چمکتا جیسے چودھویں رات کا چاند ہو، آپ ﷺ کا قد پست آدمی سے زیادہ اور دراز قد سے تھوڑا چھوٹا تھا، سر مبارک بڑا اور بال کسی قدر گھنگھریالے تھے اگر درمیان سے مانگ نکالی جاتی تو سیدھے ہو جاتے، بال لمبے تھے اور کانوں کی لووں تک آتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی پیشانی کشادہ تھی اور ابرو بھرے ہوئے تھے مگر وہ باہم ملے ہوئے نہ تھے، رسول اللہ ﷺ کی دونوں بھوؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت نمایاں ہو جاتی تھی۔ ناک مبارک سیدھی اور موزوں تھی جس سے نور کی شعاع نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی، ریش مبارک گھنی اور رخسار ہموار تھے، دہن مبارک کشادہ اور ہونٹ ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے، دندان مبارک چمکدار تھے مگر اُن کے مابین تھوڑا تھوڑا خلا تھا جو خوبصورت لگتا تھا، گردن مبارک لمبی اور چاندی کی طرح سفید تھی، تمام اعضا متناسب تھے اور ان کا اعتدال آشکارا تھا، شکم اور سینہ مبارک ہموار تھے، سینہ مبارک فراغ تھا، دونوں کندھوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور ہڈیوں کے جوڑ مضبوط تھے، سینے سے بالوں کی ایک لکیر ناف تک چلی آئی تھی، اس کے علاوہ سینہ اور شکم بالوں سے صاف تھے، بازوؤں اور کندھوں اور سینہ کے اوپر والے حصے میں البتہ تھوڑے تھوڑے بال ضرور موجود تھے، آپ ﷺ کے بازو لمبے اور ہتھیلیاں چوڑی تھیں، ہاتھ اور پاؤں نرم تھے، آپ ﷺ آہستہ چلتے تو یوں محسوس ہوتا بلندی سے اتر رہے ہیں۔ اگرچہ عام طور پہ آپ ﷺ پاؤں پہ دباؤ ڈال کے تیز چلا کرتے تھے۔ جب مڑتے تو پوری طرح مڑتے آپ ﷺ کی نگاہیں عموماً جھکی ہوئی ہوتیں۔ آپ ﷺ آسمان کی نسبت زمین کی طرف زیادہ دیکھتے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو راستے میں قدید کے مقام پر ایک بدوی خاتون اُم معبد عاتکہ بنت خالد کے خیمے پہ اترے۔ بنو خزاعہ کی اس باوقار خاتون نے رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ ﷺ کا جو حلیہ بیان کیا وہ اہل عرب کی فصاحت و بلاغت کا

عمدہ نمونہ ہے۔ چنانچہ اُم معبد کے شوہر جب بکریاں چرا کے واپس آئے تو انھوں نے محسوس کیا کہ کوئی مہمان اترا تھا۔ انھوں نے اپنی بیوی سے سوال کیا؟ کیا کوئی مہمان اترا تھا۔

اُم معبد نے اعتراف کیا ہاں کچھ مہمان آئے تو تھے۔

ابو معبد خزاعی نے کہا؛

شاید یہ وہی لوگ ہوں قریش جن کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں ذرا اُن مہمانوں کا حلیہ تو بیان کر!

اُم معبد یوں گویا ہوئیں؛

میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حسن و جمال نمایاں تھا، نہایت متناسب الاعضاء، اُن کا چہرہ ملیح تھا، بدن نہ بھاری تھا نہ نحیف، خوبرو اور خوش اندام، آنکھیں سیاہ وفراغ، سیاہ چشم سرگیں ابرو نہ ایک دوسرے سے الگ تھے نہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے بلکہ درمیان میں ہلکے بال تھے اور ابروؤں کے کنارے باریک تھے، بال نہایت سیاہ تھے، گردن میں درازی تھی، داڑھی گھنی تھی، خاموش ہوتا تو بہت باوقار دکھائی دیتا، بولتا تو یوں محسوس ہوتا اس کی آواز گردوپیش پہ چھا گئی ہے، گفتگو موتیوں کی لڑی جیسے پروئی ہوئی، مسلسل مربوط اور بہت میٹھی، واضح اور الفاظ کی کمی بیشی سے مبرا، دور سے دیکھنے میں نہایت سنجیدہ اور دلکش، قریب سے نہایت شریں اور حسین، میانہ قد نہ اتنا دراز کہ آنکھیں وحشت زدہ ہو جائیں نہ اتنا پست کہ آنکھوں کو حقیر معلوم ہوں، زبیندہ نہال کی تازہ وشاداب شاخ ساتھیوں میں سب سے زیادہ زبیدہ منظر اور والا قدر، ساتھی ایسے جو اس کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے، وہ اس کی بات بڑی توجہ سے سنتے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے، وہ مخدوم ومطاع تھا، ترش رو تھا نہ درشت کلام ادھوری بات کرنے والا نہ تھا اور نہ ضرورت سے زیادہ بولنے والا۔ [*22]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کسی سے رسول اللہ ﷺ کی شباہت کے بارے میں پوچھا تو

انھوں نے فرمایا کہ؛

رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دانتوں میں ہلکی سی درز تھی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو لگتا کہ اِن درزوں سے روشنی نکل رہی ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت کعب بن مالک نے فرمایا کہ؛

رسول اللہ ﷺ جب کسی بات پہ خوش ہوتے یا آپ ﷺ مسکراتے تو آپ ﷺ کا چہرہ اس قدر کھل اٹھتا کہ اُس سے چمک سی نکلنے لگتی اور ہمیں لگتا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیاں سبک اور نازک تھیں، آپ ﷺ کبھی قہقہہ لگا کے نہ مسکراتے تھے، بلکہ ہلکے سے مسکرایا کرتے تھے، جب میں آپ ﷺ کی طرف دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ سرمہ لگائے ہوئے نہ ہوتے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ کا چہرہ روشن اور رنگ چمکتا ہوا تھا، آپ ﷺ کا پسینہ گویا موتی تھے جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی جانب قدرے جھک کے چلتے تھے، اور آپ ﷺ کی جلد اس قدر نرم تھی کہ میں نے کسی دیبا اور ریشم کو اُن سے نرم نہ پایا۔ اور میں نے کبھی کوئی مشک وعنبر نہ سونگھا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم کی خوشبو تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں؛

جب کبھی رسول اللہ ﷺ ہماری نگاہوں کے سامنے نہ ہوتے اور ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تلاش ہوتی اور ہم رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلتے تو ہم جلد ہی رسول اللہ ﷺ کو پالیتے اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم سے اس قدر خوشبو آتی تھی کہ آپ ﷺ کسی گلی سے گزر جاتے تو اُس گلی میں خوشبو پھیل جاتی چنانچہ ہم جان جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کس طرف گئے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا رسول اللہ ﷺ خضاب کیا کرتے تھے تو انھوں نے جواب دیا؛

جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو آپ ﷺ کے سارے بال کالے تھے ماسوا دو چار بالوں کے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب وفات فرمائی تو ریش مبارک کے محض چند بال ہی سفید ہوئے تھے اور وہ اس قدر کم تھے کہ انگلیوں پہ گنے جا سکتے تھے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں گیا، رسول اللہ ﷺ کھانا کھا رہے تھے آپ ﷺ نے

مجھے بھی شامل کر لیا آپ ﷺ گوشت اور روٹی کھا رہے تھے چنانچہ میں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ گوشت اور روٹی کھائی۔ پھر میں آپ ﷺ کے پیچھے گیا اور مہر نبوت کو دیکھا جو دونوں شانوں کے درمیان بائیں شانہ کے نرم ہڈی کے پاس تھی، وہ کسی مسے کی طرح یا بہت سے تلوں کی مانند تھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ؛
میں جب کبھی رسول اللہ ﷺ کے ہاں جایا کرتا تو میری کوشش ہوتی کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مصافحہ ضرور کروں جس کی وجہ یہ تھی کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کر لیتا یا میرا جسم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر سے چھو جاتا تو وہاں سے خوشبو اٹھنے لگتی جس کو میں کئی دن تک محسوس کرتا رہتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت اُم سلیمؓ فرماتی ہیں کہ؛رسول اللہ ﷺ عام طور پہ میرے گھر تشریف لایا کرتے تھے ۔بعض اوقات آپ ﷺ میرے گھر سو بھی جایا کرتے تھے۔اور جب کبھی آپ ﷺ میرے گھر سو جاتے تو آپ ﷺ کو بہت پسینہ آیا کرتا اور ہر طرف خوشبو سی پھیل جاتی۔ پہلے میں سمجھتی تھی کہ یہ خوشبو رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک سے آتی ہے پھر ایک روز میں نے جانا کہ یہ خوشبو تو رسول اللہ ﷺ کے پسینے سے آتی ہے۔تب میں نے ایک چھوٹی سی شیشی لی اور رسول اللہ ﷺ کا پسینہ جمع کرنا شروع کر دیا ہم اسے اپنی خوشبو میں ملا لیا کرتے۔ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پسینہ جمع کرتے دیکھ لیا تو سوال کیا،اُم سلیم یہ کیا کرتی ہو؟
انھوں نے جواب دیا'یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے پسینے کو خوشبو میں ملا لیتے ہیں تو وہ خوشبو بہترین خوشبو بن جاتی ہے۔حضرت اُم سلیم فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس امر سے منع

نہیں کیا[23*]۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نہایت محبوب رسول تھے۔آپ ﷺ کے بہت سے خصائص ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور رسول کو نہیں نوازا گیا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ کا خاندان بھی نہایت اعلیٰ تھا اور آپ ﷺ کا نسب بھی بہت عمدہ تھا۔اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ اُس نے جب بھی کسی قوم کی طرف اپنے کسی رسول یا پیغمبر کو اتارا ہے تو اُسے ظاہری حسن و جمال سے نوازا ہے اُس کو ہر ظاہری اور باطنی عیب سے پاک رکھا ہے۔چنانچہ کسی بھی قوم کی طرف کوئی بھی رسول کسی ظاہری نقص کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا کوئی رسول کبھی لنگڑا، اپاہج اندھا یا بہرہ نہیں اتار گیا اور نہ ہی کوئی رسول کبھی ظاہری طور پہ بدصورت یا کریہہ المنظر پیدا کیا گیا، بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ظاہری حسن و وجاہت کے ساتھ بھیجا کرتے ہیں ،اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہمیشہ وقت کے طاقتور اور معروف خاندانوں میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو عربوں کے سب سے اعلیٰ خاندان قریش میں پیدا کیا گیا حضرت ابراہیمؑ کو بھی وقت کے اعلیٰ خاندان میں پیدا کیا گیا اُن کے باپ حکومت وقت میں اعلیٰ عہدے پہ فائز تھے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی سنت کے عین مطابق اُن تمام خصائص سے مزین کیا گیا جن سے عام طور پہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل متصف ہوتے ہیں۔تاہم رسول اللہ ﷺ کو دیگر انبیاء و رسل سے زیادہ نوازا گیا اس لیے کہ آپ ﷺ کی نبوت کا دائرہ بھی اسی قدر وسیع تھا۔آپ ﷺ کسی قوم یا قبیلے کی طرف مبعوث نہ کیے گئے تھے بلکہ آپ ﷺ کی نبوت تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور کل عالم کے لیے تھی چنانچہ خود آنحضرت محمد ﷺ نے بھی متعدد مواقع پہ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس قدر نوازا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔دراصل تو یہ سب اس لیے تھا کہ آپ ﷺ کا دائرہ کار اس قدر وسیع تھا کہ وہ زمان ومکان کی حد سے بھی نکل گیا یعنی قیامت

تک آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے والے شخص کی نجات کو ممکن بنا دیا گیا۔ چنانچہ شان رسالت تو وہ موضوع ہے جس پہ جتنا بھی لکھا جائے کم ہے اس کا حق ادا ہی نہیں کیا جا سکتا ہم اس مضمون کا اختتام حضرت حسان بن ثابت کے ان شعار سے کرتے ہیں۔

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِی
وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

یعنی آپ سے حسین تر میری آنکھ نے نہیں دیکھا آپ ہر عیب سے پاک کیے گئے۔

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

اور آپ سے بہتر کسی ماں نے نہیں جنا، گویا آپ ﷺ اپنی مرضی کے مطابق پیدا ہوئے۔[*24]

اللہ کے انبیاء رسل کو جن خصوصیات سے نوازا جاتا ہے اُن کا احاطہ ناممکنات میں سے ہے۔ تاہم علماء نے ظاہراً حیات مبارکہ سے جو کچھ محسوس کیا ہے اُسے بنا سنوار کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے اگرچہ اس سے رسولوں کے اختیار اور اقتدار سے کلی واقفیت تو حاصل نہیں ہوتی اس لیے خصائص المزمل کا بیان تو محض ایک کوشش ہے۔

خصائص المزمل ﷺ

یادر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی اہل زمین کی ہدایت کی ضرورت محسوس کی تو اپنے پیارے بندوں کو پیغام حق کے ساتھ زمین پر اتارا، تاکہ وہ لوگوں کو فلاح کی باتیں بتائیں، سیدھی راہ دکھائیں، حق بات بتائیں، توحید کی دعوت دیں، راز کی باتیں بتائیں، معرفت کی باتیں بتائیں، خالق کی منشا دہرائیں، مخلوق کی رہنمائی کریں، اُن کی گمراہیوں کی نشاندہی کریں اور انھیں صراط مستقیم پر استوار کر دیں۔ یہی انبیاء ورسل کا اصل مشن رہا ہے، اور اسی میں انسان کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جب جب اترے انھوں نے اپنے فرائض کو تندہی کے ساتھ ادا کیا۔ اللہ کے پیغمبر بہت سی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو لوگوں کی ہدایت کے لیے چنا، انھیں بہت سی خصوصیات سے مزین کیا۔ زمانہ اپنے خالق کی اطاعت میں گزرتا رہا حتیٰ کہ انسانیت رسول عربی محمد ﷺ کے عہد تک آ پہنچی۔ تب اللہ تعالیٰ نے شہر مکہ میں خاندانِ قریش سے آنحضرت محمد ﷺ کو تاجِ رسالت سے سرفراز فرمایا اور انھیں اپنی آخری

کتاب (قرآن) عطا فرمائی کہ اب نہ کوئی کتاب ہے نہ کوئی نبی اور رسول آنے والا ہے۔اس لیے جس شخص نے آنخضرت محمد ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور اِن پر نازل ہونے والی اللہ کی کتاب پر عمل کیا وہی کامیاب قرار پائے گا۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ اب انسانوں کے دو ہی گروہ کائنات میں پائے جائیں گے ایک وہ جو تابعدار اور مطیع و فرمانبردار یعنی مسلم ہیں دوسرے وہ جو انکار کرنے والے اور ضد پر اڑ جانے والے ہیں انھیں کافر یعنی انکار کرنے والا کہا جائے گا۔

چنانچہ جس نے آنخضرت محمد ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور قرآن کی پیروی کی وہ حزب اللہ کہلایا، اور جس نے آنخضرت محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور قرآن کی اتباع اختیار نہ کی وہ حزب الشیطان کہلائے گا۔یہ دونوں گروہ اللہ کی زمین پر موجود اور قائم ہیں اور اپنے اپنے دائرہ تخیل میں زیست کیے جاتے ہیں۔روزِ قیامت اِن کے مابین فیصلہ کر دیا جائے گا کہ کون کامیاب ٹھہرا اور ناکامی کس کے مقدر میں آئی۔رسول اللہ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔وہ اللہ کی طرف سے آخری کتاب لے کر آئے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بہت سے ایسے امتیازی خصائص سے نوازا ہے جو دوسرے انبیاء کو حاصل نہ ہو سکے۔ہم رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں اور ہمیں اِن خصائص پر ناز ہے جو رسول اللہ ﷺ کو انبیائے رسل کی برگزیدہ جماعت میں سب سے نمایاں مقام پہ فائز کرتے ہیں۔چنانچہ علمائے حق نے رسول اللہ ﷺ کے سینکڑوں خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر الگ سے "**خصائص کبریٰ**" نامی کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دو سو ساٹھ سے اوپر خصائص گنوائے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے تمام خصائص بیان کرنے کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ اس موضوع کا حق ادا کرنا امر دشوار ہے۔چنانچہ محدود ضخامت کی اس کتاب میں ہم حصول برکت اور تذکرہ محبت کی نیت سے رسول اللہ ﷺ کے خصائص کا مختصراً جائزہ لیں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مقامِ محبوبیت۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبت کا مقام عطا فرمایا ہے۔قرآن حکیم میں اس بابت بہت سی آیات موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔جیسا کہ بیان کیا گیا کہ میں اُن سے محبت کرتا ہوں اُن پر رحمت بھیجتا ہوں،میرے فرشتے بھی رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اور اُن پر درود بھیجتے ہیں۔اے اہل ایمان تم بھی ضرور رسول اللہ ﷺ پہ درود بھیجو۔قرآن حکیم میں اس نوع کی مثال کسی اور نبی یا رسول کی شان میں نہیں ملتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا○

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۵۶)

ترجمہ؛

”اللہ تعالیٰ اور اُن کے فرشتے نبی اکرم ﷺ پر رحمتیں اور دعائیں بھیجتے ہیں،اے ایمان والو،تم بھی رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجو“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

خاتم النبیین ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ پہ نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا۔چنانچہ آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے۔اب قیامت تک اللہ کا کوئی رسول اور

نبی نہیں آئے گا۔بعض بدبختوں نے امت کے اس متفقہ معاملے میں اشتباہ پیدا کرنے کوشش کی۔امت نے انھیں اپنے جسم سے اُس ناسور کی طرح کاٹ کے پرے پھینک دیا جو سارے جسم کو خراب کرنے کا باعث بنتا ہے۔چنانچہ اب لوگوں کے اس مختصر گروہ کی حالت اُس کتے کی سی ہے جو نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔یعنی امتِ مسلمہ نے انھیں کافر قرار دے دیا اور کافر انھیں قبول کرنے سے انکاری ہیں۔جن لوگوں نے اہلِ مغرب کے ایجنڈے پہ سر جھکایا اور کچھ مادی فوائد حاصل کرنے کے لیے امت کو منقسم کرنے کی کوشش کی وہ شاید بھول گئے تھے کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ نے لیا ہے اور قرآن امت کے چھوٹے چھوٹے بچوں تک کے سینوں میں محفوظ ہے،یہی اُن کی ذلت کی سب سے بڑی وجہ بنی کیونکہ قرآن نے اس معاملے میں کوئی اشتباہ نہیں چھوڑا بلکہ صاف اور سیدھی بات کی ہے۔

ارشاد ہوا کہ :

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (40)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۴۰)

ترجمہ؛

”(لوگو) محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین (نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں)،اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رحمت للعالمین ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہر نبی، ہر رسول کسی نہ کسی قوم، کسی نہ کسی ملک، کسی نہ کسی قریہ، کسی نہ کسی

قبیلے کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا۔مگر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام عالم کے لوگوں کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کی ذات تمام لوگوں کے لیے باعث رحمت ہے۔ یہ ایک منفرد اعزاز ہے جس سے کسی اور نبی اور رسول کو متصف نہیں کیا گیا۔رسول اللہ ﷺ نہ صرف تمام عالم کے لیے باعث رحمت ہیں بلکہ آپ ﷺ تمام زمانوں کے لیے بھی باعث رحمت ہیں۔ اس لیے کہ کوئی شخص جو آج اس لمحے حالتِ کفر میں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو اس شخص کو بس اتنا کرنا ہے کہ وہ اللہ کو ایک مانے اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا سچا رسول اور آخری پیغمبر مانے، تب وہ اُس دائرے میں داخل ہو جائے گا جس کو امتِ محمدیہ کہا جاتا ہے۔تب اسلام اُس کا دین اور نجات اس کا مقدر بن جائے گی۔

اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں کہ :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ○

القرآن الحکیم (سورۃ الانبیاء ۲۱ / ۱۰۷)

ترجمہ؛

"اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بن کے بھیجا ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ بشیر و نذیر ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ تمام عالم کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔آپ ﷺ تمام لوگوں کو بشارت دینے اور ڈر سنانے کے لیے بھیجے گئے۔اس سے قبل اللہ کے انبیاء و رسل محض کسی خاص قوم یا کسی خاص علاقے کے لوگوں کو ڈرانے کے لیے مقرر کیے جاتے رہے۔حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جس محبت اور اہتمام سے منتقل کیا تاریخ

سے اس کی مثال پیش کرنا مشکل ہے۔رسول اللہ ﷺ کو اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں شدید مشکلات کا سامنا تھا۔خود آپ ﷺ کا اپنا خاندان آپ کا دشمن ہو گیا،وہ بت پرستی کی طرف مائل تھے۔وہ کہتے کہ اگر ہم آپ کا دین اختیار کر لیں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ہمارے آباء احمق تھے،گمراہ تھے اور جہنم میں جانے والے تھے اس لیے ہم آپ کے پیغام کا انکار کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے انھیں نہایت دردمندی کے ساتھ اللہ سے ڈرایا۔نہایت محبت کے ساتھ انھیں جنت کی بہاروں کی خوشخبری سنائی۔چنانچہ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کو نذیر و بشیر کے القاب سے نوازا گیا۔بشیر یعنی خوشخبری دینے والا اور نذیر یعنی ڈرانے والا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○

القرآن الحکیم (سورۃ سبا ۳۴ / ۲۸)

ترجمہ؛

”اور (اے نبی) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا ہے،مگر اکثر لوگ نہیں جانتے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اطاعتِ رسول ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے خود صحابہ سے فرمایا ہے کہ ”میں کوئی عمل نہیں کرتا جس میں اللہ کی رضا شامل نہ ہو،میری زبان سے ہمیشہ خیر کی بات نکلتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اخلاق کی اصلاح فرمائی ہے اور میں اللہ کے اذن کے خلاف نہیں جاتا“۔چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر بن العاصؓ رسول اللہ ﷺ کی

ہر بات لکھ لیا کرتے تھے۔بعض لوگوں نے انھیں اس بات سے منع کیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کیا۔تب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری زبان سے جو سنو بے شک اُس کو لکھ لیا کرو اس لیے کہ میری زبان سے خیر کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔خود رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ کے اخلاق و اعمال اس قدر رفعت لیے ہوئے تھے کہ اُن کی پیروی کرنے والا انسان کبھی خسارے میں نہیں جا سکتا۔اور قرآن کریم نے کس قدر کھلی بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی پیروی تو دراصل اللہ ہی کی پیروی ہے اور جس نے اللہ کی پیروی کی وہ یقیناً اس دنیا میں بھی کامیاب ہوا اور آخرت میں بھی فلاح کی منزلیں اُس کی منتظر ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوا کہ :

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴ / ۸۰)

ترجمہ؛

”جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اُس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عشق رسول ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنا مسلمانوں کے ایمان میں شامل ہے۔خود رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو بتا دیا تھا کہ جب تک میں تم کو تمھارے باپوں، تمھارے بیٹوں، تمھاری ماؤں، تمھاری بیویوں اور تمھارے اموال سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں تب تک تمھارے ایمان نامکمل رہیں گے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کی لازمی شرط ٹھیری۔قرآن حکیم میں مسلمانوں کو بتایا

گیا کہ " پھر تم میں سے جو لوگ رسول اللہ ﷺ سے محبت کریں گے اللہ تعالیٰ اُن سے محبت کرے گا اُن سے راضی ہو جائے گا، اُن کے گناہ بخش دے گا اور اُن سے درگزر فرمائے گا۔

چنانچہ سوچئے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا عوض کس قدر بڑا ہے۔ جس معاشرے میں ہم بستے ہیں، جن روایات کے ہم اسیر ہیں، جس معاشرت کے ہم عادی ہیں اُس میں اگرچہ عشق رسول کا دعویٰ تو موجود ہے۔ مگر کیا ہم نے کبھی عشق رسول کی ماہیت کو جاننے کی کوشش بھی کی ہے؟

کیا ہم جانتے ہیں کہ محبت کے اس کھیل میں محبوب کے اشارہ ابرو پہ جان نثار کردی جاتی ہے تب کہیں جا کے آپ سرخرو ہوتے ہیں، تب کہیں جا کے آپ کو عاشق صادق کا خطاب عطا ہوتا ہے۔ مگر ہمارے ہاں معاملہ کیا ہے؟

ہم رسول اللہ ﷺ سے کیا عشق کریں گے؟

ہمیں تو قبروں کی پوجا سے ہی فرصت نہیں۔ ہم نماز کے لیے کہاں سے وقت نکالیں ہمیں تو پیر صاحب کی ناراضگی کا خوف کھائے جاتا ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کی حدیث پڑھنے کے لیے وقت کہاں سے نکالیں ہمیں تو تعویز گنڈوں اور جادوگروں کے در سے ہی فرصت نہیں۔

ہم منشا رسول کو جاننے کے لیے سیرت پاک سے آگاہی کے لیے وقت کہاں سے نکالیں ہمیں تو لغویات سے ہی فرصت نہیں۔

دراصل ہم رسول اللہ ﷺ کی پیروی اور رسول اللہ ﷺ سے عشق کا کھوکھلا اظہار کر کے سمجھتے ہیں کہ ایمان کے تقاضے پورے ہو گئے۔ ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے تھے۔ ہم اسی بات کو کافی جانتے ہیں کہ ہم ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم توحید کے بنیادی پیغام سے انحراف کی راہ پہ گامزن ہیں پیشہ ور مولوی نے توحید کے تصور کو الجھا دیا ہے۔ اپنے زورِ خطابت میں وہ مخالف فرقے کے نظریات تو اچھل اچھل کر بیان کرتا ہے مگر لوگوں کو یہ کبھی نہیں بتائے گا کہ اللہ نے کتاب مقدس میں شرک کو سب سے بڑا ظلم قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود وہ یہ سمجھے گا کہ پوری امت توحید پر

قائم ہے۔ حالانکہ چند کلومیٹر کا فاصلہ نہیں گزرتا کہ ایک نئی قبر، ایک نیا پیر ایک نیا دوکاندار، ایک نیا استخارے کا ماہر، ایک نیا مذہبی ٹی وی چینل، جنوں پر غالب کوئی نیا عامل آپ کے قدم روکے گا اس کے باوجود لوگوں کا خیال ہے کہ وہ توحید خالص پہ کاربند ہیں۔ اِن کی تو اکثریت جاہلیت کے اُس مقام پر ہے جنھوں نے کبھی ایک بار بھی قرآن حکیم نہ کھولا ہوگا اور جنھوں نے کھولا ہوگا وہ اسے سمجھنے کی کبھی کوشش نہ کریں گے بلکہ طوطے کی طرح رٹہ لگاتے گزر جائیں گے ۔اب ایسے طوطے کو کیوں کر پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزِ محشر میں جس کو چاہوں کا اُس کو بخش دوں گا مگر کبھی بھی شرک کرنے والے کو معاف نہ کروں گا اور یہ بات آج ہی جان لو ۔ چنانچہ عشق رسول تو بہت دور کی بات ہے رسول اللہ کی منشا، رسول اللہ ﷺ کا اسوہ تک آج لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے اس لیے کہ دین اُن کی ترجیحات میں کہیں بھی شامل نہیں رہا اور وہ دنیا کے مشاغل میں ہی غرق ہو چکے ہیں۔ ایسے میں صرف وہی لوگ ہدایت پائیں گے جنھوں نے کسب کیا یعنی ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اپنے وقت میں سے قرآن کے لیے وقت نکالا۔

جب انسان اپنا تعلق قرآن سے قائم کرلے گا تو اسے کسی مولوی کی ضرورت نہ رہے گی، نہ اسے یہ جاننے میں دشواری ہوگی کہ رسم ورواج کے جس مجموعے کو لوگ اسلام کہتے ہیں اُن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہم لوگ ہندوؤں کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ پاکستان تو ادھر صرف نصف صدی کی بات ہے۔اُس سے پہلے تو پاک وہند کے مسلمان اور کافر اکٹھے ہی رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہم نے اُن کے مندروں کی نقالی میں مزار بنا لیے اور اِن مزاروں سے مادی مفاد حاصل کرنے والے لوگوں نے اِن مزاروں کی پوجا کو دین میں تاویل سے رواج دیا اور رفتہ رفتہ لوگ تصورِ توحید سے دور ہونے لگے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے محبت اگر چہ دین کا حصہ ہے مگر اس محبت کے بھی کچھ آداب ہیں جیسے دنیا کے ہر مقدس کام کے کچھ آداب ہوتے ہیں اور جن سے شناسائی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا اولین تقاضا تو یہ ہے کہ انسان خود کو اس کتاب کے قریب کرلے جس کو لے کر رسول اللہ ﷺ تشریف

لائے تھے۔اس کے بعد عشق رسول کی منزلیں بغیر کسی کی مدد کے طے ہوتی جائیں گی اور انسان خود کو اللہ تعالیٰ کے اُن انعامات کو مستحق بنا لے گا جن کا تذکرہ سورہ آل عمران میں اس طرح کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

قُلۡ إِن كُنتُمۡ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحۡبِبۡكُمُ ٱللَّهُ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٞ (31)

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳/ ۳۱)

ترجمہ؛

”(اے نبی ﷺ) اِن لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر حقیقت میں تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔(اس طرح) اللہ بھی تم سے محبت کرے گا، تمھارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور غفور و رحیم ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حوض کوثر ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے انعامات اور بہت سے خصائص سے نوازا جن کی مثال سابقہ انبیاء و رسل کے ہاں نہیں ملتی۔انھی خاص انعامات میں کوثر کا معاملہ بھی ہے۔اگرچہ مفسرین نے لفظ کوثر کی بہت سی تشریحات کی ہیں مگر مجھے یہ محض تکلف لگتی ہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شدید تشنگی کے دن جب پیاس سے زبان سوکھ کر لکڑی بن جائے گی تب رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو اپنے خاص حوض یعنی کوثر سے سیراب فرمائیں گے اور اُن لوگوں کی پیاس بجھ جائے گی جنھوں نے اپنی زندگیاں رسول اللہ

ﷺ سے محبت کرتے ہوئے گزاری ہوں گی۔جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ہوگی ،جنھوں نے خودکو سختی سے توحید پر کاربند رکھا ہوگا،جنھوں نے ہراس شائبہ سے خود کو دور رکھا ہوگا جس میں شرک کا بعید سے بعید امکان بھی موجود ہو۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے ورنہ اہل قریش سے اُن کا کیا اختلاف تھا۔اہل قریش بھی تو اُسی خدا کی پوجا کرتے تھے جس خدا کی پوجا اُن کے باپ حضرت ابراہیمؑ کرتے تھے اور وہی خدا رسول اللہ ﷺ کا بھی خدا تھا۔مسئلہ صرف بتوں کی پوجا کا تھا وہ بتوں کی پوجا سے باز نہیں آتے تھے اور یہی بات انھیں توحید اختیار کرنے سے روکتی تھی یہی اصل وجہ عناد تھی جس کی وجہ سے قریش بدر میں بھی نکلے،اُحد میں بھی نکلے احزاب کو بھی اکٹھا کر لائے ،مگر کسی موقع پر بھی اُن کے بتوں نے اُن کی مدد نہیں کی۔یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرتے وقت اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کی زبان سے نکلا کہ اگر اِن بتوں میں کوئی طاقت ہوتی تو آج ہمیں ذلت کا یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔انھوں نے اسی وقت اِن بتوں پر لعنت بھیجی حالانکہ اس لمحے سے پیشتر وہ برسوں انھی بتوں کی عظمت قائم رکھنے کے لیے مسلمانوں سے بر سر پیکار رہے تھے۔

بات ہو رہی تھی حوض کوثر کی ،جہاں دراصل مومنین کی پیاس کا سامان کیا گیا ہے کسی مشرک کو قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے اس حوض کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے گا۔اس لیے کہ دراصل توحید ہی اسلام ہے اور توحید ہی رسول اللہ ﷺ کا پیغام ہے اور اہل توحید کا اعزاز ہی مقصود ہے جو اس حوض سے اپنی پیاس بجھائیں گے ۔حوض کوثر کا عطا کرنا بھی خاص اُن امتیازات میں شامل ہے جن سے رسول اللہ ﷺ کو متصف فرمایا گیا۔اور یہ بھی ایک ایسا اعزاز ہے جو کسی اور پیغمبر کو نصیب نہ ہوسکا اور حوض کوثر بھی رسول اللہ ﷺ کے اُن خصائص میں شامل ہے جن کا تذکرہ اِن صفحات میں مقصود ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ روزِ محشر کی اُس سختی اور پیاس والے دن اللہ تعالیٰ ہمیں بھی رسول اللہ ﷺ کے حوض سے آبِ شریں عطا فرمائے۔

آمین

قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کوحوض کوثر کی بشارت دی گئی ہے۔

ارشاد ہوا کہ :

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ○

القرآن الحکیم(سورۃ الکوثر ۱۰۸/۱)

ترجمہ؛

’’ہم نے (اے نبی) تجھے کوثر عطا کیا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

شرفِ معراج ﷺ۔

یہ اسی شانِ رفعت کا تسلسل ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر نوازا جاتا رہا۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خاص طور پر آسمانوں کی اُن بلندیوں پر مدعو کیا جہاں جبرائیل جیسے باعظمت ملائکہ کے بھی پر جلتے تھے۔چنانچہ واقعہ اسراء یا معراج ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو انسانی قیاس اور عقل واستنباط کی سرحدوں سے وراء ہے۔احادیث میں اس واقعہ کی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں جن کو سیرۃ المزمل ﷺ میں زمانی ترتیب کے مطابق درج کر دیا گیا ہے۔یہاں ہم صرف اس بات کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو میزبانی کے جس شرف سے نوازا اِس کی مثال انبیاء ورسل کی تاریخ سے نہیں ملتی۔اور یہ امر خاص اُن امور میں شامل ہے جن سے صرف رسول اللہ ﷺ کونوازا گیا۔اس ضمن میں پیش کی گئیں روایات میں مذکور ہے کہ اسراء سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جانا ہے جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ممکن ہوا۔اور معراج کا مطلب ہے رسول اللہ ﷺ کا وہ سفر جو آپ ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک کیا ۔معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں اوپر چڑھنا۔رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسے ہی

فرمایا ہے " **عُـرِجَ بِـیْ** " یعنی مجھ کو اوپر چڑھایا گیا۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس واقعہ کو بالعموم واقعہ معراج کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ کے اُن برگزیدہ بندوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل لوگوں کی ہدایت پر متعین کیے گئے تھے۔ امام حلبیؒ نے "**سیرت حلبیہ**" میں لکھا ہے کہ اُس روز مسجد اقصیٰ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل موجود تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ ادا کیا تھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی، نماز کے بعد حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا؟ کیا آپ ﷺ کو علم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز ادا کی، نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا" میں نہیں جانتا"۔

تب حضرت جبرائیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرمایا کہ آپ ﷺ کے پیچھے اُن تمام انبیاء و رسل نے نماز ادا کی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے آج تک زمین کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا تھا۔ گویا کہ آپ ﷺ کو یہ مہتم بالشان شرف حاصل ہوا کہ آپ ﷺ امام الانبیاء و رسل کے مقام پر فائز ہوئے۔ چنانچہ شبِ اسراء یہ اعزاز رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا۔ اس تحیر خیز سفر کی مرویات سے پتا چلتا ہے کہ اس سفر مبارک میں رسول اللہ ﷺ کو دیگر بہت سے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ جیسا کہ ہر آسمان پر رسول اللہ ﷺ کا نزول، ہر آسمان پر رسول اللہ ﷺ کی مختلف انبیاء سے ملاقات، ملائکہ کا ہر آسمان پر رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنا جنت اور دوزخ کے فرشتوں سے ملاقات کرنا، جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرنا بارگاہ رب العزت میں حاضری کا شرف، اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف، بارگاہ رب العزت کے قرب خاص کا اعزاز، سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر نور کا آپ ﷺ کو ڈھانپ لینا، نماز کا فرض ہونا، براق کی سواری اور دیگر سینکڑوں جزیات جن کے تفصیلی تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہاں صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہے کہ معراج بھی رسول اللہ ﷺ کے اُن خصائص میں شامل ہے جس میں کوئی دوسرا نبی اکرم ﷺ کا شریک و سہیم نہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِہِ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَی الْمَسْجِدِ الأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہُ لِنُرِیَہُ مِنْ آیَاتِنَا إِنَّہُ ہُوَ السَّمِیْعُ البَصِیْرُ○

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل ۱/۱۷)

ترجمہ؛

''پاک ہے وہ ذات جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو اُس نے برکت دی ہے تا کہ اسے اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے ۔حقیقت میں وہی سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قابل اطاعت نمونہ۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خلق عظیم عطا فرمایا اور اسی خلق عظیم کی اتباع میں انسانیت کی فلاح کو پوشیدہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے شرف کے اُن تمام مظاہر سے مزین کیا جن کے باعث انسان کو اشرف الخلوقات کا منصب عطا کیا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی رفعت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق تو عین قرآن ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اعلیٰ نسب کے ساتھ ایک ارفع خاندان میں پیدا کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی ذات میں اُن تمام امورِ خیر کو جمع کر دیا گیا جن کے باعث نظم کائنات کی

رونق قائم ہے۔رسول اللہ ﷺ شجاع تھے،سخی تھے،شرم وحیا والے تھے،صبر واطاعت والے تھے،دشمنوں کو معاف فرمانے والے تھے،دوستوں سے محبت کرنے والے تھے،مسکینوں کی خبر گیری کرنے والے تھے،یتیموں کی پرورش کرنے والے تھے،شانِ ایثار سے مزین تھے وفا کی ہرادا سے مزین تھے،ظاہری وباطنی حسن کا نمونہ تھے،رسول اللہ ﷺ ذاتی انتقام پر یقین نہ رکھتے تھے،رسول اللہ ﷺ اللہ کے احکامات پہنچانے کے لیے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرتے رہے،رسول اللہ ﷺ صادق وامین تھے،رسول اللہ ﷺ حلم وتحمل سے مزین تھے،رسول اللہ ﷺ ایفائے عہد پر کاربند تھے،رسول اللہ ﷺ خشیت الٰہی سے روتے تھے رسول اللہ ﷺ افصح الکلام تھے،رسول اللہ ﷺ جامع الکلام تھے،رسول اللہ ﷺ عیادت وتعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تھے ، رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی بے مثل تھی، رسول اللہ ﷺ زیردستوں کے مولیٰ اور محنت کشوں کے والی تھے،الغرض خیر کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کا عکس رسول اللہ ﷺ کی ذات میں نہ ملتا ہو،اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسوہ رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو اپنی پیروی قرار دیا اور فرمایا ہے کہ تمھارے پاس نجات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ تم اسوہ رسول کی پیروی کرو جس میں خلق عظیم اختیار کیا گیا ہے۔قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی پیروی کا جابجا حکم دیا گیا ہے اور بار بار رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کی تعریف کی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِى رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳/ ۲۱)

ترجمہ:

”تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں ایک عمدہ نمونہ (طریق زندگی) ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے سورہ قلم میں ارشاد فرمایا گیا کہ!

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (4)

القرآن الحکیم (سورۃ قلم ۶۸ / ۴)

ترجمہ:

''اور (اے محمد ﷺ) آپ یقیناً اخلاق کے بلند ترین درجے پر فائز ہیں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تزکیہ۔

اللہ کے رسولوں نے ہمیشہ انسانیت کو فلاح اور راستی کی طرف بلایا ہے۔اُن کے دلوں کو دنیا کے زنگ سے پاک وصاف کیا ہے اور اُن کی توجہ امورِ شرف کی طرف مبذول کرائی ہے، اسی کا نام تزکیہ ہے۔اور یہی وہ اہم فریضہ ہے جو انبیاء ورسل کے سپرد کیا جاتا رہا۔لوگوں کی ہدایت کا یہ سارا سلسلہ دراصل اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر احسان عظیم ہے اگر لوگ جانیں تو، مگر لوگوں کی اکثریت ہمیشہ شکر کی راہوں سے گریزاں رہی ہے اور شیطان کے خوش نما پھندوں میں جکڑی رہی۔شیطان اُن کو گمراہی کی اُن وادیوں میں لیے پھرا جہاں وقتی لذت کے بہت سے سامان تھے مگر تذکیہ اور تذکیر کا کوئی اہتمام نہ تھا۔قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت تم پر میرا بہت بڑا احسان ہے۔اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو تم لوگ منزل کا نشان کھو چکے تھے تب ہم نے تمہی میں سے ایک رسول اٹھایا جو تم کو میری آئتیں پڑھ کے سناتا ہے اور تمھیں سیدھی راہ دکھاتا ہے ،تم کو توحید کی تعلیم دیتا ہے اور تمھاری رہنمائی منزل کی طرف کرتا ہے اور اس سے قبل تو تم کھلی گمراہی میں تھے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ / ۱۶۴)

ترجمہ؛

"درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اُس نے اُن کے درمیان خود انھی میں سے ایک رسول اٹھایا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کے سناتا ہے اور اِن کو شرک اور دوسرے مفاسد سے پاک کرتا ہے (اِن کی زندگیاں سنوارتا ہے) اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ شفیق ومہربان ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کی ہدایت کے بہت مشتاق تھے۔آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ آپ کی قوم کا ہر شخص راہ ہدایت پر آجائے، اسلام قبول کرلے، اپنی دنیا اور آخرت سنوار لے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری قوم کی حالت یہ ہے کہ میں اُن کی کمر میں ہاتھ ڈالے انھیں دوزخ کی آگ میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں مگر میری قوم ہے کہ میرے ہاتھ جھٹک کر آگ کے اُس آلاؤ میں گرنا چاہتی ہے۔رسول اللہ ﷺ اپنی قوم پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور انھیں دردمندی سے راہ ہدایت کی طرف بلاتے تھے۔مگر اہل قریش رسول اللہ ﷺ کی اس محبت اور شفقت کا جواب حقارت، نفرت اور انکار سے دیتے تھے۔رسول اللہ ﷺ جب اپنی قوم کو گمراہی پر بضد دیکھتے تو آپ بہت دکھی ہوتے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی حوصلہ افزائی

کرتے ہوئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ تو اس قوم کی گمراہی پر خود کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ یاد رکھیں کہ آپ ﷺ کا کام صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے مگر ہدایت اُسی کو ملے گی جس کے مقدر میں ہوگی۔ اس لیے آپ غم نہ کریں اور اس قوم کو اللہ کا پیغام پہنچا دینے کے بعد اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیں اِن کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام اور کفر کے مابین ہونے والے جنگی معرکوں میں اہل قریش کے اُن شریروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرا دیا جن کے نصیب میں ہدایت نہ تھی۔ باقی ساری قوم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی ایمان لے آئی تھی۔ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے اس حزن کو بیان کیا گیا ہے جو آپ ﷺ اپنی قوم کی گمراہی پر محسوس کرتے تھے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ آل عمران ۳ / ۱۶۴)

ترجمہ:

"تمھارے پاس خود تمہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جسے ہر وہ چیز شاق گزرتی ہے جو تم کو تکلیف پہنچائے۔ وہ تمھاری بھلائی کا خواہش مند ہے اور وہ اہل ایمان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

روشن چراغ ﷺ۔

خطہ ارض پر بسنے والے سات ارب لوگوں میں سے پانچ ارب بیس کروڑ لوگ آج بھی اُن اندھیری راہوں کے مسافر ہیں جن پر گھٹا ٹوپ اندھیرا ہے۔ اُن کی بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ انھی

اندھیری راہوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ایک روشن چراغ کی طرح ہے جس کی روشنی میں منزل کے خدوخال اپنی پوری وضاحت کے ساتھ نمایاں ہوجاتے ہیں۔مگر لوگ ہیں کہ اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے کے خواہش مند ہی نہیں۔انھوں نے اپنی زندگی کو اندھیروں کا اس قدر عادی بنالیا ہے کہ ہدایت کی روشنی اِن کی آنکھوں کو تکلیف دیتی ہے۔اُن کے نفس اس قدر پراگندہ ہیں کہ ہدایت کی بات سے اُن کو اُبکائی آجاتی ہے۔یقیناً یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس بات کو واضح کردیا ہے کہ اِن لوگوں کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔اِن مہر زدہ لوگوں کا دن شراب سے شروع ہوتا ہے، وقت سودی معیشت میں صرف ہوتا ہے۔رات بے راہ روی میں گزرتی ہے اور جب اِن لوگوں کی جوانی کا بخار اترتا ہے تو اِن کی نام نہاد دانش جاگ اٹھتی ہے اور وہ لوگوں کو اخلاق وتہذیب کا سبق پڑھانے لگتے ہیں۔

مغرب کا دانشور کہتا ہے کہ سب سے بڑا مذہب انسانیت ہے۔دراصل یہ ایک ایسا خوشنما فقرہ ہے جس کی تردید مشکل دکھائی دیتی ہے۔مگر حقیقت میں یہ وہ بہلاوہ ہے جو اِن لوگوں نے اپنے ضمیر کی آواز کو سلانے کے لیے دریافت کر رکھا ہے۔ورنہ جو انسان اپنے خالق سے غافل ہو، جو انسان اپنے خالق کا کوئی حکم ماننے کے لیے تیار نہ ہو بلکہ جو اپنے خالق کی منشا سے آگاہ ہی نہ ہو، جو انسان اپنے خالق کی منشا جاننے میں دلچسپی ہی نہ رکھتا ہو، جو انسان ہر اس فعل کو جائز سمجھتا ہو جس کو خالق نے ناجائز کہہ رکھا ہے، جو معاشرہ اپنے سماجی رویوں میں خالق کی رضا کی ضد پر استوار ہوا ہو، جو معاشرہ اور جو قومیں اپنے سے کمزور قوموں کے معاشی استحصال میں ملوث ہوں، وہ قومیں جنھوں نے اپنے چہروں پر مصنوعی اخلاق کا ماسک پہن رکھا ہو، جن قوموں کے قول وعمل میں تضاد ہو، اُن لوگوں کو انسانی حقوق کا درس دینا ذرا نہیں سجتا۔

یہی وہ لوگ ہیں جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہی کی دعوت دیتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اُس روشن چراغ سے منہ موڑ رکھا ہے جو قیامت تک انسانوں کی رہنمائی کے لیے روشن رہنے والا ہے۔یہی وہ قومیں ہیں جن کی راہوں میں سب سے زیادہ اندھیرا ہے

مگر طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ خود کو مہذب اور باقی دنیا کو غیر مہذب سمجھتی ہیں۔اُن کی گمراہی بہت سے لوگوں کو گمراہی پر قائم رہنے میں مہمیز فراہم کرتی ہے۔اس لیے دنیا میں اللہ نے انھیں آزمائش میں ڈالنے کے لیے قوت وطاقت فراہم کردی ہے،آسودگی اور فراغت عطا فرمادی ہے۔مگر انسان کی مہلت عمل نہایت قلیل ہے اس لیے جلد یا بدیر انھیں اسی روشن چراغ کی ضرورت محسوس ہوگی جو سب کے لیے روشن ہے اللہ انھیں ہدایت سے نوازے۔قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کو روشن چراغ کے لقب سے نوازا گیا ہے۔سراج منیر کہہ کر پکارا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس لقب سے ملقب کرنا خصائص رسالت میں شامل ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی اور نبی یا رسول کو روشن چراغ سے تشبیہ نہیں دی۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً (45)
وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً (46)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۴۶)

ترجمہ؛

”اے نبی ! ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا، اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کے بھیجا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امامت اعظمیٰ ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کو بہت سے اعزازات اور خصائص سے نوازا گیا۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی امت کو بھی باقی تمام امتوں سے منفرد

اور ممتاز مقام عطا فرمایا گیا اور انھیں امتِ وسط کا نام دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی امت کو امتِ وسط کہنا اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے باعث یہ امت اس منصب کو پہنچ گئی کہ اسے اس دنیا کی امامت کے لیے چن لیا گیا۔ مفسرین قرآن نے لکھا ہے کہ امتِ وسط کا کسی دوسری زبان میں ٹھیک ٹھیک ترجمہ کرنا قدرے دشوار ہے، اس کی مکمل تشریح ناممکن سی لگتی ہے۔ چنانچہ اختصار کے ساتھ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد ایک ایسی امت ہے جو عدل و انصاف پر قائم ہو، اس کا چلن اس قدر راست ہو کہ باقی امتوں میں اس امت کا مقام صدر جیسا ہو۔ یعنی انسانی جسم میں جو مقام دل کا ہے وہی دنیا کی اس بھیڑ میں امتِ محمدیہ کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ لوگوں پہ امتِ وسط کے گواہ ہونے کی درست تشریح حضرت ابو سعید خدریؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ حدیث کا مفہوم ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت نوحؑ کو بلائیں گے، حضرت نوحؑ پیش ہوں گے اور عرض کریں گے، اے میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے دریافت کریں گے کہ تم نے میرے احکامات میری قوم تک پہنچا دیئے تھے۔ حضرت نوحؑ عرض کریں گے، اے اللہ! میں نے پوری دردمندی کے ساتھ تیرا پیغام اپنی قوم تک منتقل کر دیا تھا۔ مگر حضرت نوحؑ کی امت اس بات کا انکار کر دے گی۔ حضرت نوحؑ بہت پریشان ہوں گے۔ تب رسول اللہ ﷺ کی قوم حضرت نوحؑ کا اثبات کرے گی اور کہے گی کہ ہم نے قرآن میں پڑھا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اللہ کا پیغام اپنی قوم تک پہنچا دیا تھا اس لیے حضرت نوحؑ سچے ہیں اور اُن کی قوم جھوٹی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوں گے اور فرمائیں گے ہاں یہ امتِ وسط ہے اور انھوں نے سچ کہا ہے نوحؑ نے میرا پیغام اپنی قوم کو پہنچا دیا تھا"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ روزِ محشر انبیاء ورسل اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی امت دوسری امتوں کی گواہ ہوگی۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے گواہ ہوں گے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی امت کو امتِ وسط قرار دیا ہے اُس کو ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲ / ۱۴۳)

ترجمہ؛

"اے نبی اِن سے کہو: اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک امتِ وسط بنایا تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تکمیل دین۔

رسول اللہ ﷺ پہ اللہ تعالیٰ کے بے انتہا احسانات ہیں۔ اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر ہی دین حق کی تکمیل کر دی گئی۔ اب یہ دین قیامت تک قابل عمل ہے۔ اس کے بنیادی عقائد میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ دین اسلام نے راہ زیست کے جو سنگِ میل مقرر کیے ہیں وہ حتمی ہیں۔ منزل انھی سنگِ میل کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ جس نے کسی اور راہ پہ چلنا ہے اور منزل کی بھی امید رکھنی ہے وہ ایسا بے وقوف ہے جو چمکتے سورج کی روشنی کے باوجود بضد ہے کہ باہر رات ہے۔ ایسے کم فہم لوگوں کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے

۔کہنے کو ہم اپنا نوحہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم کس قدر بد بخت لوگ ہیں کہ اس وقت دنیا میں اٹھاون آزاد اور خود مختار اسلامی ریاستیں موجود ہیں، جن کی غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر کسی ایک ملک میں بھی قرآن کا نظام قائم نہیں۔سعودی حکومت نے شریعت کا نفاذ کیا ہے تو اس مملکت کے لوگ قانونِ قرآن کے ثمرات سے بھی بہرہ مند ہوئے ہیں۔آج سعودی عرب میں سب سے کم چور ہیں، سب سے کم قاتل ہیں، جرائم کی شرح دنیا بھر کے مقابلے میں سب سے کم ہے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے وہ یہ کہ بہ حیثیت امت مسلمانوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت موجود ہے۔اسلامی شعائر پہ عمل اور دین سے والہانہ وابستگی بھی موجود ہے ۔اسلام کے حقیقی نفاذ میں اِن مما لک کے سیاسی نظام ہی اصل رکاوٹ ہیں۔اہل مغرب نے مسلمان مما لک میں سازش کے ذریعے ایسے لوگ چشمہ اقتدار و قوت پر مسلط کر رکھے ہیں جن کے نام تو مسلمانوں والے ہیں اور وہ خود کو کہتے بھی مسلمان ہیں، مگر دراصل وہ مغرب کی غلامی میں ملوث ہیں اور اپنے ذاتی اور حقیر فائدے کے لیے اِن مٹھی بھر لوگوں نے پوری امت کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم امہ کی حالت اب بدلنے لگی ہے۔ایک دو صدیوں سے امت جس جمود کا شکار تھی اب وہ رفتہ رفتہ اس سے باہر آ رہی ہے۔چنانچہ جب میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تب تیونس میں عوامی جمہوری انقلاب مکمل ہو چکا ہے اور وہاں کے لوگوں نے اپنے ملک سے مغرب کے غلاموں کو نکال باہر کیا ہے اور اب حکومت اسلام پسند لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔مصر و شام میں شورش ہے مگر وہاں بھی اسلام پسند لوگوں کی بڑی اکثریت حکومتی ایوانوں میں داخل ہو چکی ہے۔لیبیا میں بھی برسوں قدیم آمریت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اگرچہ نظم حکومت ابھی وہاں مستحکم نہیں ہوا۔

اردن میں انقلاب آ چکا ہے اور شام کے لوگ انقلاب کے لیے اپنا گرم لہو شام کی سڑکوں پر بہا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اِن کو کامیابی عطا فرمائے۔ترکی میں اس سے قبل ہی اسلام پسند حکمران گزشتہ دس پندرہ سالوں سے حکومت میں ہیں افغانستان پر اگرچہ امریکہ نے قبضہ کر رکھا ہے

مگر عملاً وہ یہ جنگ ہار چکا ہے اور بارہا اپنے مخالفین کو مذاکرات کی دعوت دے چکا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت مستحکم ہو رہی ہے اور مذہبی جماعتیں اپنا اثر ورسوخ رکھتی ہیں اگرچہ اُن کا دائرہ کار محدود ہے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا کہ رواروی میں امت کا حال بھی بیان ہو گیا اگرچہ ہمیں قرآن وسنت کی اُن بشارات پر کامل یقین ہے جن میں اسلام کی بالادستی اور آخری فتح کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس نوید سے یہی مراد ہے کہ جب مسلمان قرآن حکیم کا دامن تھام لیں گے تو وہ خود ہی دوسرے لوگوں کی پیروی کا موجب بن جائیں گے مگر ابھی چونکہ وہ خود غفلت کی نیند میں ہیں اس لیے بظاہر غلبہ اہل مغرب کا نظر آتا ہے۔ اگرچہ خود اہل مغرب اپنے سماجی ومعاشی ڈھانچے کی موت پر عنقریب نوحہ کرنے والے ہیں۔

اس لیے کہ اہل مغرب اپنے طرزِ زیست میں شرف کی انتہائی پستیوں میں اتر چکے ہیں جہاں سے اِن کی واپسی ممکن دکھائی نہیں دیتی۔ اگرچہ بعض مغرب پرستوں کو دنیا کی ہر اچھائی انھی میں دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس بات کا اعلان فرما دیا کہ میں نے انسانیت پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اُن کے لیے دین اسلام کو مکمل کر دیا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۵۶)

ترجمہ؛

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کی تکمیل کر دی ہے اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ قرآنِ حکیم۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن خاص اعزازات سے نوازا ہے قرآن حکیم اُن میں درجے کے اعتبار سے یقیناً سب سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میری طرف سے لوگوں کی فلاح کے لیے آخری کتاب ہے جو کوئی اس کی پیروی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب فرمائیں گے اور جو اس کا انکار کریں گے اللہ تعالیٰ انھیں ذلت کے گڑھے میں دھکیل دیں گے۔ قرآن حکیم سے قبل اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں بھی لوگوں پر اتاریں گئیں لوگوں نے اکثر و بیشتر اِن کا انکار کیا بلکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کی۔ اپنے نفس کی اشتہا پر انھوں نے اللہ کی کتابوں کے پیغام کو بدل دیا جس کی وجہ سے وہ قومیں گمراہ ہوئیں اور ہلاک ہوگئیں۔ تاہم قرآن حکیم اللہ کی محفوظ کتاب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی رسالت چونکہ قیامت تک قائم رہنے والی ہے اس لیے آپ ﷺ پر اتاری جانے والی کتاب کو ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیا گیا۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی آیات اتاری ہیں۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ‎(23)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲ / ۲۳)

ترجمہ:

”اور (اے کافرو) اگر تمھیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے تو اس کی مانند ایک ہی سورۃ بنا لاؤ، اور اپنے ہمنواؤں کو بھی بلا لو، اللہ کے سوا

جس کی چاہے مدد لے لو اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے سورہ حجر میں ارشاد ہوتا ہے کہ :

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (9)

القرآن الحکیم (سورۃ البقرۃ ۲ / ۲۳)

ترجمہ؛

”(بے شک) یہ ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

شفاعت۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب میں نے تمھیں مقام محمود عطا فرمایا ہے۔یعنی سارا عالم آپ ﷺ کی تعریف و توصیف سے گونج جائے گا اور روزِ قیامت آپ ﷺ مومنین کی شفاعت کے مقام پر فائز ہوں گے۔شفاعت کا منصب اس قدر اعلیٰ ہے کہ اس سے بڑے کسی منصب کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ :

عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداً (79)

القرآن الحکیم (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ / ۷۹)

ترجمہ؛

”قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں مقام محمود پر فائز کر دے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ذکرِ رفیع ﷺ۔

اللہ تعالیٰ نے جب رسول اللہ ﷺ کو رسالت کا بارِ امانت عطا فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے شدید مخالفت کا سامنا تھا۔آپ ﷺ اپنی قوم سے اس قسم کی شدید مخالف کی توقع نہ کر رہے تھے۔ابتدائے نبوت میں جب ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جس وقت آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔

تب نبی اکرم ﷺ نے حیرت سے دریافت فرمایا؟

کیا میری قوم مجھے میرے ہی وطن سے نکال دے گی؟

حضرت ورقہ بن نوفل نے فرمایا آپ سے پہلے اللہ کے جو پیغمبر اللہ کا پیغام لے کر آتے رہے اُن کے ساتھ تو ایسا ہی ہوا تھا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب ہدایت کی اُس عمدہ بات کو اپنی قوم کے سامنے رکھا جو اُن پر اللہ رب العزت کی طرف سے اتاری جا رہی تھی تو آپ کی قوم نے اسے نفرت وحقارت سے رد کر دیا اور آپ ﷺ کی دشمن ہو گئی۔انھوں نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دیں، مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا، اُن کو زخمی کیا، اُن کو قتل کیا اور کامل تیرہ سال وہ انکار ہی کرتے رہے۔آخر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اُن کے وطن سے بھی نکال دیا۔رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں اپنی ہی قوم کے دستِ جبر کو سہہ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے قرآن حکیم میں یہ آیات اتاریں۔

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝

القرآن الحکیم (سورۃ الم نشرح ۹۴ / ۴)

ترجمہ:

”اور ہم نے تمھاری خاطر تمھارے ذکر کو بلند کر دیا“۔

بشارت ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل بہت سے انبیاء نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے اپنی قوموں کو آگاہ کیا اور ساتھ ہی اس بات کا حکم بھی دیا کہ اُن کی پیروی تم پر لازم ہوگی۔ انبیائے بنی اسرائیل نے تو خاص طور پر اپنی قوم کو رسول اللہ ﷺ کی آمد سے آگاہ فرمایا۔ مدینہ کے یہودیوں کے بارے میں تو رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے کہ اِن کی کتابوں میں میرا اس قدر ذکر ہے کہ یہ مجھے ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اس کے باوجود یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کا انکار کیا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی جیسا کہ قوم یہود سے اسلام قبول کرنے والے لوگوں نے اس امر کی گواہی دی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اُن کا تذکرہ اپنی مقدس کتابوں میں پاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک یہودی عالم تھے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا کرتے کہ اہل یہود ہی سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں اس لیے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ ﷺ کی بہت سی نشانیوں سے آگاہ فرمادیا تھا۔ یہاں قرآن حکیم سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی گواہی پیش کی جاتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ!

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ صف ۶۱/ ۶)

ترجمہ؛

''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور میں بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور جس کا نام احمد ہوگا''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

امت کی مائیں (رضی اللہ عنہم)۔

رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کرنے والوں کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں تمھاری مائیں ہیں۔ اُن کی عزت اور حرمت تم پر فرض کی جاتی ہے تم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اُن کی اسی انداز میں خبر گیری کرنی ہے جس طرح تم اپنی سگی ماؤں کی خبر گیری کرتے ہو۔ صحابہ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مکمل طور پر پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کو اپنی ماؤں سے بڑھ کے چاہا کہ دراصل وہ اللہ کے ہدایت یافتہ لوگ تھے۔ چنانچہ قرآن حکیم کی جس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں تمھاری مائیں ہیں اُس کو ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۶)

ترجمہ:

''بلاشبہ نبی اکرم ﷺ تو مومنوں کے لیے اپنی جانوں سے بڑھ کے عزیز ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں''۔

لعنت کے حقدار۔

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنی قوم کے سامنے دین حق پیش کیا تو انھوں نے شدید مزاحمت کی ،انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف محاذ قائم کرلیا۔تاہم یاد رہے کہ حد سے بڑھے ہوئے وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شدید عناد کا مظاہرہ کیا وہ لوگوں کا ایک مختصر گروہ تھا جس پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے اور انھیں بدترین انجام تک پہنچایا ہے۔یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے پوری قوم کو حق کے خلاف ورغلا رکھا تھا۔اِن میں نضر بن حارث تھا،ابوجہل تھا عقبہ بن ابی محیط تھا،امیہ بن خلف تھا،عتبہ بن ربیعہ تھا،ولید بن مغیرہ تھا،ابولہب تھا اور اسی قبیل کے چند لوگ تھے جو اپنی قوم میں طاقتور جانے جاتے تھے۔لوگ اِن سے ڈرتے بھی تھے اور اِن کی تعظیم بھی کرتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کی تیرہ سال تک دعوتِ حق بھی اہل مکہ کو زیادہ متاثر نہ کرسکی۔ اِن تیرہ سالوں میں حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ ہی ایسے دو افراد تھے جو طاقتور تھے اور انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا یا پھر غلاموں اور ناداروں کا ایک گروہ تھا جنھوں نے اسلام قبول کیا۔رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار تھے اور دوست تھے جو اسلام کے سائے میں آئے ۔ورنہ مجموعی طور پر قریش نے اسلام قبول کرنے سے انکار ہی کیا تھا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ پے در پے مسلمانوں اور قریش کے مابین کئی جنگیں بپا ہوئیں جن میں خاص طور پر وہ لوگ قتل ہوئے جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔

اس طرح قوم قریش اُن مفاسد سے پاک ہوگئی جنھوں نے اسلام کا راستہ روک رکھا تھا۔اس لیے آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد اہل عرب نے عام طور پر اسلام قبول کرلیا تھا۔چنانچہ وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے دشمن جانے جاتے تھے انھیں اس دنیا میں بھی ذلت کے ساتھ قتل کیا گیا

جیسا کہ ابو جہل ملعون کو عربوں کے ایک چرواہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قتل کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے بے گور و کفن لاشے میدانِ بدر میں پڑے تھے اور قریش اتنی عجلت میں بھاگے تھے کہ انھیں اپنے سرداروں کی لاشیں اٹھانے کی بھی ہوش نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر انھیں بدر کے ایک اندھے اور ویران کنویں میں پھینک دیا اور یہی وہ لوگ تھے جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتے تھے۔

انھی لوگوں کے متعلق قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ :

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (57)

القرآن الحکیم (سورۃ الاحزاب ۳۳ / ۵۷)

ترجمہ:

”جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اُن پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت فرمائی ہے اور اُن کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کیا گیا ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ عطیہ علم۔

رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اُمی اٹھایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہ جو بھی علم اتارا گیا وہ خاص ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اتارا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ ﷺ کے معلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ ﷺ کو تعلیم دی اور یہ اس قدر برتر اعزاز ہے کہ اس کو بیان تک کرنا مشکل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ :

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً (113)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴ / ۱۱۳)

ترجمہ؛

”اے نبی ﷺ (ہم نے) تم کو وہ کچھ سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے اور تم پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آگے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ :

سَنُقْرِؤُكَ فَلَا تَنسَى (6)

القرآن الحکیم (سورۃ الاعلیٰ ۸۷ / ٦)

ترجمہ؛

”اے نبی! ہم تجھے پڑھائیں گے جسے پھر آپ کبھی نہ بھولیں گے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حکم رسول اللہ ﷺ۔

اردو زبان میں یہ لفظ (حَکَم) معروف نہیں۔ ہمارے ہاں حکم کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی اور ہیں۔ حَکَم عربی زبان کا لفظ ہے، عرب اپنے اُس شخص کو حَکَم کہتے جس کی دانش مسلّمہ ہو۔ جس سے لوگ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے رجوع کرتے ہوں۔ اردو زبان میں مفہوم کے اعتبار سے منصف کا لفظ حَکَم کے کسی قدر قریب ہے، اگرچہ حَکَم میں جو معنوی وسعت

پائی جاتی ہے منصف میں وہ معنوی وسعت نہیں پائی جاتی۔عرب کے جاہلی معاشرے میں یہ خاص منصب عزت وتوقیر کا باعث جانا جاتا تھا۔عربوں کے حکم لوگوں کے مابین اس قدر عدل سے فیصلہ کیا کرتے کہ جنگ پر تیار قبیلے حکم کے فیصلے پر اپنی تلواروں کو نیاموں میں ڈال لیتے اور اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ جاتے۔فطری سی بات ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے اُن کے لیے اب رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کو حکم قرار دینا ممکن ہی نہ تھا اور یہ اُن کے ایمان کا اولین تقاضا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہی اپنا حکم جانیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ محکم اور اٹل اصول طے کر دیا کہ وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جو اپنے اختلافی معاملات میں رسول اللہ ﷺ کو حکم نہ جانے۔یادر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بغیر کسی کو حکم جانے مگر علماء نے اس بات کو بھی متعین کر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک مسلمانوں کے حکم ہیں۔یعنی رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو سامنے رکھ کے ہی مسلمانوں کے اختلافی معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ذیل میں پیش کی گئی آیات کی بنا پر ہی فقہا نے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم میں شک شبہ کرے یا اسے ماننے سے انکار کرے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔خود رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی بات ہم تک پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

قرآن حکیم کی جس آیت سے رسول اللہ ﷺ کا قیامت تک حکم مقرر ہونا ثابت ہے اسے ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (65)

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴ / ۶۵)

ترجمہ؛

''سو (اے محمد) تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر آپ جو فیصلہ کریں وہ اِس کو دل سے تسلیم کریں اور اپنے دلوں میں اس کے لیے تنگی محسوس نہ کریں''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ کتاب ونور۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب وحکمت سے نوازا گیا۔بعض لوگوں نے نور سے مراد آپ ﷺ کی ذات لی ہے،بعض نے کہا نور سے مراد رسالت ہے،بعض علماء کی رائے ہے کہ نور سے مراد قرآن ہے،کچھ علماء کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہی نور ہیں خواہ وہ قرآن کے احکامات ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتارا ہے یا وہ سنت صحیحہ ہو جو رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے امت کو پہنچی ہو۔ہمارے خیال میں یہ رائے کافی مستحکم ہے اس لیے کہ اگر نور سے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ذات لی جائے تو پھر یہ تضاد در آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد کیا یہ نور باقی نہیں رہا۔حالانکہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ پر اتاری گئی کتاب تو قیامت تک باقی رہنے والی ہے چنانچہ اغلب یہی ہے کہ کتاب وسنت ہی کو نور قرار دیا گیا ہے۔

واللہ اعلم

قرآن حکیم کی جس آیت کے بارے میں علماء کی رائے اوپر تحریر گئی اب اُس آیت کا مطالعہ

کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (15)

القرآن الحکیم (سورۃ المائدہ ۵ / ۱۵)

ترجمہ؛

”بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن اور واضح کتاب آچکی ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

✍ برہان۔

رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو برہان یعنی محکم اور روشن دلیل قرار دیا ہے۔ مفسرین نے اس مذکورہ آیت میں برہان کو رسول اللہ ﷺ کی ذات سے نسبت دی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور تعلیم کی جامعیت ہر انسانی معاملے اور ہر مشکل میں بنی نوع انسان کی رہنمائی کرتی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو برہان قرار دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے کہ :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ۔

القرآن الحکیم (سورۃ النساء ۴ / ۱۷۴)

ترجمہ؛

”بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن اور واضح کتاب آچکی ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

تعظیمِ رسول ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ کے خصائص اس قدر وسیع اور وقیع ہیں اور اُن کا تذکرہ اس قدر بسیط ہے کہ اِن کا احاطہ ہی ممکن نہیں۔ ہم نے تو صرف حصول سعادت کے لیے ایک کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات کو جن خصائص سے مزین کیا ہے اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی ازحد تعظیم کریں۔ چنانچہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ کسی بھی حالت میں اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور اُس کے رسول آنخضرت محمد ﷺ کے فیصلے پر مقدم نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے ادب واحترام کا انتہائی خیال رکھیں اور اپنی آواز کو رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند نہ کریں۔ صحابہ کہتے ہیں کہ سورہ حجرات میں جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے پست رکھیں تو ہم اس قدر خوف زدہ ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ سے اس قدر آہستگی سے بات کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کو سننے میں دشواری ہونے لگی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے جو آداب ہیں اُن کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اگرچہ اس حکم کے مخاطب وہی لوگ تھے جو عہدِ رسالت میں موجود تھے۔ تاہم فقہا نے لکھا ہے کہ یہ حکم قیامت تک ہے اور اب بھی قائم ہے اور مسلمانوں کی کسی مجلس میں جب رسول اللہ ﷺ کا نام لیا جائے یا آپ ﷺ کی حدیث بیان کی جائے یا رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کی جائے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس کو خاموشی اور اطمینان سے سنیں ورنہ بے توجہی سے وہی گناہ لازم آئے گا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے آداب کے خلاف مسلمانوں پر وارد ہوا ہو۔

چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَكُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِىِّ وَلَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ كَجَهۡرِ بَعۡضِكُمۡ لِبَعۡضٍ ۔۔

القرآن الحکیم (سورۃ الحجرات۴۹ / ۲۔۱)

ترجمہ:

''اے لوگوں جوایمان لائے ہواللہ اوراُس کے رسول کے آگے پیش قدمی مت کرواور اللہ سے ڈرو،اے لوگوجوایمان لائے ہواپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو،نہ اونچی آواز میں رسول اللہ ﷺ سے بات کروجس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہو''۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

عزت وشرف

رسول اللہ ﷺ کی امامت عظمی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے اوراس امر میں علماء متفق ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے منصب عظمی پراس حدیث سے بھی روشنی پڑتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ!

''ایک دن ہم اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے کسی جگہ مجلس سجائے بیٹھے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے ۔رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے ہم صحابہ آپس باتیں کررہے تھے ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایاتم جو بات کررہے تھے اسے جاری رکھو۔

ایک شخص بولا:اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اپنا خلیل بنایا۔

دوسرا بولا:اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔

تیسرے نے کہا:حضرت عیسی علیہ السلام کلمۃ اللہ اورروح اللہ ہیں۔

چوتھے نے کہا:اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کوبرگزیدہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی باتیں سنیں اور فرمایا:

میں نے تمھاری اِن باتوں کو سنا اور تمھارے تعجب کو محسوس کیا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں، ہاں وہ ایسے ہی ہیں۔ اللہ موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے ہاں ایسا ہی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں تو حقیقت میں وہ ایسے ہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب کیا اور انھیں برگزیدہ کیا اور واقعی وہ ایسے ہی ہیں لیکن سن لو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ بات میں فخر کے طور پہ نہیں کہتا کہ قیامت کے دن میں حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں جس کے نیچے آدم اور دوسرے تمام پیغمبر ہوں گے۔ اور اس پر مجھے فخر نہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں ہی لوگوں کی شفاعت کروں گا۔ سب سے پہلے جنت کے دروازے کی زنجیر میں ہی ہلاؤں گا اور اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کا دروازہ کھولیں گے اور مجھے اندر داخل کریں گے اور میرے ساتھ میرے فقرا مومنین ہوں گے اور یہ بات میں فخر کے طور پر بیان نہیں کرتا اور اللہ کے نزدیک میں سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ عزت والا ہوں اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر بیان نہیں کرتا"۔

✡ ✡ ✡

عام لوگوں میں بھی دیکھیں تو معاشرے میں اُس شخص کی بہت عزت کی جاتی ہے جو خوش اخلاق ہو، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے خوش خلقی کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ ذیل میں ہم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اخلاق وعمل پہ کچھ مباحث بیان کریں گے۔

اخلاق واعمال

وہ پرسعادت لمحات جب رسول ﷺ کے اخلاق کے عملی مظاہر لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے تھے گزر گئے۔مگر اُن کے اخلاق کا سایہ باقی رہا جو اس دنیا کے باقی رہنے کا جواز بنا اور رہتی دنیا تک لوگ اِن اعمال واخلاق کی پیروی پہ گامزن رہیں گے۔حقیقت یہ ہے کہ آج بھی جن دلوں میں سکون ہے،جن دلوں میں روشنی ہے،جن دلوں میں اطمینان ہے،جن دلوں میں آسودگی ہے،جن دلوں کی دھڑکن اعتدال پہ ہے،جن دلوں میں رونق ہے،جن دلوں میں درد ہے،جن دلوں میں سوز ہے،جن دلوں میں سکینت ہے،جن دلوں میں راحت ہے،جن دلوں میں حسن ہے،جن دلوں میں عشق ہے،جن دلوں میں مستی ہے،جن دلوں میں سرور ہے،جن دلوں میں خوف ہے،جن دلوں میں لرزہ ہے،جن دلوں میں حیا ہے،جن دلوں میں احساس ہے،جن دلوں میں نرمی ہے،جن دلوں میں گداز ہے،جن دلوں میں خوشبو ہے،جن دلوں میں شوق ہے،جن دلوں میں جستجو ہے،جن دلوں میں امنگ ہے،جن دلوں میں خنکی ہے،جن دلوں میں چاہت ہے تو یہ سب وہی دل ہیں جن کو اُسی اخلاق

وعمل سے حصہ دیا گیا جو عین فطرت ہے جو اخلاق مصطفیٰ ﷺ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو جن اخلاقی رفعتوں سے نوازا گیا اُن سے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کے کون واقف ہوگا تو جب اُن سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا:

تم قرآن نہیں پڑھتے؟

جو کچھ قرآن ہے وہی تو رسول اللہ ﷺ کا اخلاق ہے۔

اور قرآن خود بھی تو رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا گواہ ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

"اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ"۔

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران)

ترجمہ؛

"(اے محمد ﷺ) بے شک تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مزید ارشاد ہوا کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳۔آیت ۱۵۹)

ترجمہ؛

خدا کی عنایت سے تم اِن سے نرمی سے پیش آتے ہو، اگر کہیں تمہیں کج خلق اور سخت

دل ہوتے تو یہ لوگ تمھارے آس پاس سے ہٹ جاتے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور سورہ توبہ میں فرمایا گیا کہ:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○

(القرآن الحکیم سورۃ توبہ۹۔آیت ۱۲۸)

ترجمہ؛

”تمھارے پاس تم میں سے خود ایک پیغمبر آیا اس پہ تمھاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے۔وہ تمھاری بھلائی کا خواہش مند ہے،اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے“۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ صحابہ کرام جنھوں نے اپنے روز وشب رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بسر کیے اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اس قدر عمدہ تھے کہ کسی اور کو آپ ﷺ پہ کبھی اخلاقی برتری حاصل نہ ہوئی۔ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد آپ ﷺ کے اخلاق یکساں تھے۔ اپنے تو اپنے خود دشمن بھی رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے گواہ تھے،وہ بدبخت رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا تو انکار کرتے مگر امانت رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی آتے۔

حضرت خدیجہؓ فرماتی ہیں:

خدا کی قسم!اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا،وہ کبھی آپ کو غمگین نہ کرے گا،آپ صلہ رحمی کرتے ہیں،مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں،غریبوں کی اعانت کرتے ہیں،مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں،حق کی حمایت کرتے ہیں،مصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔یہی رسول اللہ ﷺ کے اخلاق تھے۔

حضرت عائشہؓ جو رسول اللہ ﷺ کی محبوب زوجہ تھیں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں فرماتی ہیں:

رسول اللہ ﷺ کسی کو برا بھلا نہ کہتے تھے، آپ ﷺ برائی کے بدلے برائی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے اور معاف فرمادیتے۔ جب آپ ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ﷺ اُس بات کو اختیار کرتے جس میں آسانی ہو، آپ ﷺ ہمیشہ گناہ اور عصیان سے دور رہتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہ لیا تھا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرے اُس پہ حد قائم کی جاتی۔

صحابہ نے فرمایا کہ:

ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کا نام لے کر اُس پہ لعنت کی ہو۔ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہ مارا تھا نہ کسی غلام کو نہ کسی لونڈی کو نہ کسی عورت کو نہ کسی مرد کو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی جانور کو بھی نہ مارا تھا۔

آپ ﷺ نے کبھی کسی کا سوال رد نہ کیا تھا۔ آپ ﷺ کا رویہ دوستوں کے ساتھ نہایت خوشگوار ہوتا۔ جب آپ ﷺ کے گھر کے اندر تشریف لے جاتے نہایت خنداں مسکراتے ہوئے سلام کر کے گھر میں داخل ہوتے۔ جب دوستوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے تو ٹانگیں پھیلا کر نہ بیٹھا کرتے۔ آپ ﷺ اس قدر ٹھہر ٹھہر کے گفتگو فرماتے کہ اگر کوئی لکھنا چاہتا تو لکھ سکتا اگر کوئی یاد کرنا چاہتا تو یاد کر سکتا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق بیان کیے۔ کہا گیا کہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت حسین ابن علیؓ نے اپنے باپ حضرت علی ابن طالبؓ سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا' رسول اللہ ﷺ خندہ جبیں، نرم خو اور مہربان طبع تھے، آپ ﷺ سخت مزاج اور تنگ دل ہرگز نہ تھے۔ نبی اکرم ﷺ عام طور پہ خاموش رہتے۔ دوسرے لوگوں

کی طرح بات بات پہ شور نہیں کرتے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کے منہ سے کبھی کوئی برا کلمہ نہیں سنا۔ آپ ﷺ عیب جو اور تنگ نظر نہ تھے۔ اگر کوئی ایسی بات ہو جاتی جسے آپ ﷺ پسند نہ فرماتے تب بھی آپ ﷺ خاموش رہتے، اغماض برتتے اگر کوئی شخص کسی معاملے میں آپ سے کوئی امید لگائے بیٹھا ہوتو آپ ﷺ اُسے مایوس نہ کرتے۔ اور اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے ایسا مطالبہ کرے جسے آپ ﷺ پسند نہ کرتے تب بھی آپ ﷺ صراحتاً انکار نہ کرتے بلکہ اشارہ کنایہ میں بات کرتے۔ یا کبھی کبھی خاموش ہو جاتے، مزاج شناس سمجھ جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کی منشا کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کو تین چیزوں سے محفوظ کر رکھا تھا۔ یعنی آپ ﷺ بحث و مباحثہ نہ کرتے، ضرورت سے زیادہ بات نہ کرتے جس بات سے مطلب نہ ہو اُس سے دور رہتے۔ نبی اکرم ﷺ اکثر ہم کو دین کی باتیں بتایا کرتے آخرت کا تذکرہ ہوتا دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی پائیداری کی بات کی جاتی قرآن پڑھا جاتا، سمجھا اور سیکھا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ وہی باتیں کرتے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔ جب آپ ﷺ کلام کرتے تو صحابہ اس قدر خاموش اور باادب ہو جاتے کہ اُن کے جسم سے حرکت تک مفقود ہو جاتی اور یوں محسوس ہوتا جیسے اُن کے سروں پہ پرندے بیٹھے ہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اور صحابہ تب تک آپس میں ایک دوسرے سے بات نہ کرتے جب تک رسول اللہ ﷺ چپ نہ ہو لیتے۔ جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا تو آپ ﷺ اُس کی طرف جھک جاتے اور اس قدر توجہ سے اُس کی بات سنتے کہ اُس آدمی کو اپنی بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔ جب تک دوسرا شخص اپنی بات مکمل نہ کر لیتا رسول اللہ ﷺ اُسے درمیان سے نہ ٹوکتے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کسی کی عیب گوئی سے دور رہتے، کسی کو برا بھلا نہ کہتے، کسی کے ذاتی معاملات کی کھوج کرید نہ کرتے۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ صحرا سے کوئی شخص آیا اور نہایت سخت لہجے میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا تو آپ ﷺ

تحمل فرماتے اور اُس شخص کے ساتھ اس طرح نرمی سے پیش آتے کہ کچھ دیر بعد وہی شخص رسول اللہ ﷺ کا دیوانہ ہو چکا ہوتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ بہت جلد گھل مل جاتے، جب دوسرے لوگ ہنستے تو آپ ﷺ بھی ہنستے، جب لوگ کسی بات پہ حیران ہوتے تو آپ ﷺ بھی اُن کے ساتھ حیران ہوتے۔ نبی اکرم ﷺ دوسرے لوگوں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے۔ تاہم آپ ﷺ کی کسی مہربانی کا کوئی شخص شکریہ ادا کرتے تو آپ ﷺ اسے قبول کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا اور رعب رسالت میں آ جاتا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا رسول اللہ ﷺ ہی کے آغوش پروردہ تھے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نرم خو تھے، کبھی کسی کی توہین نہ کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پہ لوگوں کا شکریہ ادا فرماتے تھے۔ کسی چیز کو برا نہ کہتے جو کچھ کھانے کے لیے پیش کیا جاتا قبول فرماتے جی چاہتا تو کھا لیتے ورنہ خاموش ہو رہتے۔ صرف اُس وقت غصہ آتا جب کوئی اپنے کفر و شرک پہ جمے رہنے کی ضد کرتا اور اپنے معبودوں کی وکالت میں رسول اللہ ﷺ سے بحث کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ جو کام بھی کرتے اُس میں مداومت اختیار کرتے۔ چنانچہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے عمدہ اخلاق کے اس قدر عادی ہو چکے تھے جیسے پھول سے ہمیشہ خوشبو اور سورج سے ہمیشہ روشنی ہی کی توقع کی جاتی ہے۔ لوگ ہمیشہ آپ ﷺ کے عمدہ اخلاق کے مشتاق رہتے یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے گرد صحابہ اس طرح گھیرا کیے رہتے جس طرح پروانے شمع کو گھیرے رکھتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کے حسن خلق کے تذکرہ مزید میں صحابہ سے منقول کچھ واقعات تحریر کئے جاتے ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کے حسن اخلاق پہ روشنی پڑتی ہے۔ابوشعیب انصاریؓ سے روایت ہے کہ اُن دنوں مسلمان تنگ دستی کی حالت میں تھے میں رسول اللہ ﷺ سے ملا تو مجھے محسوس ہوا رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں۔میرا غلام مدینہ کے بازار میں بیٹھا گوشت فروخت کرتا تھا۔میں نے اپنے غلام کو کہلا بھیجا گوشت بیچنا بند کردو اور گھر پہنچ جاؤ۔وہ آیا تو میں نے اُس سے کہا جتنا گوشت بچا ہے اُس کو بھون ڈالو۔وہ گوشت پکانے لگا اور میں رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوگیا۔میں نے نبی اکرم ﷺ کو تلاش کیا اور عرض کی؛ یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کے لیے گوشت پکایا ہے۔میرے ساتھ تشریف لے چلیں اور گوشت کھائیں۔نبی اکرم ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے تھے جو تعداد میں چار تھے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہم پانچ لوگ ہیں۔

حضرت ابوشعیب نے رضی اللہ عنہ فرمایا' کوئی حرج نہیں یا رسول اللہ ﷺ تشریف لے آیئے۔

حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کو دعوت دینے کے بعد رخصت ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اُن کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔راستہ میں ایک اور صحابی ساتھ ہولیا اور رسول اللہ ﷺ سے دین کی باتیں کرنے لگا۔

حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور اندر آنے اجازت طلب کی۔

حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ ایک طرف ہوگئے تاکہ رسول اللہ ﷺ گزر سکیں مگر رسول اللہ ﷺ کھڑے رہے اور فرمایا:

ہم راستے میں تھے کہ ہمارے ساتھ ایک اور شخص شامل ہوگیا ہے اگر تم کہو تو ہم اُسے ساتھ لاتے ہیں اور اگر تم کہو تو ہم اسے واپس بھیج دیتے ہیں۔

حضرت ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اُسے ساتھ لے آئیں اللہ برکت ڈالے گا۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اُن کے گھر کے اندر تشریف لائے اور کھانا کھایا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ پہنچے تو مہاجرین کے قیام وطعام کے مسائل حل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کو دس دس کے گروہ میں تقسیم کر دیا۔ میں یعنی مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ صحابہ کے اُس گروہ میں شامل تھا جس میں خود رسول اللہ ﷺ شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں ہم جس گھر میں ٹھہرے اُس گھر میں چند بکریاں تھیں اور کھانے کو کچھ نہ تھا۔ ہم سب کا گزارا انھی بکریوں کے دودھ پہ ہوتا تھا۔ ہم شام کو بکریاں دھوتے اور دودھ پی لیتے۔ اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو ہم انھیں دودھ پیش کرتے جسے وہ پی لیتے۔ اگر رسول اللہ ﷺ تبلیغ کے لیے کہیں گئے ہوتے تو ہم دودھ سے بھرا پیالہ ایک جگہ رکھ دیتے۔ ایک شام رسول اللہ ﷺ گھر میں موجود نہ تھے۔ پتہ نہیں کون دودھ کا وہ پیالہ بھی پی گیا جو رسول اللہ ﷺ کے لیے رکھا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد تشریف لائے تو دیکھا کہ دودھ کا پیالہ خالی ہے۔

نبی اکرم ﷺ خاموش ہو رہے اور کسی سے کچھ نہ کہا:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا:

آج جو مجھے کھائے گا اللہ اِس کو کھلائیں گے۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اٹھے اور چھری لیے بکریوں کی طرف بڑھے۔

رسول اللہ ﷺ اُن کو دیکھ رہے تھے فرمایا کیا کرنے لگے ہو۔

فرمایا: اس بکری کو ذبح کرتا ہوں تا کہ آپ ﷺ کے لیے گوشت پکایا جا سکے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بکری کو ذبح مت کرو بلکہ اس کا دودھ دہو لو۔

مگر بکری سے دودھ تو نکالا جا چکا ہے' حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

نہیں تم دودھ دھولو۔

مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں بغیر کچھ کہے بکری کی طرف گیا اور اُس کو دھونا شروع کیا بکری نے بخوشی دودھ دیا جسے رسول اللہ ﷺ نے سیر ہو کے پیا اور میرے لیے دعائے خیر فرمائی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اصحابِ بدر سے بہت محبت کرتے تھے اور صحابہ کو فرمایا کرتے تھے تم کبھی بھی اصحاب بدر کے برابر نہیں ہو سکتے جن کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اصحاب بدر میں سے تھے۔ وہ آنحضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ اب مجھے نظر بہت کم آتا ہے۔ میں مسجد نبوی میں آ کر نماز پڑھنے سے معذور ہوں۔ اگر آپ ﷺ مہربانی فرمائیں تو میرے گھر میں آ کر ایک جگہ نماز ادا کریں۔ اس کے بعد میں اُسی جگہ نماز ادا کر لیا کروں گا۔ نبی اکرم ﷺ نے اُن کی درخواست قبول فرمالی اور اگلے روز عصر کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا بتاؤ میں کہاں نماز ادا کروں۔ انھوں نے ایک جگہ کی نشاندہی کی۔ نبی اکرم ﷺ نے اُس جگہ نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اہل محلّہ نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کی اور خزیرہ نامی کھانا پیش کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے خوش ہو کے کھانا کھایا۔ صحابہ کی جماعت بھی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھی۔ صحابہ میں سے کسی نے کہا مالک بن دخیش نظر نہیں آتے۔ کسی نے کہا: رہنے دو وہ تو منافق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس بات کا برا منایا اور صحابہ سے فرمایا:

سنو وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں اُن کے متعلق اس طرح مت کہو۔

دیگر کئی صحابہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ مالک بن دخیش کا رجحان منافقین کی طرف ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تب بھی صحابہ کی بات نہ مانی اور فرمایا:

جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے لا الہٰ الا اللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پہ جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے ملنے کے لیے اکثر اوقات اُن کے گھروں یا نخلستانوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت محمد ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملنے تشریف لے گئے۔رسول اللہ ﷺ کافی وقت اُن کے کھجوروں کے باغ میں بیٹھے رہے۔حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھجوروں کا ایک تشت پیش کیا اور ساتھ ہی دور کے ایک کنویں سے لایا ہوا ٹھنڈا اور میٹھا پانی پیش کیا۔رسول اللہ ﷺ ٹھنڈا اور میٹھا پانی بہت پسند کرتے تھے ۔ جب رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلاموں کو اونٹنی تیار کرنے کا حکم دیا تا کہ رسول اللہ ﷺ سوار ہو کے واپس جا سکیں۔رسول اللہ ﷺ اونٹنی پہ سوار ہوئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اونٹنی کی مہار تھام لو اور رسول اللہ ﷺ کو مدینے چھوڑ آؤ۔انھوں نے اونٹنی کی مہار تھام لی اور چل دیئے۔وہ مدینے کی روایتی گرم دوپہر تھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے احسن اخلاق کے باعث حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ میرے پیچھے سوار ہو جاؤ گرمی بہت ہے۔

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ادب کے باعث انکار کیا اور چلتے رہے۔

مگر حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تکلیف رسول اللہ ﷺ سے برداشت نہ ہو رہی تھی اس لیے آپ ﷺ انھیں رُک جانے کا حکم دیا۔

وہ رُک گئے تو فرمایا:

یا تو تم میرے پیچھے اس اونٹ پہ سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ۔

حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی مہار رسول اللہ ﷺ کو تھما دی اور عرض کیا آپ تشریف لے جائیں میں واپس چلا جاتا ہوں۔

چنانچہ حضرت قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ مدینے تشریف لے آئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حبشہ کے نجاشی بادشاہ رسول اللہ ﷺ کی بہت تکریم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اہل مکہ کا ظلم جب ایک حد سے بڑھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا ہجرت کر جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے سوال کیا؟

کہاں یا رسول اللہ:

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا حبشہ، جہاں ایک عادل بادشاہ کی حکومت ہے۔

چنانچہ ستر صحابہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے شاہ حبشہ کے نام ایک خط بھی لکھا جس میں شاہ حبشہ کو اصحاب رسول کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ صحابہ حبشہ پہنچے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا خط شاہ حبشہ کو پیش کیا۔ شاہ حبشہ نے حسب حکم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔

ساتھ یا آٹھ ہجری میں رسول اللہ ﷺ ہجری میں اہل حبشہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وفد کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیئے۔

صحابہ نے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ ہم اِن کاموں کے لیے کافی ہیں۔

تاہم نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں جب میرے اصحاب اِن کے ہاں گئے تھے تو اِن لوگوں نے اِن کی خوب خدمت کی تھی۔ اس لیے میں بھی اِن کی خوب خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ فرماتے ہیں جب تک خیبر فتح نہ ہوا تھا ہم نے پیٹ بھر کے کھانا نہ کھایا تھا یعنی ہمیں آسودگی حاصل نہ تھی۔ چنانچہ تنگ دستی کے انھی دنوں کا واقعہ ہے جب مسلمانوں کو ایک قحط کا سامنا بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی حضرت عبادہ بن شرجیل رضی اللہ عنہ بھوک سے بے تاب ہوا ٹھے اور ایک باغ میں گھس گئے۔

انھوں نے کھجوروں کے بہت سے خوشے توڑ لیے اور اپنی جھولی میں ڈال لیے تھے کہ انھیں باغ کے مالک نے دیکھ لیا۔

مالک نے انھیں پکڑ لیا اور خوب مارا اور اُن کے کپڑے تک اتروا لیے۔

حضرت عبادہ بن شرجیل رضی اللہ عنہ شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے باغ کے مالک کو طلب کیا کہ وہ بھی اصحاب رسول میں شامل تھے۔

آپ ﷺ نے باغ کے مالک سے فرمایا:

یہ جاہل تھا تم کو چاہیے تھا کہ اسے تعلیم دیتے، یہ بھوکا تھا تم کو چاہیے تھا کہ اس کو کھانا دیتے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے باغ کے مالک سے اُن کے کپڑے واپس دلوائے اور اپنے پاس سے ساٹھ صاع غلہ حضرت شرجیل بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا اور ساتھ ہی اُن کو بتایا کہ چوری گناہ ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ یہودیوں کی عورتوں کو جب ایام آتے تو وہ اِن سے بات چیت بند کر دیتے۔ اِن کے ساتھ کھانا نہ کھاتے اور نہ ہی اِن کے ساتھ سوتے بلکہ انھیں گھروں سے بھی نکال دیتے۔ صحابہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو قرآن حکیم میں آیت اتاری گئی جس میں صحابہ کو ایام کی حالت میں عورتوں کے قریب جانے سے روک دیا گیا۔ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تشریح پوچھی تو آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

صرف مقاربت سے رُک جاؤ اور کچھ نہیں۔

اس بات کا علم یہودیوں کو ہوا تو وہ کہنے لگے۔

یہ شخص تو ہر بات میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔

بعض صحابہ کو یہودیوں کی یہ بات بری لگی۔ دو صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔

یا رسول اللہ ﷺ یہودیوں کی مخالفت میں کیوں نہ ہم ایام میں اپنی عورتوں سے صحبت کر لیا کریں۔

اپنے صحابہ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بری لگی۔

آپ ﷺ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا آپ نے فرمایا جب قرآن میں ایک صاف حکم آ چکا ہے تب تم نے اس کی مخالفت کا سوچا بھی کیسے۔

وہ صحابہ اُٹھ کے چلے گئے۔

مگر رسول اللہ ﷺ کے دل میں آیا کہ شاید میرا لہجہ کچھ سخت تھا شاید میرے صحابہ کو برا لگا ہو۔

آپ ﷺ بے چین ہوا اٹھے۔

آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا۔

کھانے پینے کی کچھ اشیاء لو اور میرے اِن اصحاب کو جا کر میری طرف سے پیش کرو اُن سے بات چیت کرو اور معلوم کرو کہ انھیں میری بات بری تو نہیں لگی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی۔

واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے بے چینی سے دریافت کیا؟

بلال کیا خبر لائے ہو؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ اُن صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بھیجی گئی اشیاء کو خوشی سے قبول کیا ہے اور ایسی کوئی بات نہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا ہے۔

تب جا کے رسول اللہ ﷺ کو کچھ تسکین حاصل ہوئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کا حسن اخلاق تو اس قدر بلند ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اس کی شہادت پیش کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اگر کسی صحابی کی کوئی بات پسند نہ آتی تو بھری مجلس میں اُسے شرمندہ نہ کرتے بلکہ طریقے سے اپنی بات اُس تک پہنچا دیتے۔ چنانچہ ایک بار ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اُس نے نہایت تیز اور آنکھوں کو چبھنے والا زرد رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔نبی اکرم ﷺ نے اِس شخص کے لباس کو ناپسند کیا مگر اُس شخص کو براہ راست کچھ کہنے سے گریز کیا۔تھوڑی دیر بعد جب وہ شخص سلام کر کے رخصت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

اس شخص سے کہنا' اپنے لباس سے اس رنگ کو دھو ڈالے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی۔

رسول اللہ ﷺ اٹھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

یہ اپنے قبیلے کا نہایت ہی برا آدمی ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ اٹھے اور باہر چلے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں پردے کی اوٹ سے رسول اللہ ﷺ اور اُس شخص کی باتیں سن رہی تھی۔رسول اللہ ﷺ اُس شخص کے ساتھ نہایت نرمی اور محبت سے گفتگو کر رہے تھے۔

جب وہ شخص چلا گیا تو رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے تو فرمایا تھا یہ شخص نہایت برا ہے مگر آپ ﷺ اس سے اس طرح بات کر رہے تھے جیسے وہ برسوں سے آپ ﷺ کا دوست رہا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عائشہ! میں نے کہا تھا وہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔اب برے کے ساتھ آدمی برا تو نہیں بن جاتا۔

عائشہ! یادرکھو خدا کے نزدیک سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اُس کے ساتھ بولنا چھوڑ دیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بہت لوگ ہوتے تھے مسجد کا صحن بھرا رہتا تھا۔جو لوگ پہلے آ کے بیٹھ جاتے تھے اُن کی وجہ سے بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی تھی۔تاہم رسول اللہ صحابہ سے فرماتے اپنے ساتھیوں کے لیے جگہ بناؤ۔

صحابہ نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی خاص شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر کھڑے ہو جاتے گرمجوشی سے آنے والے کا استقبال کرتے اور اُس کے بیٹھنے کے لیے اپنے چادر اتار کے زمین پہ بچھا دیتے اور یہ انتہائے تکریم تھی۔یادرہے کہ بہت ہی کم لوگوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے لیے اپنی چادر بچھائی ہو۔

جہاں تک ہمیں علم ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے رضاعی والد رضاعی والدہ اور رضاعی بہن کے لیے اپنی چادر بچھائی اور انھیں بٹھانے کے لیے عزت کی جگہ عطا کی۔صحابہ نے بیان کیا ہے کہ جعرانہ کے مقام پہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں میں غزوہ حنین میں ہاتھ آیا مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک عورت آئی جو رسول اللہ ﷺ کو اپنا بھائی بتاتی تھی۔وہ حضرت شیماء تھی جو حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھی۔صحابہ نے اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔

حضرت شیماء نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا:

میں آپ کی بہن ہوں کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔

رسول اللہ ﷺ نے انکار کیا۔

تو اُس عورت نے کہا:

اے اللہ کے رسول: کیا آپ کو یاد نہیں کہ جب آپ چھوٹے سے تھے اور میں نے آپ کو گودی میں اٹھا رکھا تھا تب آپ نے میرے کندھے پہ اپنے دانت گاڑ دیئے تھے اُس کا نشان آج تک میرے کندھے پہ موجود ہے۔ اور انھوں نے اپنے کندھے سے کپڑا سرکا کر رسول اللہ ﷺ کو دکھایا۔

رسول اللہ ﷺ بے چین ہو کر اٹھے اور اپنی بہن کو گلے سے لگایا اُن کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھائی۔

اس بعد آپ ﷺ نے اپنی بہن کو بہت سے مال و دولت سے نوازا اور فرمایا اگر تم ہمارے پاس رہنا چاہو تو ہم تمھیں عزت و اعزاز کے ساتھ رکھیں گے اگر تم چاہو تو ہم تمھیں مال و دولت عطا فرمائیں گے اور تمھیں تمھارے لوگوں کے پاس بھیج دیں گے۔

حضرت شیماء نے فرمایا:

مجھے میرے قبیلے میں واپس بھیج دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اچھا پھر کچھ دن رُک جاؤ جب تمھارے قبیلے کی طرف کوئی قافلہ جائے گا ہم تمھیں بھیج دیں گے۔

کچھ روز بعد جب بنو سعد کی طرف جانے والا ایک قافلہ تیار ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہن کو بہت سا مال و دولت عطا کیا اور انھیں عزت سے رخصت کیا۔

دیکھا گیا ہے معاشرے میں تمام لوگ عزت و وقار کے حامل نہیں ہوتے ، بہت سے لوگ ہیں جن سے لوگ کتراتے ہیں اُن سے معاملہ کرنے سے گریزاں نظر آتے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ اگر انسان اسوہ رسول کو اپنا لے تو اُن کو معاشرہ سر آنکھوں پہ بٹھائے۔

حسن معاملہ

انسان جب لوگوں کے بیچ زندگی گزارتا ہے تو اسے ہر لمحہ لوگوں سے معاملات کرنے پڑتے ہیں۔ ہر قسم کے لوگوں سے معاملات کرنا پڑتے ہیں۔ انسان چونکہ معاشرے کا ایک فرد ہوتا ہے اس لیے اُس پہ معاشرے کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ معاشرت، زندگی گزارنے کو کہتے ہیں اور انسانوں کا کوئی گروہ کس طرح زندگی بسر کرتا ہے اسی حوالے سے اُس کی پہچان کی جاتی ہے۔ عام طور پہ مجموعی طرز عمل سے ہی معاشرت کی بنیاد پڑتی ہے۔ عربوں کے معاشرے میں شدت پسندی غالب تھی وہ اپنے جذبوں اور اُن کے اظہار میں شدت پسند تھے۔ اور ایسے ہی معاشرے کی تربیت کا مشکل فرض رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے جب نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا تب لوگ رسول اللہ ﷺ کو صادق و امین کے لقب سے جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہر اُس برائی سے محفوظ تھے جو عرب معاشرے کا عموم تھی۔ عرب دھوکہ دہی، چوری، غصب اور راہزنی کو برائی نہ جانتے تھے اور ایسے معاشرے میں رسول اللہ ﷺ ایک روشن چراغ کی طرح تھے اور اہل عرب کو اِس

بات کا اعتراف تھا۔ بات تو تب بگڑی جب رسول اللہ ﷺ نے اُن کو بت پرستی سے منع کیا اور توحید کی دعوت دی۔ اس کے باوجود کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت سے انکاری تھے انھیں رسول اللہ ﷺ کی امانت و دیانت پہ اس قدر اعتماد تھا کہ اپنی امانتوں کو رسول اللہ ﷺ ہی پاس محفوظ سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی طبع میں سخاوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے عام طور پہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مال نہ ٹھہرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی سائل کو مایوس نہ لوٹایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے پیچھے کوئی جائیداد نہ چھوڑی حتیٰ کہ آپ ﷺ کی زرہ چند صاع جو کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن رکھی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے چالیس سال اہل مکہ کے بیچ گزارے تھے مگر آپ ﷺ کے اُجلے کردار پہ کوئی داغ نہ تھا۔ چاہے اپنے ہوں یا بیگانے سب اس بات کے معترف تھے حسن معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک بار مدینہ میں رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ بدوی عربوں کا ایک قافلہ اسلام قبول کرنے کے لیے اترا۔ اُن میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب بیٹھ گیا اور بے تکلفی سے باتیں کرنے لگا۔ صحابہ نے حیرت کا اظہار کیا تو اُس شخص نے کہا' حیران ہونے کی کوئی بات نہیں مکہ میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے برسوں اکھٹے تجارت کی ہے اور میں نے حسن معاملہ میں رسول اللہ ﷺ بڑھ کے کسی کو نہیں پایا اللہ اِن پہ اپنی رحمت فرمائے انھوں نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا اور حساب کتاب کے معاملے میں نہ کبھی جرح کی نہ سختی۔ اُن کا نام سائب تھا۔ مدینہ میں عام طور پہ یہودی ساہوکار ہی دولت مند تھے اس لیے مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کو جب بھی مال و دولت کی ضرورت پڑتی تو انھی سے قرض لینا پڑتا اور مدینہ کے یہودی اس قدر بدقسمت تھے کہ جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدتمیزی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ کے بہت سے واقعات روایت ہوئے ہیں۔ چند واقعات ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں، شاید انھیں پڑھ کے ہم بھی اپنی زندگی کے معاملات میں نظر ثانی کریں کہ یہی مقصود

ہے یہی مطلوب ہے اور یہی کامیابی کی راہ ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے چند صاع کھجوریں قرض لیں یاد رہے کہ عام طور پہ رسول اللہ ﷺ دوسرے لوگوں کی ضرورت پورا کرنے کے لیے ہی قرض لیا کرتے تھے ۔ چند روز گزرنے کے بعد قرض خواہ نے رسول اللہ ﷺ سے کھجوروں کا مطالبہ کر دیا۔رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت قرض چکانے کے لیے کچھ نہ تھا۔تاہم رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ اس شخص کی اتنے صاع کھجوریں مجھ پہ قرض ہے تم اس کو ادا کر دو بعد میں مجھ سے لے لینا۔انصاری صحابی نے حامی بھر لی اور قرض خواہ کو اپنے ساتھ لے گئے اور اُس کا قرض ادا کر دیا تاہم تھوڑی دیر بعد ہی قرض خواہ پھر سے مسجد نبوی میں آ گیا اور واویلہ مچا دیا۔صحابہ نے اسے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تم شور کیوں کر رہے ہو کیا تمھارا قرض ادا نہیں ہو گیا؟

اُس شخص نے کہا:

قرض تو ادا ہو گیا ہے مگر میری کھجوریں عمدہ تھیں اور جو کھجوریں مجھے دی گئی ہیں وہ کم تر معیار کی ہیں اس لیے میں یہ کھجوریں نہ لوں گا۔

صحابہ نے اُس شخص کی سرزنش کی اور کہا:

تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ کا درجہ کیا ہے کیا تم آپ ﷺ کو انکار کر رہے ہو اُس نے کہا: آنحضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اگر وہ بھی عدل نہ کریں گے تو کون کرے گا رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے یہ الفاظ سنے تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے آپ ﷺ نے فرمایا:

اس شخص کو چھوڑ دو اس نے بالکل درست بات کی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی اور صحابی کو حکم دیا اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو عمدہ کھجوریں دو

کیونکہ اس نے جو کھجوریں مجھے دیں ہیں وہ واقعتاً عمدہ تھیں۔
اُس شخص کا قرض ادا کر دیا گیا وہ شخص پھر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے یقیناً میرے ساتھ عدل کیا آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا؟ جابر کہاں رہ گیا ہے۔
رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ بہت کمزور ہے اور چلنے سے بھی بیزار ہے اس لیے وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔
نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو چلتے رہنے کا حکم دیا اور خود رخ موڑ کے پیچھے کی طرف چل دیئے انھوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ اُن کا اونٹ چلنے تک سے انکاری ہو چکا تھا۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جابر کیا ہوا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔
یارسول اللہ ﷺ میرا اونٹ اڑ گیا ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور نیچے اتر آئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کسی درخت سے ایک ٹہنی توڑ لاؤ۔
انھوں نے ایسا ہی کیا۔
رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے وہ ٹہنی لی اور اس سے اونٹ کو ٹھوکا اور زبان سے بھی اونٹ کو حکم دیا اپنے مالک کی اطاعت کر اور سرکشی باز رہ۔
اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا سوار ہو جاؤ۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سوار ہو گئے اور اب وہی اونٹ اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے

اونٹ سے آگے نکل نکل جاتا تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہ مشکل اسے روکتے تھے۔

اب جابر رضی اللہ عنہ کا اونٹ رسول اللہ ﷺ کے شاندار اونٹ کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے مذاقاً فرمایا:

جابر تمھارا اونٹ تو بہت شاندار ہے کیا تم اسے بیچو گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا!

ضرور یا رسول اللہ ﷺ:

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم مجھ سے اس اونٹ کے دو دینار لے لو:

مگر یہ اونٹ تو چار دینار کا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا؛

چلو چار دینار ہی لے لو۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

چار دینار پہ سودا طے پا گیا۔

مسلمانوں کا لشکر مدینہ پہنچ گیا۔ اگلے روز رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو وہ اونٹ مسجد نبوی کے باہر بندھا ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا؟

یہ اونٹ کس کا ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ بتایا کہ یہ اونٹ جابر یہاں باندھ گئے ہیں وہ کہہ رہے تھے آپ ﷺ نے اسے خریدا ہے۔

نبی اکرم ﷺ مسکرا دیئے۔

نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: جابر رضی اللہ عنہ کو چار سرخ دینار دے دو اور ساتھ ہی یہ اونٹ بھی اُسی کو دے دینا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحرا کے بدوی عام طور پہ درشت مزاج ہوا کرتے تھے۔ایک روز صحابہ نے دیکھا کہ ایک بدوی مسجد نبوی کے دروازے کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے اونچی آواز میں بات کر رہا ہے تو صحابہ اُس طرف دوڑے۔

انھوں نے بدوی کو پکڑ لیا اور اسے شرم دلائی کہ جانتے بھی ہو کس ہستی سے مخاطب ہو۔

بدوی نے لوگوں کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اُس کے مقروض ہیں اور قرض ادا نہیں کر رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

اسے چھوڑ دو: اسے بولنے کا حق ہے بلکہ تمھیں اس کا ساتھ دینا چاہیے کہ وہ تو محض اپنا حق طلب کر رہا ہے۔

اس کے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا اس کا حق اسے دے دو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے اپنے ساتھ لے گئے اور اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے پوچھتے میت پہ قرض تو نہیں۔

اگر قرض ہوتا تو آپ ﷺ پیچھے ہٹ جاتے اور صحابہ کو حکم دیتے کہ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو۔یعنی خود نماز جنازہ نہ پڑھاتے۔اگر معلوم ہوتا کہ اس شخص پہ کوئی قرض نہیں تب خود ہی اس شخص کی نماز جنازہ پڑھا دیتے۔اس سے یہ معاملہ تو صاف ہو گیا کہ انسان کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے اپنے معاملات کو احسن طور پہ نمٹا لے خاص طور پہ قرض کا معاملہ تو بہت ہی سخت ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر بار لے کر روز محشر پیش ہو گا تب اُسے اپنی نیکیوں سے قرض ادا کرنا پڑے گا اور روز محشر یہ بہت ہی خسارے کا سودا ہو گا۔

دنیا میں اگرچہ بعض اوقات انسان کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ قرض لینے پر خود کو مجبور پاتا ہے تاہم اگر اُس کی نیت درست ہو یعنی وہ دل سے قرض ادا کرنا چاہتا ہو تو اللہ

تعالیٰ اس ضمن میں اُس کی مدد فرماتے ہیں اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ انسان کے حالات درست ہوجاتے ہیں اس کے باوجود وہ اپنے نفس کی اکساہٹ کے باعث قرض ادا کرنے سے گریزاں رہتا ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اُس شخص سے سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو بد معاملہ شخص کہا جائے گا۔

ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روز محشر بہت سے ایسے شخص آئیں گے جن کے پاس نیکیوں کا انبار ہوگا مگر وہ قرض ادا کرنے والے نہ ہوں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اُس کے قرضداروں کو حکم دیں گے اس شخص کی نیکیوں کے انبار سے جو چاہو اٹھا لو اور قرض خواہ اِس شخص کی نیکیوں کو اٹھا لیں گے جس کے بعد وہ شخص محروم ہوجائے گا اُس کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا وہ تہی دست اور ناکام ہوگا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ ہر لمحہ موت کے لیے ذہنی طور پہ تیار رہے اور پہلی فرصت میں اپنا قرض ادا کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ وہ قرض کو وقت پہ ادا کرتے اور قرض خواہ کو اس سے بہتر دیتے جو اُس سے لیا ہوتا۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ ادھار لیا کچھ عرصہ بعد اُس کو انٹ واپس کیا تو بہتر اونٹ واپس کیا۔ اُس شخص نے بھری محفل میں اعتراف کیا کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف یہ کہ حسن معاملہ میں ہم سے بڑھ کے ہیں بلکہ وہ ہمیں سب سے بہتر عطا کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے قرض کو وقت پہ ادا کرنے والا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص سے ایک پیالہ لیا۔ وہ پیالہ کہیں کھو گیا رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بلایا اور اُس کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

اُس شخص نے کہا:

میں اپنے پیالے کے عوض اتنے درہم لوں گا۔رسول اللہ ﷺ نے اُس کے مطالبے کو پورا کیا اور جو قیمت اس شخص نے اپنی چیز کی بتائی اُسی کے مطابق ادائیگی کی گئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ اپنے پاس رقم کو ٹھہرنے نہ دیتے تھے کسی نہ کسی ضرورت مند کو دے دیتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا کہ اگر میرے پاس ایک دینار ہو تو میں اسے اپنے پاس تین دن سے زیادہ نہیں رکھتا بجز اس بات کے کہ مجھے کسی کا قرض ادا کرنا ہو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بیان کیا گیا کہ شہر مدینہ کے باہر یمنی تاجروں کا ایک قافلہ اترا۔

رسول اللہ ﷺ کا اُدھر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے اُن کے پاس ایک سرخ اونٹ دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا۔آپ ﷺ نے اہل قافلہ سے دریافت کیا تم یہ اونٹ بیچو گے۔

اہل قافلہ نے کہا: ہم اتنے وسق کھجور کے عوض اس اونٹ کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مجھے یہ سودا منظور ہے اور اونٹ کی مہار تھام کر چل دیئے۔

جب رسول اللہ ﷺ کچھ دور آ گئے تو اہل قافلہ نے آپس میں کہا نہ جان نہ پہچان اور ہم نے اس شخص پہ اعتبار کیا اور اونٹ اس کے حوالے کر دیا۔

وہ آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔

اُسی قافلے میں ایک صاحب دانش اور مال دار خاتون بھی تھیں جو اس سارے معاملے سے آگاہ تھیں۔

اُس خاتون نے اپنے لوگوں سے کہا:

رُک جاؤ! اگر وہ شخص تم کو اس اونٹ کی قیمت ادا نہ کرے تو مجھ سے اس کی قیمت لے لینا۔

لوگوں نے اُس خاتون سے اس کی وجہ دریافت کی تو اُس نے کہا:

بخدا! میں نے سارا معاملہ دیکھا ہے وہ روشن چہرے والا شخص جس کے ہاتھ تم نے اونٹ بیچا ہے کوئی کوئی دھوکا دینے والا شخص نہ تھا خدا کی قسم وہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اُسی شام کو رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف اونٹ کی قیمت قافلہ والوں کو بھجوا دی بلکہ آپ ﷺ نے اہل قافلہ کے لیے کھانا بھی بھیجا۔

تب اُس خاتون نے کہا:

میں نے کہا نہ تھا کہ وہ روشن چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔

✡ ✡ ✡

حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی کی بنا پر یہ دنیا قائم ہے، عدل ہی وہ بنیادی وصف ہے جو انسانوں کو جانوروں سے ممتاز کرتا ہے اور عدل ہی سے انسانی معاشروں میں امن آتا ہے اس لیے عدل کو اختیار کرنا رسولوں کی سنت رہی ہے۔

عدل و انصاف

عدل انبیاء کی خصوصیت رہی ہے۔عدل ایک مشکل کام ہے کہ بعض اوقات عدل کرتے وقت آپ کے اپنے بھی اس کی ضد میں آجاتے ہیں۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو کائنات کا پورا نظام عدل پہ ہی قائم ہے۔رسول اللہ ﷺ نہایت عدل کرنے والے تھے۔کوئی شخص گوشہ نشین ہو تو اس کے لیے عدل مشکل نہیں ہوتا مگر جو شخص ایک معاشرے میں رہتا ہو ہر کسی سے اُس کا واسطہ ہو اُس کے لیے عدل بہت گراں ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے لیے عدل اس لیے بھی دشوار تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو سینکڑوں عرب قبائل سے معاملہ کرنا پڑتا تھا جو ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کسی ایک قبیلے کے حق میں فیصلہ کرتے تو دوسرا قبیلہ ناراض ہو جاتا۔اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہ ﷺ کو لوگوں کی تالیف قلب کا اہتمام بھی کرنا پڑتا۔تاہم اِن سب مشکلات کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ عدل سے کام لیا۔چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ اصحاب رسول آپ ﷺ کے ہر حکم پہ سر تسلیم خم کیا کرتے تھے۔وہ رسول اللہ ﷺ کے ہر فیصلے کو تسلیم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مورخین نے حضرت صحر

رضی اللہ عنہ کے معاملے میں بیان کیا ہے کہ اُن کے خلاف سخت فیصلہ آیا مگر انھوں نے اسے تسلیم کیا۔اُن کا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا۔بیس روز کے محاصرے کے باوجود بھی قلعہ فتح نہ ہوا۔دراصل اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں کے سر رسول اللہ ﷺ کے پاؤں پہ بغیر کسی خونریزی کے جھکا دیں اور ایسا ہی ہوا۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا محاصرہ اٹھا لو۔

رسول اللہ ﷺ محاصرہ اٹھا کے مدینہ روانہ ہو گئے۔حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو وہ اپنے قبیلے کے جوانوں کے ساتھ آئے اور پھر سے اہل طائف کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھائی کہ جب تک اہل طائف رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتے وہ محاصرہ نہ اٹھائیں گے۔چنانچہ انھوں نے اپنے قبیلہ کے ہمراہ اہل طائف کا سخت محاصرہ جاری رکھا اور انھیں اس قدر دبایا کہ بالآخر اہل طائف نے اسلام قبول کرنے کا عندیہ دیا اور حضرت صخر رضی اللہ عنہ اُن کو ساتھ لے کر مدینہ پہنچے ۔اہل طائف نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت مغیرہ بن شبہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ صخر رضی اللہ عنہ نے میری پھوپھی اپنے قبضے میں لے رکھی ہے اب ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اس لیے حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جائے کہ وہ اِن کی پھوپھی واپس کر دیں۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ صخر رضی اللہ عنہ مغیرہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی واپس کر دو۔حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو حکم یا رسول اللہ ﷺ!

قبل ازیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت صخر رضی اللہ عنہ کو ایک چشمہ عطا فرمایا تھا جو بنو سلیم کے بھاگ جانے کے بعد مسلمانوں کے قبضے میں آیا تھا۔انھی دِنوں بنو سلیم بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔اسلام قبول کر لینے کے بعد انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ اب ہمیں اپنے گھروں کو لوٹنے کی اجازت عطا فرمائی جائے اور حضرت صخر رضی اللہ عنہ سے ہمارا چشمہ بھی واگزار کرایا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے اُسی دن پھر صخر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور انھیں حکم دیا کہ بنو سلیم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور جب کوئی قوم اسلام قبول کر لیتی

ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے اس لیے آپ اُن کے چشمے کو واپس کر دو۔

حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو حکم یا رسول اللہ ﷺ۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی محبت میں حضرت صخر رضی اللہ عنہ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا صعوبتیں برداشت کیں مگر اِن کو دونوں معاملات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اس لیے کہ عدل کا تقاضا یہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک ہی دن دو معاملوں میں حضرت صخر رضی اللہ عنہ کی شکست نے رسول اللہ ﷺ کو شرمندہ کر دیا تھا اور آپ ﷺ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا تھا کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ صخر رضی اللہ عنہ بہر حال رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اغلب یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد اُن دِنوں کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی ایک عورت نے چوری کی۔ بنو مخزوم قریش کا ایک طاقتور خاندان تھا اُن کی کوشش تھی کہ معاملہ دب جائے اور اُن کی عورت سزا سے بچ جائے۔ تاہم معاملہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ نے بغیر کسی جھجک کے فاطمہ نامی اُس عورت کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ لوگوں نے باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سفارش کرائی جائے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس معاملہ کے متعلق گفتگو فرمائی۔

آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا لوگوں کو حکم دو اکٹھے ہو جاؤ۔

جب لوگ اکٹھا ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے خطاب فرمایا:

اے میری قوم! تم سے پہلے قومیں اسی لیے ہلاک کر دی گئیں کہ جب اُن کا کوئی معمولی آدمی جرم کرتا تو وہ اس پہ حد جاری کرتے اور اگر اُن کا کوئی طاقتور آدمی وہی حرکت کرتا تو اُس سے ردگزر کرتے۔ خدا کی قسم اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ سے بھی یہ جرم سرزد ہوتا تو میں اُس کے متعلق بھی یہی حکم جاری کرتا۔

چنانچہ لوگ خاموش ہورہے اور اُس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا ہے کہ اُن دنوں ہم سخت تنگی کا شکار تھے۔ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکلنے کا ارادہ فرمارہے تھے کہ ایک یہودی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش کیا کہ آپ کے ایک صحابی ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے قرض لیا تھا عہد کا وقت گزر گیا ہے مگر وہ قرض ادا نہیں کر سکے میرا قرض مجھ کو واپس دلوایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ ک کو پیش کرو۔ صحابہ حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو لے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا آپ نے اس یہودی سے قرض لیا ہے۔

انھوں نے اقرار کیا۔

آپ ﷺ نے دوبارہ دریافت فرمایا؟

وعدے کی مدت گزر چکی ہے؟

حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے اقرار کیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اس شخص کا قرض ادا کرو۔

حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور فرمایا:

اس وقت تو میرے پاس تن پہ پہنے اِن کپڑوں کے سوا کچھ بھی نہیں مجھے مہلت دلا دیں شاید خیبر سے واپسی پہ میں اس شخص کا قرض ادا کرنے کے قابل ہو جاؤں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کے موقف کو رد کر دیا اور حکم دیا ابھی اس کا قرض ادا کرو۔

حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے پاس تو اس وقت کچھ بھی نہیں۔

تاہم رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ وہ قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُس یہودی سے دریافت کیا اگر تمھیں ابوحدرد رضی اللہ عنہ کا یہ تہبند دلا دیا جائے جو انھوں نے اس وقت پہن رکھا ہے تو تم اس پہ راضی ہو جاؤ گے۔

یہودی نے ایک نظر حضرت ابوحدرد رضی اللہ عنہ کے تہبند پہ ڈالی اور کہا:

مجھے منظور ہے یا رسول اللہ ﷺ! رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوحدرد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سر کا امامہ اتارو اور اُسے تہبند کی جگہ استعمال کرو اور یہ تہبند اتار کے اپنے قرض خواہ کے حوالے کردو۔

انھوں نے حکم کی تعمیل کی اپنا تہبند اتار کے یہودی کو دے دیا اور سر سے امامہ اتار کے تہبند کی جگہ لپیٹ لیا۔

رسول اللہ ﷺ کا یہی عدل تھا کہ یہودی جو رسول اللہ کے بدترین دشمن تھے وہ بھی جانتے کہ اگر کہیں عدل مل سکتا ہے تو رسول اللہ ﷺ ہی کا در ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

سرق رضی اللہ عنہ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ہوتا تھا ۔انھوں نے ایک بدوی سے قرض لیا مگر اسے لوٹا نہ سکے۔بدوی نے اپنا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں دائر کیا۔رسول اللہ ﷺ نے سرق رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اُن سے کہا اس بدوی کا قرض ادا کرو۔انھوں نے عذر کیا اور کہا میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سرق رضی اللہ عنہ کا بازو پکڑا اور اُس بدوی کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا اس شخص کو بازار لے جاؤ اور بیچ دو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔

وہ تیزی سے بدوی کے پیچھے روانہ ہوئے حضرت سرق رضی اللہ عنہ کو خریدا اور اسی لمحہ اللہ تعالیٰ کے نام پہ آزاد کردیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے خیبر پہ حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے خیبر کے تمام قلعوں کو فتح کر لیا۔ فتح کی تکمیل ہو چکی تو اہل خیبر حاضر ہوئے اور درخواست کی ہمیں ہماری زمینوں سے بے دخل نہ کیا جائے ہم اِن زمینوں کے مزاج کو اچھی طرح جانتے ہیں ہمیں مزارعت کے لیے رکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی درخواست قبول فرمالی اور نصف پیداوار پہ معاملہ طے پا گیا۔ چنانچہ فتح کے بعد زراعت کے لیے کئی مسلمان بھی خیبر میں رہ گئے اُن میں سے کچھ تو وہ تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے نصف پیداوار وصول کرنے اور اُن کی نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ کچھ وہ تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اس علاقے میں جاگیریں عطا فرمائی تھیں اور کچھ وہ تھے جو تجارت یعنی کھجوریں خریدنے کی غرض سے خیبر میں رُک گئے۔ حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کا شمار شاید انھی لوگوں میں ہوتا تھا جو تجارت کے لیے وادیٔ خیبر میں رُک گئے تھے اُن کے ساتھ اُن کے چچازاد بھائی محیصہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ روز بعد یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں اپنا مقدمہ دائر کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو بھی طلب فرمالیا۔ یہودی بھی پہنچ گئے مگر انھوں نے صحت جرم سے انکار کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا؟

کیا تم نے اپنی آنکھوں سے یہودیوں کے کسی فرد کو عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے دیکھا ہے۔

انھوں نے جواب دیا: نہیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

محیصہ رضی اللہ عنہ تم کوئی اور گواہ پیش کر سکتے ہو جو اس بات کی شہادت دے کہ اُس نے یہودیوں کو عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو قتل کرتے دیکھا ہے۔

حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں

تب اس کے باوجود کہ خیبر میں قوم یہود ہی بستی تھی اور اس بات پہ یقین کرنا دشوار تھا کہ یہودیوں کے علاوہ کسی اور نے حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہوگا رسول اللہ ﷺ نے شک

کا فائدہ دیتے ہوئے یہودیوں کو اس مقدمے سے بری کر دیا تاہم حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے دیت دلوائی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اس حد تک متوازن تھی کہ عدل کا دامن کبھی آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔آپ ﷺ نے ہمیشہ عدل فرمایا۔احادیث وسیرت کی کتابوں میں رسول ﷺ کے عدل کے سینکڑوں واقعات منقول ہیں ہم نے طوالت کے خوف سے نہایت قلیل تذکرہ کیا ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بہت سے گوشوں پہ روشنی ڈالنی ابھی باقی ہے۔رسول اللہ ﷺ کے آخری ایام حتیٰ کہ آخری لمحات بھی آپ ﷺ کی عدالت کے شاہد ہیں۔رسول اللہ ﷺ کو جب اُس بخار نے گھیرا جس میں آپ ﷺ نے پردہ فرمایا تو بیماری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے کئی نمازیں مسجد نبوی میں ادا کیں۔بیماری کے انھی دنوں میں ایک بار رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سہارا لیے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور نماز ادا کی۔نماز کے بعد کھڑے ہوئے اور صحابہ کو خطاب کیا:

اے لوگو!اگر میرے ذمہ کسی کا قرض ہے تو وہ مجھ سے لے لے،اگر میں نے کسی سے زیادتی کی ہو تو وہ تاوان وصول کر لے،اگر میں نے کسی کی جان ومال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان میرا مال اور میری آبرو حاضر ہے اسی دنیا میں مجھ سے حساب بے باق کر لو میں اپنے اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہونا چاہتا ہوں کہ مجھ پہ کسی کا بار نہ ہو۔

مجمع میں مہیب سناٹا تھا۔

صرف ایک شخص اٹھا اور چند درہموں کا مطالبہ کیا جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی پورا کر دیا۔غرض رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کے نہ کوئی عادل گزرا ہے اور آئندہ کسی انسان سے اس معیار کے عدل کی توقع کی جاسکتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

✡✡✡

جود وسخا

رسول اللہ ﷺ کا تعلق خاندانِ قریش سے تھا۔یوں تو سارے عربوں کی فطرت میں سخاوت کا داعیہ موجود تھا۔تاہم خاندانِ قریش میں بہت سخیوں نے جنم لیا۔اُن میں قصی بڑا سخی تھا۔اُس کا بیٹا عبد مناف بہت سخی تھا۔اُن کا بیٹا ہاشم بہت سخی تھا۔حضرت ہاشم رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے والد تھے۔چارسواُن کی سخاوت کے چرچے تھے۔اُن کی سخاوت انسانوں تک محدود نہ تھی بلکہ جانور بھی اُن کی سخاوت میں شامل تھے۔وہ اپنے ساتھ خوراک لیتے اور سرِشام وادئ کے پہاڑوں کی طرف چلے آتے یہ خوراک پہاڑوں پہ دال دیتے تاکہ چرند پرند انھیں کھاسکیں۔اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں خوب نواز رکھا تھا۔ایک دفعہ اہل مکہ قحط کی حالت میں تھے کہ شام سے اُن کا تجارتی قافلہ مکہ میں داخل ہوا جس میں گندم کے بے شمار اونٹ تھے۔انھوں نے لوگوں سے کہا ساری گندم کو پیس لو اور روٹیاں بنالو سارے اونٹوں کو ذبح کردو اُن کا گوشت ہانڈیوں میں ڈال دو جب یہ سب تیار ہوگیا تو سارے شہر کو کھانے کے لیے مدعو کرلیا۔روٹی کے ٹکڑوں کو اونٹ کے گوشت کے شوربے میں ملادے گیا تو وہ ثرید بن گیا۔چنانچہ حضرت ہاشم نے سارے شہر کو ثرید کھالایا۔عربوں میں روٹیاں توڑنے والے کو ہاشم کہا جاتا تھا۔حضرت ہاشم اپنے اصل نام کی بجائے اپنے اس لقب سے زیادہ مشہور تھے اور اُن کے بیٹے بھی سخی تھے۔جن میں رسول اللہ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب سرفہرست ہیں۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جس خاندان میں جنم لیا وہ سخیوں کا خاندان تھا

اور رسول اکرم ﷺ تو کل عالم سے بھلائیوں میں بڑھے ہوئے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ ہی اپنے زمانے کے سب سے بڑے سخی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پہ ترجیح دی لوگوں کی بھلائی کے لیے بے دریغ خرچ کیا۔ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تو آپ ﷺ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے تجارت کا کسب فرماتے تھے۔ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی اور اماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بہت سا مال رسول اللہ ﷺ کے تصرف میں دے دیا۔ تب آپ ﷺ اس مال سے بے دریغ خرچ کیا کرتے اور لوگوں کی ضروریات پوری کیا کرتے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح سخی مزاج تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ مکہ تشریف لائیں اور رسول اللہ ﷺ کے گھر ہی ٹھہریں۔ انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اپنے علاقے کے قحط کا ذکر کیا تو جب وہ رخصت ہوئیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مال و دولت سے لدے کئی اونٹ اور بکریوں کا پورا ریوڑ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں کو دیا جس سے اُن کے حالات بدل گئے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں بھی اس بات کا حکم ہے کہ جو لوگ اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس کیے بغیر حاجت مند لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں اور اپنی ضروریات پہ دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں وہی دراصل کامیاب ہیں۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ جنت تو سخیوں کا گھر ہے۔ فی الحقیقت سخاوت ایک نہایت اعلیٰ صفت ہے جس کا تعلق انسان کے اعلیٰ اخلاق اور اس کے توکل سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر پل سخاوت میں گزرا ہے۔ سیرت نبوی سے چند واقعات کا انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت اور فیاضی کا یہ عالم تھا کہ ہم نے کسی سائل کے سوال کے جواب میں ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ''نہ'' نہیں سنی۔ اگر

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ ہوتا تو آپ ﷺ سائل کو عطا فرما دیتے۔ اگر اُس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو کسی سے قرض لے کر دوسروں کی ضرورت پوری کر دیتے۔ رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کی شان ہی نرالی ہوتی۔ آپ ﷺ لوگوں کو اتنا نوازتے کہ لوگ بے نیاز ہو جاتے، خوش ہو جاتے، آسودہ ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تو محض خازن ہوں بانٹنے والا ہوں اللہ تعالیٰ مجھے عطا کئے جاتا ہے اور بانٹتا چلا جاتا ہوں۔ صحابہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینہ کے باہر تشریف فرما تھے آپ ﷺ کی نظروں کے سامنے ہزاروں بکریوں پہ مشتمل ایک بہت بڑا ریوڑ تھا جو رسول اللہ ﷺ ہی کی ملکیت تھا۔ ایک بدوی آیا اور اُس نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ بکریوں کا یہ سارا ریوڑ مجھے عطا فرما دیں۔

رسول اللہ ﷺ دھیرے سے مسکرائے اور فرمایا:

لے لو یہ سب تمھارا ہے۔

صحابہ فرماتے ہیں ہم نہیں جانتے اُس بدوی نے یہ سوال کس نیت سے کیا تھا تاہم اسے جو جواب ملا وہ اسے ضرور حیران کر گیا اور اس سے قبل کہ وہ اِن بکریوں کو سمیٹتا بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اتنا سخی تو اللہ کا پیغمبر ہی ہو سکتا ہے ہم خواہ مخواہ ہی آپ ﷺ کی تعلیم سے انکار کرتے رہے مگر آپ ﷺ کی اس جود وسخا نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ یقیناً آپ ہی سچے ہیں اور آپ سے انکار کرنے والے ہی جھوٹے ہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہے اور اللہ ایک ہے۔

اُس نے بکریوں کو سمیٹا اور اس کے بعد اپنے قبیلے میں گیا اور لوگوں سے کہا بدبختو رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لے آؤ وہ اس قدر دیتے ہیں کہ انسان سے سنبھالا نہیں جاتا۔ بخدا انھیں مفلس ہو جانے کا ذرا بھی خوف نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اُس بدوی کا سارا قبیلہ ایمان لے آیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی اور اعلیٰ اخلاق کا بیان گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کی کسی بات کا برا نہ منایا کرتے۔ ایک دفعہ ایک بدوی آیا اُس نے کچھ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اُس کی ضرورت پوری کر دی۔ پچھلے پہر پھر وہ آیا اور سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے پھر اُس کی ضرورت پوری کر دی۔ پھر وہ عصر کی نماز کے وقت آیا جب اقامت کہی جا رہی تھی۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ کے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنی ایک ضرورت بھول گیا ہوں پہلے اسے پورا فرمائیں مبادہ کہ میں پھر بھول جاؤں اس کے بعد نماز ادا کریں۔ لوگ حیران رہ گئے کہ رسول اللہ ﷺ اسی حالت میں اُس بدوی کے ساتھ چل دیئے جب کہ اقامت ہو چکی تھی صحابہ صفوں میں کھڑے ہو چکے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے انسانی تکریم کو نماز پہ بھی فوقیت عطا کی اور اُس کے ساتھ چلے گئے اُس کی ضرورت پوری کی اور واپس آ کے نماز پڑھائی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کے کیا کہنے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سفر سے لوٹے تو جس اونٹ پہ وہ سوار تھے رسول اللہ ﷺ نے اسے بہت پسند کیا:

فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ اونٹ مجھے دے دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ یہ اونٹ آپ کا ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تم میری بات کا مطلب نہیں سمجھے دراصل میں کہنا چاہتا تھا کہ یہ اونٹ مجھے بیچ دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جیسے آپ کا حکم۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سودا طے کیا اور اونٹ خرید لیا اور قیمت ادا کر دی۔ اسی اثناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آ جاتے ہیں وہ بھی اونٹ کو دیکھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اُن کی پسندیدگی کو دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں۔
عبداللہ رضی اللہ عنہ لے جاؤ اب یہ اونٹ تمہارا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔
ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے باہر کہیں جارہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اُحد پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:
ابوذر رضی اللہ عنہ! اگر یہ پہاڑ سونے کا ہوجائے تو میں اسے تین دن کے اندر اندر لوگوں میں بانٹ دوں گا اور ایک پائی بھی محفوظ نہ کروں گا الا یہ کہ مجھے کسی کا قرض ادا کرنا ہو۔
رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ اگر باہر سے کوئی مال و دولت حاصل ہوتی تو اسے فوراً خیرات کردیتے اپنے پاس کچھ نہ رکھتے۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فدک کے رئیس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چار شتر غلہ بھیجا ۔رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا اس کو بازار میں لے جاؤ اور بیچ دو میں نے فلاں فلاں یہودی سے قرض لیا ہے اُس کا قرض ادا کرو۔
چنانچہ میں بازار گیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق عمل کیا۔
میں واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ مسجد ہی میں تھے۔مجھ سے دریافت کیا؟
بلال کام ختم ہوگیا۔
میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہودی کا قرض ادا کردیا ہے مگر مال ابھی باقی ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اسے خیرات کردو۔
حضرت بلال رضی اللہ عنہ پھر چلے گئے۔واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ ابھی مسجد ہی میں تھے رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:
بلال رضی اللہ عنہ کام ہوگیا؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا رسول اللہ ﷺ کچھ مال خیرات کر دیا ہے مگر کچھ مال پھر بھی بچ رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال رضی اللہ عنہ سے بھی خیرات کر دو تم جانتے ہو کہ میں اُس وقت تک گھر نہیں جا سکتا جب تک وہ مال اللہ کی راہ خرچ نہیں کر دیا جاتا۔

میں پھر مسجد سے نکلا کہ کوئی سائل تلاش کروں مگر باوجود کوشش کے کوئی اس مال کو لینے والا نہ ملا تو میں مسجد واپس چلا آیا اور عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لے جائیں میں صبح انشاء اللہ اس مال کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے انکار کر دیا اور مسجد میں ہی لیٹ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وہ رات مسجد میں ہی گزاری۔ اگلے روز بہ مشکل میں نے وہ مال خیرات کیا اور جلدی جلدی مسجد پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اب آپ گھر تشریف لے جائیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام مال خیرات کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ تمام مال خیرات کیا جا چکا ہے تب ہی آپ ﷺ گھر گئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد ہمارے ساتھ مسجد ہی میں رکا کرتے تھے۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی اور خلاف معمول تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہو گئے جس کی وجہ سے ہمیں حیرت ہوئی۔

مگر ہم لوگ وہیں بیٹھے رہے کہ شاید رسول اللہ ﷺ واپس آ جائیں۔ ہماری امید بر آئی اور جلد ہی رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ صحابہ نے اس عجلت کی وجہ دریافت کی تو رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

دراصل نماز کے دوران مجھے خیال آیا کہ گھر میں کچھ سونا پڑا ہے میں ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سونا گھر ہی میں پڑا رہ جائے اور رات ہو جائے اس لیے میں گھر چلا گیا اور گھر والوں سے کہا اس سونے کو فوراً خیرات کر دیا جائے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ بدووں کو علم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ یہاں سے گزرنے والے ہیں اور وہ رسول اللہ ﷺ کی سخاوت سے آگاہ تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ پہنچے تو بدووں نے آپ ﷺ کو گھیر لیا وہ تو جیسے رسول اللہ ﷺ سے لپٹ ہی گئے ہوں۔

انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے گرد اس قدر ہجوم کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی کمر ایک درخت کے ساتھ جا لگی اور رسول اللہ ﷺ کی چادر تک بدووں نے اتار لی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگو! میری چادر دے دو خدا کی قسم اگر اِن جنگلی درختوں کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوئے تو میں وہ سب تم کو دے دوں گا تم مجھے بخیل پاؤ گے نہ دروغ گو نہ نامرد۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے کہہ رکھا تھا یاد رکھو اگر تم میں سے کوئی مر جائے اور اپنے پیچھے قرض چھوڑ جائے تو مجھے بتاؤ اُس کا قرض میں ادا کروں گا۔ یاد رکھو اگر تم میں سے کوئی مر جائے اور اپنے پیچھے میراث چھوڑ جائے تو اُس کے وارث اُس کے حقدار ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسلام میں قاعدہ تھا کہ اگر کوئی غلام مر جائے اور اپنے پیچھے کچھ مال چھوڑ جائے تو اُس کا مالک

ہی اُس مال کا حقدار تصور کیا جاتا تھا۔تاہم رسول اللہ ﷺ نے اس امر کو پسند نہ فرمایا اور جب آپ ﷺ کا ایک غلام مرگیا تو لوگ اس کا مال واسباب لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یہ سب آپ کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میرے اُس غلام کا کوئی ہم وطن تلاش کرو۔لوگوں نے کہا اُس کا ایک ہم وطن شہر میں موجود ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مال واسباب اُس کو دے دو۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

نو ہجری تک اسلام مستحکم ہو چکا تھا اصلاً تو فتح مکہ کے بعد ہی لوگ جان گئے تھے کہ اب خطے میں صرف اسلام کا راج ہوگا اس لیے لوگ خود ہی چل کے مدینہ آتے اور اسلام قبول کر لیتے۔دور دراز کے جو عرب قبائل اسلام سے گریزاں رہے رسول اللہ ﷺ کے دعوتی وفود اُن کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے جس کے نتیجے میں کئی معرکے بھی بپا ہوئے کہ بعض قبائل اسلام کی دعوت کے مقابل ہتھیار اٹھا لیتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے مبلغین کو قتل کرنے لگتے تھے اس لیے رسول اللہ ﷺ کے دعوتی وفود اپنی پوری فوجی تیاری کے ساتھ نکلا کرتے تھے تاکہ کسی ناگوار صورت حال میں وہ اپنا دفاع کر سکیں اور دشمنوں کو زیر کر سکیں۔چنانچہ اسی طرح کی ایک جنگ اہل بحرین سے پیش آئی۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔مفتوحہ قبائل اگر تو اسلام قبول کر لیتے تو مسلمانوں کے بھائی بن جاتے دوسری صورت میں انھیں باج گزار بنالیا جاتا۔چنانچہ بحرین سے خراج کی مد میں بہت سا مال مدینہ پہنچا۔صحابہ کہتے ہیں کہ وہ مال اس قدر زیادہ تھا کہ اس سے قبل ہم نے ایک جگہ پہ اتنی دولت کبھی اکٹھی نہ دیکھی تھی۔تمام مال ودولت کو مسجد نبوی کے صحن میں ڈال دیا گیا۔رسول اللہ تشریف لائے اور صحابہ کو نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہو گئے آپ ﷺ نے نظر اٹھا کے بھی اس مال ودولت کو نہ دیکھا تھا۔نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ اس مال کے پاس بیٹھ گئے لوگ آتے گئے اور آپ ﷺ مال تقسیم کرتے رہے۔

صحابہ کہتے ہیں کہ اُس روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس قدر نوازا اس قدر نواز کہ ہمارے سارے دلدر دور ہو گئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے انھوں نے اتنا مال اکٹھا کر لیا کہ اُن سے اٹھایا نہ جا تا تھا۔شام تک رسول اللہ ﷺ نے تمام کا تمام مال تقسیم کر دیا۔جب کچھ نہ رہا تو رسول اللہ ﷺ اٹھے اپنی چادر کے پلو کو جھاڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے اللہ تو گواہ رہنا مجھے دنیا کے اس مال و منال سے کوئی دلچسپی نہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

منظر مسجد نبوی کا ہے رسول اللہ ﷺ صحابہ کی مجلس میں رونق افروز ہیں۔ایک صاحب آئے اور رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوئے کان میں کہا:

یا رسول اللہ ﷺ! ضرورت مند ہوں مدد فرمائی جائے۔

نبی اکرم ﷺ فرمایا:

بیٹھ جاؤ۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ سے وہی سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں مگر تم بیٹھ جاؤ اور انتظار کرو۔

ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ اور سوالی آ گیا رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی انتظار کرنے کو کہا پھر ظہر کی نماز سے پہلے ایک شخص آیا اور اُس نے رسول اللہ ﷺ کو چار اوقیہ چاندی پیش کی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ طلب کیا اور حکم دیا:

یہ چار اوقیہ چاندی لو یہ تین ضرورت مند لوگ بیٹھے ہیں اِن تینوں کو ایک ایک اوقیہ چاندی دو تا کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حکم پہ عمل کیا تینوں ضرورت مندوں کو فارغ کیا اور باقی بچی ہوئی ایک اوقیہ چاندی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پہ رکھ دی۔

آپ ﷺ نے وہ ہاتھ بلند کیا اور فرمایا:

یہ ایک اوقیہ چاندی میرے پاس ہے کسی کو ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے۔

مگر کسی صحابی نے دستِ سوال دراز نہ کیا۔

عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو وہ ایک اوقیہ چاندی اُن کے پاس ہی تھی آپ ﷺ نے وہ چاندی اپنے سرہانے کے نیچے رکھ دی۔

رسول اللہ ﷺ کی آنکھ لگی مگر جلد ہی کھل گئی۔

نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہجرے میں تشریف فرما تھے۔

حضرت عائشہؓ نے بھی محسوس کر لیا کہ رسول اللہ ﷺ کسی وجہ سے بے چین ہیں کبھی سوتے ہیں کبھی اٹھ جاتے ہیں اور نماز پڑھنے لگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دریافت کیا:

یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کی طبیعت ناساز ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

پھر اس بے چینی کی کیا وجہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نہیں

پھر آپ بے چین کیوں ہیں، حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا؟

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سرہانے کے نیچے ہاتھ مارا اور وہ ایک اوقیہ چاندی برآمد کر لی اور مسکراتے ہوئے فرمایا:

شاید میری بے چینی کی وجہ یہ ہے۔

عائشہؓ میں ڈرتا ہوں کہ یہ مال میرے پاس ہی ہو اور مجھے اجل کا پیغام آ جائے۔

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت اس قدر وسیع تھی اور آپ ﷺ کا عمل اس قدر ارفع تھا کہ اُس کے تذکرے میں ہی زندگی گزر جائے۔ ہم یہاں محض اسوہ سے انتخاب پیش کر رہے نمونے کے طور پہ کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے۔ اسوہ رسول دراصل تو فلاح کی اُن منزلوں کے نشان ہیں

جن کے سہارے انسان نہ صرف اس دنیا میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوسکتا ہے بلکہ آخرت میں بھی نجات اور کامیابی اُس کا مقدر بنتی ہے۔یہی وجہ ہے اسوہ رسول ہمیشہ سے نقل کیا جاتا رہا ہے تاکہ لوگ اسلوب حقیقی سے آگاہ ہوجائیں اور کسی قلب صمیم کو منزل کی تلاش میں بھٹکنا نہ پڑے۔اللہ تعالیٰ ہم پہ رحم فرمائے۔

✡ ✡ ✡

شرم وحیا

بیان کیا گیا کہ شرم وحیا ایمان کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حیا اور ایمان اکٹھے ہیں اِن میں سے جب کسی ایک کو اٹھالیا جائے تو دوسرے کو بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ صحاح میں صحابہ کی بے شمار روایات سے حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر شرم وحیا والے تھے کہ کوئی کنواری لڑکی بھی کیا ہوگی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کسی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے اور حیادار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اعمال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کی ایک ایک ادا سے حیا کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اُن لوگوں میں نہ تھے جو بازاروں میں شور کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب بازار تشریف لے جاتے تو عموماً خاموشی سے گزرتے۔ صحابہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی قہقہہ لگا کے نہ ہنستے تھے بلکہ دھیرے سے مسکراتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ عورتوں کی طرف نگاہ اٹھا کے بھی نہ دیکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اگر اِن سے بیعت لینی ہوتب بھی اُن کے ساتھ ہاتھ مس نہ کرتے بلکہ اشارہ سے بیعت لے لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کے متعلق کوئی بے حیائی کی بات آپ ﷺ تک پہنچتی تو آپ ﷺ لوگوں کو اس بات کی برائی بیان کرتے، اس عصیان کا نقصان بیان کرتے۔ مگر مذکورہ شخص کا نام نہ لیتے بلکہ بات کو یوں شروع کرتے۔ لوگو کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ بے حیائی کی باتوں سے باز ہی نہیں رہتے۔ اسلام سے پہلے نہ تو عربوں میں شرم وحیا کا کوئی دستور نہ تھا اور نہ ہی دوسرے ملحقہ ممالک میں ایسا

کوئی تصور تھا۔ملکوں ملکوں بے حیائی کا چلن کا عام تھا اور عورت محض تعیش کا ایک کھلونا تھا۔ عربوں میں لوگ ننگے ہو کے نہاتے تھے۔ ننگے ہو کے بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن میں شرم وحیا نام کو بھی نہ تھی۔اور رسول اللہ ﷺ کو بالطبع ہی بے حیائی کی باتوں سے نفرت تھی۔ چنانچہ صحابہ سے فرمایا جب تم مشرقی ممالک کو فتح کرو گے تو دیکھو گے لوگ اکٹھے ہو کر ننگے نہاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حماموں سے دور رہنے کی تلقین کی۔

لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

یارسول اللہ ﷺ حمام میں نہانے سے خوب میل اترتی ہے جس سے انسان بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اچھا ایسی بات ہے تو تم نہا لیا کرو مگر کپڑا اوڑھے رکھا کرو۔عرب میں حمام نہ تھے لوگ یونہی کپڑے اتار کے نہایا کرتے تھے مگر عراق وشام میں لوگ حماموں میں ہی نہایا کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت اُم سلمہؓ کے پاس کچھ عورتیں آئیں۔

حضرت اُم سلمیٰؓ نے اُن سے اُن کا وطن پوچھا؟

جواب ملا: حمص

حضرت اُم سلمیٰؓ نے فرمایا وہی ملک جہاں عورتیں حماموں میں جاتی ہیں۔

انھوں نے اعتراف کیا پھر سوال کیا حمام میں جانا کوئی بری بات ہے۔حضرت اُم سلمیٰؓ نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا؛

بعض اوقات لوگ رسول اللہ کے پاس حاضر ہوتے اور اپنے گناہ کی معافی طلب کرتے۔تب رسول اللہ ﷺ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو جاتا اور آپ ﷺ خاموش ہو جاتے۔

اہل عرب میں رواج تھا کہ لوگ رفع حاجت کے لیے گھروں سے باہر جایا کرتے وہ رفع حاجت کے دوران ایک دوسرے کے سامنے ہی ستر اٹھا کر بیٹھ جاتے اور باتیں کرتے

رہتے۔رسول اللہ ﷺ نے اِن ساری باتوں کو جاہلیت کی باتیں قرار دیا اور اِن سے بچنے کی تلقین کی۔اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ بھی رفع حاجت کے لیے باہر ہی تشریف لے جایا کرتے تھے مگر آپ ﷺ ایک تو تنہا جاتے دوسری اتنی دور تک جاتے کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ صحابہ نے بیان کیا ہے عام طور پہ رسول اللہ ﷺ حدود حرم سے باہر تشریف لے جاتے۔یاد رہے حدود حرم مکہ سے کم از کم تین میل باہر تک تھی۔الغرض کہا جا سکتا ہے کہ حیا کا شمار اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اِن نعمتوں اور فضیلتوں میں کیا جا سکتا ہے جو شرف انسانی کا باعث ہیں جو انسان کو جانور سے ممتاز کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوہ میں حیا کو نمایاں مقام حاصل ہے اگر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی پیروی کی جائے تو انسان اُن بہت سی آلائیشوں سے پاک ہو جاتا ہے جو آج مسلمان معاشروں کا بھی عموم بنتی جا رہی ہیں۔آج مسلمان رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور اُن بنیادی اخلاقی اقدار سے انحراف کی طرف مائل ہیں جن کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو دی ہے۔اور حیا سے دوری اختیار کرنے ہی کی وجہ سے آج ہمارا میڈیا عریانی اور فحاشی کی طرف مائل بہ پرواز نظر آتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں حیا کی کمی ہو گئی ہے۔لوگ اپنی عزت و ناموس کو غیر محفوظ تصور کرنے لگے ہیں۔زنا کا چلن بھی بہت زیادہ ہے ہماری سب سے بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ہم اپنا موازنہ اہل مغرب سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے مقابل ہم کافی باحیا ہے۔اگرچہ یہ بات کسی حد تک درست ہے مگر اس کا نتیجہ اُس آزادی کی صورت نکلتا ہے جو حقوق نسواں کے نام پہ آج چار سو سنائی دیتی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے ہم اپنے اُس بھولے ہوئے سبق کو پھر سے یاد کریں اور خود کو برضا و رغبت رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی پیروی پہ آمادہ کریں تب ہی یہ دنیا یہ معاشرہ یہ لوگ امن و آشتی کا سانس لے سکیں گے تب ہی اپنی عزتوں کو محفوظ تصور کریں گے کہ جب نگاہوں میں حیا آجائے تو لوگوں کی عزت خود بہ خود محفوظ ہو جائے گی۔اللہ تعالیٰ ہماری نگاہوں کو نیچا کرے اور ہمیں حیا کی اہمیت سے آگاہ فرمائے۔ آمین

✡✡✡

صلہ رحمی

اپنے معاشروں میں پھیلے وسیع تر بگاڑ پہ ایک نگاہ ڈالیں تو آپ فوراً جان جائیں گے کہ یہ سب اس انحراف کا کڑوا پھل ہے جو ہماری زندگیوں میں دخیل ہے۔ انسان ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہے کہ وہ دوسرے کا مال و دولت ہڑپ لے۔ قساوتِ قلبی کا چلن ہے۔ انسانی معاشروں میں رشتوں کا احترام اُٹھ گیا ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قیامت آنے والی ہے اگرچہ لوگ روزِ قیامت کی تیاری میں نہیں بلکہ مادیت اور مسابقت کی دوڑ میں مبتلا ہیں۔ ہماری سڑکوں پہ خون کے نشان ہیں، ہماری گلیوں میں خون کے نشان ہیں، ہماری مسجدوں میں خون کے نشانات ہیں اور یہ سب اس لیے ہے کہ ہم نے صلہ رحمی جیسے اصول سے منہ موڑ لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جن باتوں کی تعلیم دی تھی ہم نے اِن سے انحراف کیا ہے۔ انسان کی معاشرے میں کئی حیثیتیں ہیں وہ کسی ریاست کا شہری ہے۔ وہ کسی سماج کا رکن ہے، وہ کسی گھر کا سربراہ ہے۔ وہ کسی کا پڑوسی ہے، وہ کسی کا استاد ہے، وہ کسی کا بیٹا اور کسی کا باپ ہے، وہ کسی کا بھائی اور کسی کا شوہر ہے اور اسے ہر ہر معاملے میں اپنا احسن کردار ادا کرنا ہے۔ ہر دائرے میں اُس کا عمل اُس کی شخصیت کے معیار کو متعین کرتا ہے۔ انسان کے اِن مختلف کرداروں میں اُس کی ناکامی ہی اسے اُس شرف سے محروم کرتی ہے جو اسے خالق کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ انسان پر کچھ حقوق اُس کے خالق کے ہیں جو اُس کا رب ہے جو اُس کو دیتا ہے جو اُس کو نوازتا ہے۔ کچھ حقوق اُس کے

معاشرے کے ہیں کچھ حقوق اُس کے اہلِ خانہ کے ہیں اِن تمام حقوق کی ادائیگی میں توازن انسان کو مطمئن کرتا ہے اور اُسے زندگی کی اُس راہ پہ ڈال دیتا ہے جو منزل کی طرف جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اعمال واحکامات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل اور کوئی حکم خالق کی منشا کے خلاف نہیں ہوتا اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اسوۂ رسول کی پیروی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی منشا کی پیروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو والدین اور قرابت داروں سے عمدہ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں میں، الرحمٰن ہوں، میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو نام دیا ہے پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ صلہ رحمی اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت کا معاملہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ انسان باہمی رشتوں میں محبت کا رویہ اپنائے اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرے۔ انسان کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو سراسر وہ دوسروں کے رحم وکرم پہ ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے محبت کے یہ رشتے پیدا نہ کیے ہوتے تو نسل انسانی کی بقا ممکن ہی نہ تھی۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ لفظ رحم کا مادہ رحمٰن سے ہے پس جو انسان قرابت کے رشتوں میں صلہ رحمی پہ عمل کرتا ہے اللہ اس پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا کہ جو صلہ رحمی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا اور اس پہ رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے گا۔ صحاح ستہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ صلہ رحمی کے عوض اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ کیا، رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اُس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صلہ رحمی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اُس کے رزق کو بڑھا دے گا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ صلہ رحمی کی صورتیں بیان کرتے ہوئے حکم دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو نوازا ہو تو اس کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے

ہوئے رزق سے اپنے غریب رشتے داروں کی نگہداشت کرے۔ وہ اپنے رزق کو اپنی کارکردگی اور اپنی ذہانت کا شاخسانہ قرار نہ دے کہ اگر چہ بہت سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ رزق کی جو فراوانی انھیں حاصل ہے وہ اِن کی ذہانت اور محنت کی دلیل ہے کوئی اِن سے پوچھے کہ وہ اِن لوگوں کو نہیں دیکھتا جو گرمیوں کی بھری دوپہر میں سڑک پہ بیٹھا پتھر کوٹ رہا ہوتا ہے کیا تم نے اپنے اے سی دفتر میں بیٹھ کر اور دن بھر میں چند فائیلوں پہ نظر ڈال کے اُن مزدوروں سے زیادہ محنت کر لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رزق کی فراوانی سراسر اللہ کا فضل ہے اور جو لوگ آسودگی میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے ناراض ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرنا ہی اصل میں دانائی ہے۔

دوسری صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر انسان کے پاس اس قدر وافر مالی وسائل نہ ہوں کہ وہ اپنے قریبی رشتے داروں کی مالی مدد کر سکے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتے داروں سے اچھا سلوک کرے، اُن کی خبر گیری کرے، اُن کو حوصلہ دے، اُن پہ اپنا وقت صرف کرے، اُن کی مشکلات حل کرنے کے بارے میں سوچے اُن کو اچھے مشوروں سے نوازے۔ چنانچہ ایسے بہت سے امور ہیں جن کی بنا پر انسان بغیر دولت خرچ کیے بھی دوسروں کے دلوں میں گھر بنا سکتا ہے۔

جس سماج میں ہم زندگی کرتے ہیں اُس میں صلہ رحمی اختیار کی جاتی ہے۔ عام طور پہ لوگ ایک دوسرے کا احترام بھی کرتے ہیں۔ تاہم جہالت اور ناخواندگی کی وجہ سے بہت سے لوگ رشتوں کے احترام سے عاری ہو جاتے ہیں جس سے صلہ رحمی کی جڑ کٹ جاتی ہے اور انسانوں کے مابین نفرت جنم لیتی ہے یہ اللہ کی منشا کے خلاف اور شیطان کی راہ پہ چلنے کے مترادف ہے۔

شہروں کے معاشرے نسبتاً مہذب ہوتے ہیں لوگ زیادہ تعداد میں پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں سے پر خلوص ہو کے ملتے ہیں انھیں بات چیت کرنے کا ہنر بھی آتا ہے اس لیے شہروں میں لوگ ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور وہ رشتوں کا احترام کرنا جانتے ہیں۔

دیہات میں لوگوں میں قدرے رعونت پائی جاتی ہے جس کے نتیجے میں جاہلیت کی علامات بھی

ظاہر ہوتی ہیں وہاں اگر چہ اخلاص زیادہ پایا جاتا ہے لوگ پر خلوص اور عام طور پہ سچے ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ صلہ رحمی کی طرف کم ہی مائل ہوتے ہیں جس کی ایک وجہ دیہاتی معاشروں کی طبقاتی تقسیم بھی ہے۔خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی یہی حال تھا کہ اہل بادیہ یعنی دیہاتی عرب اسلام کی دشمنی میں شہری عربوں سے شدید تر تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو اِن دیہاتیوں پہ غلبہ حاصل کرنے اور انھیں اسلام سے روشناس کرانے کے لیے سینکڑوں فوجی مہمات روانہ کرنی پڑیں جن کا تذکرہ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قرابت داروں سے اچھا سلوک کرنے کا جو حکم دیا ہے وہ عین فطرت ہے۔جامع ترمذی کی ایک روایت کے مطابق بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسکینوں اور غریبوں کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے مگر اہل قرابت کو دینے سے دوہرا اجر دیا جائے گا ایک اجر صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا۔

اخلاق حسنہ کی بنیاد صلہ رحمی پہ رکھی ہے اس لیے کہ جو شخص قرابت داروں سے برا سلوک کرتا ہو اور غیروں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آتا ہو ایسے شخص کا اخلاق محض دکھاوا گنا جائے گا ،اور اس کا یہ اخلاق یقیناً کسی غرض پہ مبنی ہوگا۔آج کے معاشرے میں اس جعلی اخلاق کا چلن عام ہے۔رشتے داروں سے اچھا سلوک کرنا اُن کو محتاجی اور مسائل سے بچانا ہم پہ فرض ہے۔ اسی سے معاشرے کی صورت بدلی جا سکتی۔یاد ہے کہ صلہ رحمی قطعہ رحمی کی ضد ہے۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قطعہ رحمی کرنے والا جنت میں نہ جا سکے گا۔اس سلسلے میں عام طور پہ لوگ ایک غلطی کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں ہمارا فلاں رشتہ دار تو ہے ہی برا وہ سب سے برا سلوک کرتا ہے ہم سے بھی بری طرح پیش آتا ہے اس لیے اُس کے ساتھ برا سلوک کرنا عدل ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تم سے برا سلوک کرے اُس سے اچھا سلوک کر جو تجھ سے ٹوٹے تو اُس سے جڑ یہی تو صلہ رحمی ہے۔چنانچہ حکم یہ ہے کہ جو تم سے برا سلوک کرے تم اس سے اچھا سلوک کرو یہی کامل صلہ رحمی ہے جس کی برکات بے انتہا اور ثمرات لامحدود ہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے رشتے داروں کا یہ حال ہے کہ میں اُن سے حسن سلوک کرتا ہوں وہ مجھ سے برا سلوک کرتے ہیں، میں اُن سے نیکی کرتا ہوں وہ مجھ سے بدی کرتے ہیں میں اُن سے بردباری اور درگزر کا معاملہ کرتا ہوں مگر وہ میرے ساتھ جہالت سے پیش آتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی بات غور سے سنی اور فرمایا:

اگر ایسا ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو گویا تو اُن کے منہ پہ جلتی راکھ ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد ہمیشہ تجھے حاصل رہی گے اور تو ہمیشہ اِن پہ غالب رہے گا جب تک کہ تو اپنی اس عادت پہ قائم رہا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح کی ایک اور حدیث پیش خدمت ہے جس سے صلہ رحمی کے ایک اور پہلو پہ روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابو اسید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ!

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ بنو سلمٰی کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ وفات پا گئے ہیں اب ان کے ساتھ صلہ رحمی کی کوئی صورت باقی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا: کیوں نہیں

تو اُن کے لیے استغفار کر، اُن کے رشتے داروں سے اچھا سلوک کر، اُن کے دوستوں کی عزت کر، اُن کا قرض ادا کر، [*25]

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔

اُس قوم پہ رحمت نہیں اترتی جس میں قطع رحمی کا چلن ہو۔ [*26]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد چونکہ مکارم اخلاق کی تکمیل تھا اس لیے منجملہ دوسرے تمام

مکارم اخلاق کے صلہ رحمی کا وصف بھی اسوۂ رسول میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔جیسا کہ قرآن حکیم اور احادیث کی کتابوں میں اس کا تذکرہ بسیط پایا جاتا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ جب آپ ﷺ پہ پہلی وحی کی گئی تو جلال الٰہی سے آپ ﷺ کا قلب مبارک زور زور سے دھڑکنے لگا۔اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: مجھے اوڑھا دو، مجھے اوڑھا دو۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے وحی کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے فرمایا:

”خدا کی قسم: اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا اس لیے کہ آپ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے، سچ بولتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا سہارا بنتے ہیں، نادار لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، نیک کاموں میں لوگوں کے معاون ومددگار ہیں“۔

حضرت خدیجہؓ کے اِن الفاظ کو یہاں تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کو کھول دیا جائے کہ بعثت سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ اخلاق فاضلہ سے متصف تھے اور آپ ﷺ صلہ رحمی فرمایا کرتے تھے۔ [*27]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اپنے رشتے داروں کا از حد خیال رکھا کرتے تھے۔بیان کیا گیا ہے کہ قبل از بعثت اہل مکہ پہ ایک بڑا قحط آیا۔رسول اللہ ﷺ دیکھتے کہ اُن کے باقی چچاؤں کی گزر بسر بہر حال ہو ہی رہی تھی مگر حضرت ابو طالب جن کے کئی بچے تھے اُن کا حال کچھ اچھا نہ تھا۔رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ انھیں اس بارے میں کچھ عملی اقدام کرنا چاہیے۔چنانچہ آپ ﷺ اپنے چچا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فرمایا: چچا آپ کو اپنے بھائی ابو طالب کی حالت کا تو اندازہ ہی ہے تو کیوں نہ اُن کا کچھ بوجھ ہلکا کیا جائے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے جس طرح تم کہو اسی طرح کر لیتے ہیں۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اُن کو مشورہ دیا اُن سے ایک بیٹا آپ لے کر پال لیں ایک کو میں لے لیتا ہوں۔

چنانچہ اس مشاورت کے بعد وہ حضرت ابو طالب کے گئے اور اُن سے بات کی انھوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا بازو تھام کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اُن کو اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے آئے۔ جوان ہونے تک حضرت ابو طالب کے یہ دونوں بیٹے انھی کے گھر پرورش پاتے رہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کے سر پہ تاج رسالت سج گیا اور آپ ﷺ نے اپنی قوم کو حق کی طرف بلایا تو انھوں نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو ایذائیں دیں ،خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برا سلوک کیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اُن پہ ایک سخت قحط کو اتارا۔ امام بخاری کی روایت میں ہے کہ تب اہل مکہ جانوروں کی ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے۔ قرآن حکیم میں سورہ دخان میں اس قحط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تب اہل مکہ کو یوں محسوس ہوتا کہ آسمان دھندلا پڑ گیا ہے۔ بھوک سے اُن کے سر چکرانے لگے تھے اور اُن کے پیٹ سے عجیب عجیب آوازیں آتی تھیں۔

تب قریش کا سردار ابو سفیان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی!

اے محمد (ﷺ):

صلہ رحمی میں آپ ہم سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور صلہ رحمی ہی کی آپ دعوت دیتے ہیں تو پھر

آپ دیکھتے نہیں کہ آپ کی قوم ہلاک ہونے لگی ہے آپ اپنے رب سے دُعا کریں کہ وہ آپ کی قوم کو مصیبت کی اس گھڑی سے نجات دلائے۔رسول اللہ ﷺ نے دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں کو کبھی خالی نہ لوٹایا گیا۔

چنانچہ فوراً ہی بادل چھا گئے موسلا دھار بارش ہونے لگی اور قریش کو اُس مصیبت سے نجات مل گئی جس میں وہ مبتلا تھے اگرچہ اس کے بعد بھی وہ اپنے انکار پہ قائم رہے مگر بالآخر اُن کو سر جھکانا پڑا۔ [28*]

✡✡✡✡✡✡✡✡

یمامہ کے رئیس حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد عمرے کے لیے مکہ تشریف لائے۔اہل مکہ کو علم ہو چکا تھا کہ اُنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔اس لیے جب وہ بیت اللہ طواف کر رہے تھے تو انھوں نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برا سلوک کیا انھیں برا بھلا بھی کہا۔

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ جب اپنے وطن پہنچے تو انھوں نے اپنے قبیلے کو حکم دیا کہ اہل مکہ کو گندم کی ترسیل روک دی جائے۔یاد رہے کہ مکہ بے آب و گیا وادی تھی جہاں گندم تو کجا کھجور تک نہ اگتی تھی اور اہل مکہ سوائے گوشت اور دودھ کے ہر چیز باہر سے منگوایا کرتے تھے۔چنانچہ جب یمامہ سے گندم آنی اچانک ہی بند ہو گئی تو تھوڑے ہی دنوں مکہ میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی ۔کچھ روز بعد صورت حال مزید ابتر ہو گئی تو اہل قریش سر جوڑ کے بیٹھے اور اس نتیجے پہ پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ صلہ رحمی کرنے والے ہیں اُن سے درخواست کی جائے کہ وہ یمامہ سے گندم کی برآمد جاری کرا دیں۔چنانچہ اہل مکہ کا ایک وفد مدینہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ سے فریاد کی:

یا رسول اللہ ﷺ آپ کی قوم بھوکوں مرنے لگی ہے گندم کے ایک ایک دانے کو ترس گئی ہے یمامہ کے حاکم کو حکم دیں کہ وہ ہم گندم جاری کرے۔

رسول اللہ جو صلہ رحمی کرنے والے تھے فوراً حکم دیا ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے خط لکھا

جائے کہ وہ اہل مکہ کو گندم بھیج دیں۔ اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ خط ساتھ لے کر یمامہ کے حاکم حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ تک پہنچے۔ حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا کے حکم پہ سر جھکا دیا اور فوراً اپنے قبیلے کو حکم دیا اہل مکہ کو گندم دے دی جائے۔ [*29]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح کی ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اُس کا نام قتیلہ بنت عبدالعزیٰ تھا وہ حضرت اسماء کی ماں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ سے مشاورت کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتیلہ بن عبدالعزیٰ کو طلاق دے دی اور وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گئی۔ پھر ایک مدت گزر گئی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی، آپ ﷺ ساتھ تقریباً تمام مسلمانوں نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور مدینہ آ بسے۔ پھر ایک روز حضرت اسماء کی والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینے میں اتری اور اپنی بیٹی حضرت اسماء سے ملاقات کی اور کچھ رقم مانگی کہ اُن کی حالت بہت بری تھی۔ مگر حضرت اسماء نے اُن کے کافر ہونے کی بنا پہ انکار کیا۔ تاہم اُن کے دل میں اس بات کا افسوس تھا۔ اس لیے انھوں نے سارا ماجرا حضرت عائشہؓ سے بیان کیا اور کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے پوچھ کے بتانا کہ اس سلسلے میں اسلام کا حکم کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مختصر مگر نہایت جامع جواب دیا۔

عائشہ! اللہ تعالیٰ کسی بھی حالت میں صلہ رحمی سے نہیں روکتا۔ اسماء کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی والدہ کی مدد کرتیں۔

امام بخاری نے اسی طرح لکھا ہے۔

اسی واقعہ کو ابن سعد نے اس طرح لکھا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتیلہ بنت عبدالعزیٰ کو طلاق دے دی کہ وہ اپنے قبیلے کی پیروی پہ

بضد تھی جو اسلام قبول کرنے سے انکاری تھے۔قتیلہ بنت عبدالعزیٰ اپنے قبیلے کو لوٹ گئی۔پھر ہجرت کے بعد ایک دفعہ وہ اپنی بیٹی سے ملنے کے لیے مدینہ آئی اور بہت سے تحائف بھی لائی۔ اُس نے حضرت اسماء سے ملاقات کی اور ساتھ لائے ہوئے تحائف اُن کو پیش کئے۔مگر اپنی ماں کے کفر کی وجہ سے حضرت اسماء نے وہ تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔تاہم انھوں نے حضرت عائشہؓ سے درخواست کی کہ وہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں۔حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس بابت دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

عائشہ: اللہ تعالیٰ کسی بھی صورت میں صلہ رحمی سے نہیں روکتا۔اسماء سے کہو اپنی ماں کے دیئے ہوئے تحائف قبول کر لے اور اُن سے اچھا سلوک کرے۔

[*30]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ہم نے طبقات ابن سعد، مسند احمد، امام بخاری کی روایات درج کر دی ہیں اِن روایات میں اگرچہ کچھ واقعاتی تفاوت تو موجود ہے مگر سبق ایک ہی ہے جو یہ ہے کہ اگرچہ تمھارے والدین کافر ہی کیوں نہ ہوں تمھیں اُن سے صلہ رحمی ہی کا حکم ہے۔اسی طرح کی اور روایتوں میں ہے کہ ہمسایہ کے حقوق بھی اُس کے کفر کی وجہ سے ساکت نہیں ہوتے بلکہ اُن کے ساتھ ہر حال میں عمدہ سلوک ہی کا حکم ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

خود رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل صلہ رحمی سے مزین تھا۔

چنانچہ بیان گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد نوفل بن حارث جب اپنے آبائی دین پہ تھے تب رسول اللہ ﷺ نے اُن پہ بہت سے احسان کیے تھے۔وہ معاشی طور پہ کچھ کمزور تھے اس لیے گاہے بہ گاہے رسول اللہ ﷺ اُن کی مدد فرماتے رہتے تھے۔پھر ایک دفعہ وہ رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری غربت کی وجہ سے کوئی مجھے اپنی بیٹی نہیں دیتا اور مجھے نکاح کی حاجت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی خاتون سے اُن کا نکاح کرا دیا۔

کچھ روز گزرے کہ حضرت نوفل بن حارث پھر تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ آپ نے میرا نکاح کردیا ہے تو اب میرے ساتھ میری بیوی بھی بھوکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے مگر چونکہ آپ ﷺ تو غیروں سے بھی نیکی ہی کرتے تھے وہ تو پھر اپنے تھے۔ اگر چہ ابھی تک وہ اپنے آبائی دین پہ ہی تھے اور اہل قریش ہی کا دم بھرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور حکم دیا میری یہ زرہ لو اور فلاں یہودی کے پاس لے جاؤ اسے رہن رکھوا ور اتنے صاع غلہ میرے چچازاد نوفل بن حارث کو دے آؤ۔ اور یہ صلہ رحمی کی شاندار مثال تھی۔ نوفل بن حارث نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ [*31]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہ تیرہ برس تک اپنے دین کی پاسداری اور حفاظت کی خاطر جلاوطنی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آخر سات ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے واپس مدینہ تشریف لائے اُس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر میں تھے۔ خیبر فتح ہو چکا تھا جب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کی گئی کہ اُن کے چچازاد جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے تشریف لے آئے ہیں تو آپ ﷺ کے منہ سے بے اختیار یہ فقرہ نکلا کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کے فتح ہو جانے کی زیادہ خوشی ہے یا اپنے چچازاد بھائی جعفر کی آمد سے زیادہ خوشی ہوئی ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچے تو آپ ﷺ نے اٹھ کے اُن کا استقبال کیا اُن کو گلے سے لگایا، اُن کا منہ چوما۔

اگلے ہی سال حضرت جعفر غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔

حضرت جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی خبر پہنچائی تو رسول اللہ ﷺ جو مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک ہی رونے لگے۔ صحابہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ اتنا روئے اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ ہم ڈرے اور سہمے ہوئے تھے اس لیے سوال کرنے سے جھجکتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کیوں رو رہے ہیں۔

پھر آپ ﷺ نے بغیر کسی کے پوچھے ہمیں بتانا شروع کر دیا کہ جنگ شروع ہوئی گھمسان کا رن پڑا پہلے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ پھر میرا چچا زاد جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوا، پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گئے اس کے بعد مسلمانوں میں سے اللہ کی ایک تلوار (حضرت خالد بن ولید) نے قوم کی سرداری سنبھالی جس کے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخالفین کے مقابل فتح عطا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا زاد جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا بہت دکھ تھا آپ ﷺ اُن کے گھر گئے اور حضرت اسماء کو اُن کے خاوند جعفر کی شہادت کی خبر دی۔ اسماء یہ سنتے ہی بے ہوش ہو گئیں۔ عورتوں نے انھیں سنبھالا تو رسول اللہ ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا اسماء کے گھر میں سوگ ہے تم لوگ اِن کے لیے کھانا پکاؤ اور اُن کے گھر بھجواؤ۔

رسول اللہ ﷺ کی صلہ رحمی کا سلسلہ بھی رسول اللہ ﷺ کی پوری عمر پہ محیط ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک اخلاقی وصف کی تمام تر تفصیلات بیان کرنے کے لیے بے شمار صفحات درکار ہیں ہم نے صرف اُس پیغام کو منتقل کرنے کی سعی کی ہے جو رسول اللہ ﷺ کا اصل مقصود تھا کہ ہر حالت میں صلہ رحمی اختیار کرو یہی بھلائی کی راہ ہے۔

ایفائے عہد

اخلاق حسنہ کا ایک اہم وصف ایفائے عہد ہے۔ وعدے کو پورا کرنا صدق و دیانت ہی کی ایک شاخ ہے۔ جبکہ اس کے برعکس وعدہ خلافی ایک قسم کا جھوٹ اور بددیانتی ہے۔ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

(القرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷/ ۳۴)

ترجمہ:

''عہد کی پابندی کرو کہ عہد کے بارے میں تم سے حساب لیا جائے گا''

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اخلاق فاضلہ کی تمام صفات سے متصف تھے۔ صحابہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ وعدے کی نہایت سختی سے پابندی کرتے تھے۔ وعدہ خلافی سے نفرت فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کسی سے عہد کیا تو اس کو پورا کیا اگرچہ بعض اوقات عہد پورا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف بھی اٹھانا پڑی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بھی احسن اخلاق کی

تعلیم دیا کرتے تھے اور اُن کو عہد کی پابندی کی تلقین کیا کرتے تھے۔ عہد کا پورا کرنا شرف انسانی کی دلیل ہے۔ معاشرے میں لوگوں کی شخصیت کا تعین عام طور پہ اُن کے انھی رویوں کے باعث کیا جاتا ہے کہ ہم میں سے بعض کے متعلق لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ وہ عہد کا پابند اور ذمہ دار آدمی ہے۔ جب کہ دوسرے بعض کے متعلق لوگوں میں یہ تصور جڑ پکڑ جاتا ہے کہ یہ بے ایمان اور بدعہد آدمی ہے۔ چنانچہ لوگ بدعہد لوگوں سے کوئی معاملہ کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں اور یہ سب انسان کے تساہل اور اُس کی بری عادات کے باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ عہد کے کس قدر پابند تھے سیرت پاک سے چند نظائر پیش خدمت ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن شہر چھوڑ کر بھاگ گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انھیں ضرور قتل کیا جائے گا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ذاتی انتقام پہ یقین نہیں رکھتے۔ چنانچہ انھی بھگوڑوں میں صفوان بن امیہ بھی شامل تھا جو اسلام کا بدترین دشمن تھا اور مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ وہ بھاگ کے جدہ پہنچ گیا۔ حضرت عمیر ابن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے صفوان بن امیہ کے لیے امان طلب کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے دوست کے لیے امان ہے۔

حضرت وہب بن عمیر نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ مجھے کوئی نشانی عطا فرما دیں تا کہ صفوان میری بات کا یقین کرلے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمیر بن وہب کو اپنا عمامہ اتار کے دے دیا۔

حضرت عمیر بن وہب صفوان بن امیہ کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ انھیں پایا تو کہا میرے ساتھ چلو رسول اللہ ﷺ نے تمھیں امان عطا فرما دی ہے۔

صفوان بن امیہ کو حضرت عمیر بن وہب کی بات پہ اعتماد نہ تھا مگر جب انھوں نے صفوان کو رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ نشانی دکھائی تو وہ مان گیا اور مکہ چلا آیا۔

حضرت عمیر بن وہب انھیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

صفوان بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا؟

یارسول اللہ ﷺ یہ شخص کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان عطا فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اقرار کیا اور صفوان بن امیہ کو پھر سے اسلام کی دعوت دی اس بار صفوان نے انکار نہیں کیا بلکہ کہا:

اللہ کے رسول مجھے تین ماہ کی مہلت عطا فرمائیں تا کہ میں اس ضمن میں سوچ لوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تجھے چار ماہ کی مہلت ہے۔

تاہم صفوان چار ماہ پورے ہونے سے پہلے ہی غزوہ حنین کے بعد ایمان لے آئے اور اپنی دنیا اور آخرت سنوار لی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابورافع رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور وہ کفار کی طرف سے سفیر بن کے آئے تھے ۔وہ غلام تھے اور اپنے مالکوں یعنی اہل قریش کا پیغام لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تھے ۔وہ اپنے مالکوں کے دین پہ تھے تاہم جونہی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو دیکھا تو بے اختیار اسلام کی صداقت اُن کے دل میں جا گزیں ہوگئی۔

عرض کی یارسول اللہ:

مجھے اپنے دامن میں پناہ دے دیں میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں میں اب کبھی اُن کا فروں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

نہ میں بدعہد ہوں، نہ سفارت کاروں کو روکنے والا ہوں، ابھی تم اپنے مالکوں کے پاس جاؤ اگر وہاں پہنچ کر بھی تمھارے دل کی کیفیت نہ بدلی تو چلے آنا تب ہم تمھیں پناہ دیں گے۔

ابو رافع نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور واپس چلے گئے۔ تاہم کچھ عرصہ بعد وہ واپس آ گئے اور اسلام قبول کیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مورخین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے جب رسول اللہ ﷺ تجارت کیا کرتے تھے کہ کسی جگہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص عبداللہ بن ابی الحمسا کے ساتھ کوئی معاملہ کیا تو کچھ حساب کتاب تو اسی وقت صاف ہو گیا مگر کچھ حساب باقی تھا کہ عبداللہ بن ابی الحسما نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی واپس آتا ہوں۔ لیکن وہ شخص بھول گیا اور رسول اللہ ﷺ تین دن وہیں اُسی مقام پہ رکے رہے۔ تین دن بعد حضرت عبداللہ کو یاد آیا کہ تو واپس آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ اُسی جگہ مقیم تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اتنی تکلیف کے باوجود صرف یہ الفاظ کہے تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا میں تین دن تک تمھارا انتظار کرتا رہا۔ مورخین نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن الحمسا نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایفائے عہد کا وہ منظر کبھی بھولنے والا نہیں جب شاید مسلمانوں کے دل لرز جاتے مگر رسول اللہ ﷺ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ اور آپ ﷺ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ "عہد ہو چکا ہے"۔

جگہ کا نام حدیبیہ تھا اور موقعہ صلح حدیبیہ کا تھا۔ قریش اور آنحضرت محمد ﷺ کے مابین معاہدہ قرار پا چکا تھا فریقین کے دستخط ہو چکے تھے کہ وہاں ایک عجیب صورت حال پیدا ہو گئی جس کا کسی نے تصور بھی نہ کیا تھا اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات کو مزید انگیخت ملی اگرچہ وہ پہلے پژمردہ تھے۔

واقعہ یوں ہے کہ!

جب فریقین کے مابین معاہدہ طے پا گیا تو سہیل بن عمرو کا بیٹا عاص جس کا لقب ابو جندل تھا اور وہ اسلام قبول کر چکا تھا کسی طریقے سے اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر پا بہ زنجیر مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔

مسلمان خاموش ہو گئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے معاہدہ کر چکے ہیں۔

ابو جندل کی حالت بہت بری تھی وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور اُن کے منہ اور جسم پہ قریش کے تشدد کے نشانات تھے۔

سہیل بن عمرو اٹھا اور اس نے اپنے بیٹے ابو جندل کے منہ پہ زور کا ایک تھپڑ رسید کیا اور آنحضرت محمد ﷺ سے کہا:

اے محمد (ﷺ) یہ وہ پہلا شخص ہے جو مکہ سے بھاگ کر آپ تک پہنچا ہے اور جسے آپ نے واپس کرنا ہے۔

کئی ذود رنج مسلمان ابو جندل کی اس حالت کو دیکھ کر رو رہے تھے اور سہیل بن عمرو ابو جندل کو گھسیٹ کر لے جا رہا تھا۔

ابو جندل نے آنحضرت محمد ﷺ کو پکارا اور کہا:

یا رسول اللہ ﷺ! میرے دین کو آزمائش میں مت ڈالیں۔تاہم آنحضرت محمد ﷺ نے ابو جندل کو تسلی دی اور فرمایا!

اے ابو جندل صبر کرو اللہ تمہارے لیے کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر دے گا تم جانتے ہو کہ ہم نے قریش کے ساتھ عہد کیا ہے اور سلام میں عہد شکنی نہیں ہے۔

اس کے بعد سہیل بن عمرو ابو جندل کو لے کر مکہ کی طرف جا رہا تھا اور حضرت عمر ابو جندل کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور انھیں تسلی دے رہے تھے اور اپنی تلوار کا دستہ بار بار ابو جندل کی طرف کر رہے تھے اُن کی خواہش تھی کہ ابو جندل اُن کی تلوار کھینچ لے اور اپنے باپ پہ حملہ کر دے۔مگر ابو جندل نے حضرت عمر کا عندیہ سمجھنے کے باوجود تحمل سے کام لیا اور اپنے باپ کے

ساتھ مکہ روانہ ہو گئے۔ بعد میں جلد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے راہ پیدا کر دی اور وہ بخیر و عافیت مدینہ پہنچ گئے۔ واقعہ کی جزئی تفصیلات اپنی جگہ گزر چکی ہیں۔ یہاں اسے صرف عہد کی پاسداری کے حوالے سے درج کیا گیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں عہد کی پابندی کے لاتعداد واقعات ہیں اُن سب کو یہاں درج کرنا ممکن نہیں یہاں تو صرف اُس سبق کو پیش کیا رہا ہے، اُس حکم کی تلقین کی جا رہی ہے جو قرآن میں دیا گیا کہ اہل ایمان کو یاد رہے کہ عہد کی خلاف ورزی گناہ ہے، عہد کا حساب لیا جائے گا۔ اور کسی صورت چاہے انسان کس قدر ہی مشکل میں کیوں نہ گرفتار ہو اُس کو عہد شکنی سے بچنا چاہیے۔ دیکھیں مکہ سے دو مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کرتے ہیں یہ دو ہجری کے اُن ایام کا واقعہ ہے جب قریش کی فوج اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے مکہ سے نکل چکی تھی ۔تب حضرت حسیل الیمان اور اُن کے بیٹے حضرت حذیفہ بن یمان کو موقع مل گیا کہ وہ قریش کے تسلط سے خود کو آزاد کرا لیں۔ اور وہ مکہ سے بھاگ نکلے مگر راستے سے ناآشنائی کی وجہ سے وہ لشکر قریش کے عین سامنے آ گئے قریش نے انھیں پھر سے گرفتار کر لیا۔ تاہم قریش کے ایک اہم شخص کی سفارش پہ اُن کو رہائی ملی اور انھیں مدینے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ مگر ان سے عہد لے لیا گیا کہ اس موجودہ جنگ میں وہ مسلمانوں کی طرف سے قریش کے مقابلے پہ نہ اتریں گے۔ انھوں نے عہد کر لیا اور مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں اُن کی ملاقات مسلمانوں کے لشکر سے ہو گئی۔

انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

انھوں نے تمام ماجرا بیان کیا اور اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں اس عہد کے بعد تو بالکل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ مدینے چلے جائیں دونوں صحابی روتے ہوئے مدینے روانہ ہو گئے۔

یاد رہے کہ اُس وقت مسلمانوں کو لوگوں کی جس قدر ضرورت تھی پھر کبھی نہ ہوئی ہو گی کہ اُن کا سامنا اپنے سے تین گنا لشکر سے تھا مگر رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی اُن کے سامنے عہد شکنی کا مظاہرہ کرے ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

وعدہ خلافی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سی روایات مروی ہیں ذیل میں چند ایک احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک قرض کی طرح جسے ادا کرنا چاہیئے"۔

[*32]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے، وعدہ کرے تو پورا نہ کرے"۔

[*33]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو، اپنے بھائی کو برے ناموں یا القاب سے یاد مت کرو، اپنے بھائی سے جھوٹا وعدہ مت کرو‘‘۔

[*34]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو قوم عہد کو پورا نہیں کرتی اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو اس پہ غلبہ عطا فرما دیتے ہیں‘‘۔

[*35]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حقیقت یہ ہے کہ ہم وعدہ پورا کرنے پہ توجہ نہیں کرتے بلکہ اسے حقیر جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کے بارے میں بڑی سخت بات کی ہے۔ یاد رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی امر کے بارے میں حکم فرمائیں کہ اس بارے میں محتاط ہو جاؤ اس کا حساب لیا جائے گا تو یہ ایک سخت بات ہے جس کا خوف ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں رہنا چاہیے اسی میں کامیابی ہے۔ عہد کا پورا کرنا یوں بھی انسان کی شخصیت کو باوقار بنا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی پورا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

✡ ✡ ✡

منزل فلاح

شعوری ارتقاء کے ہر پڑاؤ پہ انسان کے تخیل میں رفعت آتی رہی۔ اول روز سے مقصدِ زندگانی کا سوال اُس کے لیے اذیت کا باعث بنا رہا۔ سوچنے والے دماغوں نے اس کھوج میں کئی منزلیں بھی طے کیں مگر انھیں قبول کرنا پڑا کہ یہ معاملہ اُن کی عقلوں سے وراء ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے انسان کو کبھی بھی کسی ویران چوراہے پہ تنہا نہیں چھوڑا بلکہ فرمایا کہ میرے ڈرانے والے تو بستی بستی میں اترے، کوچہ کوچہ میں گئے، نگر نگر میں گھومے اور صدا لگائی لوگو! جن سوالوں کی اذیت تمھارے دماغوں کو کالے ناگوں کی طرح ڈستی ہے اُن سوالوں کا جواب میرے پاس ہے۔ میں خالق کی طرف سے فرستادہ ہوں۔ میرے پاس وہ علم ہے جس سے تم کو محروم رکھا گیا ہے۔ اللہ کے رسول یہ صدا لگاتے رہے حتیٰ کہ انسانیت محمد عربی ﷺ کے عہد مبارک تک جا پہنچی وہاں بھی وہی ازلی صدا تھی۔ انسانیت کے لیے فلاح کا درد تھا، انسانیت کی گمراہی کا دکھ تھا، انسانیت کی پستی کا حزن تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی لوگوں کو بلایا۔ اُن کی صدا میں سوز تھا، انداز میں وارفتگی تھی فرمایا: لوگو میرے

قریب آ جاؤ۔میں تمھاری الجھنوں، تمھاری پریشانیوں، تمھاری تشنگیوں، تمھاری کوتاہیوں، تمھاری نادانیوں، تمھاری کمزوریوں ، تمھاری آرزوؤں، تمھاری مصیبتوں ، تمھاری گمراہیوں تمھاری عداوتوں، تمھاری دشمنیوں ، تمھارے وسوسوں، تمھاری جفاؤں، تمھارے آنسوؤں، تمھارے پچھتاوں، تمھارے گناہوں، تمھاری امیدوں، تمھارے ارادوں، تمھارے جھگڑوں تمھاری غربتوں، تمھاری مسافرتوں، تمھاری جہالتوں، تمھاری بے علمیوں، تمھاری آزردگیوں، تمھاری بے چارگیوں، تمھاری بے بسیوں، تمھاری نارسائیوں، تمھاری نا آسودگیوں، تمھاری نا آشنائیوں، تمھاری نارسائیوں تمھارے دکھوں، تمھارے مسئلوں کا حل لے کر آیا ہوں۔

میری پیروی کرو ایک اللہ پہ ایمان لے آؤ، فلاح کی طرف آؤ، بھلائی کی طرف آؤ میں تمھارے دکھ کو سکھ سے، تمھارے اندھیروں کو اجالوں سے،، تمھارے شرک کو توحید سے، تمھارے ظلم کو عدل سے، تمھارے جنوں کو خرد سے، تمھارے انکار کو اقرار سے، تمھارے تغافل کو عمل سے،، تمھارے تکبر کو عجز سے، تمھارے دوزخ کو جنت سے، تمھاے فساد کو امن سے، تمھارے لالچ کو بے نیازی سے، تمھارے جہل کو دانائی سے، تمھارے کفر کو اسلام سے، تمھارے نقصان کو فائدے سے، تمھارے خواب کو حقیقت سے، تمھارے تخیل کو تیقن سے، تمھارے زوال کو کمال سے، تمھارے بخل کو سخاوت سے، تمھارے جمود کو انقلاب سے، تمھاے بیمار کو دُوا سے، تمھاے جھوٹ کو سچ سے، تمھارے سیاہ کو سفید سے، تمھاے احساس کو وجدان سے، تمھارے حرف کو معنی سے، تمھارے لفظ کو تصور سے، تمھارے خطاب کو قانون سے، تمھاے امکان کو یقین سے، تمھاے تصور کو حقیقت سے، تمھارے دشت کو آبدانی سے، تمھاے قحط کو فراوانی سے، تمھارے تذبذب کو استقلال سے، تمھارے عزم کو منزل سے، تمھاے ارادہ کو تکمیل سے، تمھارے توہم کو الہام سے، تمھاے استفار کو استغناء سے، تمھارے سوال کو جواب سے، تمھارے کذب کو صداقت سے، تمھارے نفاق کو ایمان سے، تمھارے ظلمت کو نور سے، تمھاری خزاں کو بہار سے، تمھاری گمراہی کو ہدایت سے، تمھاری جہالت کو علم سے، تمھاری عداوت کو محبت سے، تمھاری غربت کو آسودگی سے، تمھاری انارکی کو امن سے، تمھاری ناتوانی کو طاقت سے، تمھاری بے کسی کو حکومت سے، تمھاری تشنگی کو آسودگی سے، تمھاری درشتگی کو تحمل سے،

تمھاری پستی کو رفعت سے، تمھاری رعونت کو بردباری سے، تمھاری مشکل کو آسانی سے، تمھاری ویرانی کو رونق سے، تمھاری عسرت کو فراوانی سے، تمھاری زحمت کو رحمت سے، تمھاری ناآشنائی کو شناسائی سے، تمھاری بدی کو نیکی سے، تمھاری برائی کو اچھائی سے، تمھاری دھوپ کو چھاؤں سے تمھاری سختی کو نرمی سے، تمھاری نافرمانی کو اطاعت سے، تمھاری غلامی کو آزادی سے، تمھاری ذلت کو عزت سے، تمھاری پستی کو رفعت سے، تمھاری خامشی کو صداؤں سے، تمھاری تقدیر کو دُعا سے، تمھاری بدعہدی کو عہد سے، تمھاری بدنظمی کو نظم سے، تمھاری کم نگاہی کو فراست سے، تمھاری قید کو نجات سے، تمھاری نفرت کو محبت سے، تمھاری بھوک کو فراغت سے، تمھاری تقرار کو افکار سے، تمھاری نظافت کو نفاست سے، تمھاری ناپاکی کو طہارت سے، تمھاری بندگی کو عبادت سے، تمھاری حیرت کو اطمینان سے، تمھاری تنگ دامانی کو قلب صمیم سے، تمھاری تنگ دلی کو کشادہ دلی سے، تمھاری زیست کو فرمان سے فرقان سے قرآن سے بدل دوں گا۔لوگو میری اطاعت اختیار کرو اسی میں تمھاری دنیاوی اور آخروی بھلائی ہے۔

چنانچہ یہ وہ ابدی صداتھی جو اللہ کے پیغمبر انسانوں کی بھلائی کے لیے لگاتے آئے ہیں یہ اور بات کہ انسانوں کی اکثریت ہمیشہ گمراہی کی جانب گامزن رہی ہے کہ نفس کی پکار نہ صرف آسان ہے بلکہ پر لذت بھی ہے جو انسان کو دھوکے میں ڈالے رکھتی ہے اور اُس کی مہلت عمر کو گھن کی طرح کھائے جاتی ہے۔انسان نے ہمیشہ گھاٹے کا سودا کیا ہے وہ کل کے نفع پہ آج کے سود کو ترجیح دیتا آیا ہے اور گمراہی کی انھی راہوں پہ اس کی زندگی کی شام ہو جاتی ہے اور وہ خالی ہاتھ خالق کے در پہ جا کھڑا ہوتا ہے جہاں ابدی ذلت اُس کے مقدر میں لکھ دی جاتی ہے۔تاہم نفس انسانی کو ہدایت قبول کرنے کی استطاعت بھی اسی قدر عطا کی گئی ہے جس قدر کہ اُسے برائی کا اختیار سونپا گیا ہے۔اس لیے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ہمیشہ سے حق وصداقت کے ابدی پیغام کا جواب دلی محبت سے دیا اور انھی لوگوں کے وجود سے کائنات کی بقا کا جواز فراہم ہوتا رہا ہے۔چنانچہ تاریخ کی طویل راہداریوں میں جہاں نفس کے پجاریوں کے چرچے ہیں پستی کی منزلوں پہ رواں پست اخلاق لوگوں تذکرے ہیں ،وہیں ہدایت کی خاطر آگ وخون کے دریا پار کرنے والے مخلصین کی زریں پرچھائیاں بھی تاریخ

کے مدفن کی رونق ہیں۔ چنانچہ جب انسان شعوری ارتقاء کے اس پڑاؤ پہ پہنچا جہاں وہ خدا کی امانت کا تحمل کرسکتا تھا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے آخری سندیسہ بھیج دیا گیا جو رسول اللہ ﷺ لے کر کل عالم کی رحمت کے لیے نمودار ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کے امتی مسلمان دنیا کی ایک بڑی حقیقت کے طور ہمیشہ منظر نامے پہ واضح رہے جس کی وجہ سے گمراہ انسانوں پہ حجت بھی قائم ہوتی رہی۔ آج تقابل مذاہب کا دور ہے لوگ حقیقت کی طرف رجوع کررہے ہیں اور عقل وبصیرت سے صدیوں کے مہیب پردے سرک رہے ہیں۔ مغرب ہو یا مشرق، شمال ہو یا جنوب محمد رسول اللہ ﷺ کے پیرو ہر جگہ موجود ہیں اور اپنے عمل سے اپنے دین کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ آج اسلام کا نام کسی کے لیے اجنبی نہیں اگر کوئی اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لے یا اپنی آنکھوں کو اسلام کی روشنی سے ڈھانک لے تو یہ اس کا قصور ہے۔ ورنہ آج کے عقلی معاشروں میں خالق کی پہچان کل کی نسبت بہت آسان ہے۔ صرف جستجو اور احساس کے زندہ ہونے کی ضرورت ہے۔

قرآن بھی موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زیست مبارک کا لمحہ لمحہ بھی انسانیت کی راہنمائی کرنے کے لیے پائندہ اور تابندہ ہے جس سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلموں کی اکثریت بھی آگاہ ہے۔ اگر حق قبول کرنے کی راہ میں کوئی پردہ حائل ہے تو وہ آج بھی تعصب اور آباء پرستی ہی ہے ورنہ تو حق ظاہر ہو چکا۔ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام او رحضرت عیسیٰ علیہ السلام پہ ایمان رکھتے ہیں اور اُن کو برا بھلا نہیں کہتے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام او رحضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرو ہمیں برا بھلا بھی کہتے ہیں اور اپنی قوم کو اسلام کی مسخ شدہ تصویر بھی دکھاتے ہیں کہ مبادا اُن کی امتیں اسلام کی روشن روشن اور اجلی تصویر سے متاثر نہ ہو جائیں یہ الگ بات ہے کہ انفرادی سطح پہ اسلام قبول کرنے والوں کی رفتار بہت زیادہ ہے اور وہ مغربی ذرائع ابلاغ کی کذب بیانی کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لیے حق کی تلاش کے لیے جستجو اور جہد وسعی پہ یقین رکھتے ہیں تو جس نے حق کی تلاش میں قدم اٹھالیا بہت جلد اسے حق دستیاب ہو گیا ۔رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت تک قائم رہنے والی ہے۔ ہر اُس شخص کے لیے نجات کے دروازے کھلے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تسلیم کرلیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی

کو مسلمانوں نے نہایت محبت سے کسی مینارہ نور کی طرح نہ صرف محفوظ رکھا ہے بلکہ بہ تقرار روشنی کے اس چراغ کو علم و تحقیق کا ایندھن فراہم کیا ہے تاکہ جس کو ضرورت ہو وہ جھانک کے دیکھ لے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت مسلمانوں کے ہاں ایک ایسا موضوع رہا ہے، جس پہ ہر دور میں ہر صدی میں گاہ بہ گاہ کام ہوتا رہا ہے۔

سیرت المزمل بھی اسی سعادت کا ایک تسلسل ہے جو ہمیشہ جاری رہنے والا ہے اور کاتب تقدیر شاہ بخت لوگوں کا رخ اس مقدس وادیٔ کی طرف پھیرتا ہی رہا ہے، جس کی وجہ سے سیرت پاک پہ اس قدر جامع کام ہوا ہے کہ کسی اور نبی کی امت سے اس کی کوئی مثال پیش نہیں جاسکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ کسی سنگ میل کی طرح ہے جو راہ منزل میں اس قدر روشنی بکھیر رہے ہیں کہ آنکھوں کا کوئی اندھا تو بغیر کسی دِقت کے منزل تک پہنچ سکتا ہے البتہ دل کے اندھوں کو اِن مقدس راہوں پہ قدم تک رکھنے کی اجازت عطا نہیں فرمائی جاتی کہ خالق نے اُن کے مقدر میں وہ سیاہ رات لکھ دی ہے، جس کے بعد کوئی سحر نہیں مگر ہدایت کے مسافروں کے لیے بشارت ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے شب و روز میں اُن کی پیروی کے لیے اس قدر واضح اور روشن نشانات موجود ہیں، جن کی پیروی آسان اور فطرت کے مطابق ہے اور انسانوں کی کثیر تعداد پندرہ سو سال سے انھی نشانات پہ چل کے منزل حاصل کرتی رہی ہے۔

ہم پھر سے اُن شب و روز کے تذکرے میں اترنا چاہتے ہیں جہاں جا بجا فلاح کے چراغ روشن ہیں جن کی روش روش پہ مہکی خوشبوؤں کے ڈیرے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے شب و روز کے معاملات ہیں جو ہمارے لیے منزل کے خدوخال کا تعین کر رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے لمحاتِ زیست میں تفکر ہے، تدبر ہے، رحمت ہے، راحت ہے فلاح ہے، کامرانی ہے، شجاعت ہے، سخاوت ہے، ایفائے عہد ہے، سچ ہے، ایمان ہے، توکل ہے، طہارت ہے، تذکیہ ہے، حسن تکلم ہے، خندہ وتبسم ہے، شرم وحیا ہے، عفوو درگزر ہے، حلم وتحمل ہے، صداقت ہے، امانت ہے، دیانت ہے، عیادت ہے تعزیت ہے، اخلاقی رفعت ہے، مہمان نوازی ہے، خشیت الٰہی ہے، رقت قلبی ہے، خوف خدا ہے، نفاست پسندی ہے، شان جودوسخا ہے، حسن معاشرت ہے، مداومت عمل ہے، عدل ہے، انصاف

ہے، شفاعت ہے، احسان ہے، ایثار ہے، سادگی ہے، بے تکلفی ہے، بے نیازی ہے، عزم ہے، استقلال ہے، جہاد ہے، تبلیغ ہے، شفقت ہے، محبت ہے، رحمت ہے، مساوات ہے، راست روی ہے، راست گوئی ہے، منزل فلاح ہے، دانش کی مہک ہے، الہام کا رعب ہے، یقین کا اثاثہ ہے، دلیل کے جہان ہیں، تکمیل کے نشان ہیں، سہولت کے جہان ہیں، آسانی کے فرمان ہیں، دانائی کے جہان ہیں۔ چنانچہ ذیل کے صفحات میں انھی زریں اوصاف کی مالا پرونے کا عزم ہے جو لوگوں کے لیے نشانِ منزل اور سنگ میل ہیں اور ہمارے لیے زادِراہ ہیں کہ منزل فلاح کا شوق ہمارے قلم کو اُن مبارک لمحات کے تذکرے میں رواں رکھتا ہے۔

عیادت و تعزیت

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کو کسی کے بیمار ہونے کی اطلاع ملے تو آپ ﷺ فوری طور پہ اُس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ رحمت عالم ﷺ کی اس قدر ذود رنج تھے کہ عیادت و تعزیت کے معاملے میں مسلمان اور کافر میں بھی فرق روا نہ رکھتے تھے بلکہ جو کوئی بھی بیمار ہوتا اُس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے جاتے اور جو فوت ہو جاتا اُس کی نماز جنازہ پڑھتے۔ اگر اس کا موقع نہ ملتا تو میت کے گھر والوں سے تعزیت کرتے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جاتے تو بیمار کی پیشانی پہ ہاتھ رکھتے‘ اُسے تسلی دیتے‘ اُس کی نبض تھامتے اور اُس سے پوچھتے اسے کون سی چیز کھانے کی حاجت ہے؟ مریض اگر کسی چیز کی خواہش کرتا تو رسول اللہ ﷺ اسے فوراً فراہم کرنے کا اہتمام کرتے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو بھی اس امر کی تلقین فرمایا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعمال عین فطرت ہیں جس سے لوگوں کے مابین محبت بڑھتی ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کی مزاج پرسی کی جائے کسی بیمار کا دل بھلایا جائے کسی کے غم اور دکھ میں شریک ہوا جائے تو ہم خود کو کس کس قدر ہلکا پھلکا اور مسرور و مطمئن جانتے ہیں۔ اور یہ سب اس لیے کہ ہے کہ ہم نے خود کو خیر کے کام میں پایا جس سے ہماری روح شاد ہوئی اسی کا اثر ہم اپنے جسم پہ محسوس کرتے ہیں اور خود کو مسرور اور خوش محسوس کرتے ہیں اور زندگی کے وہ سارے بوجھ

سارے دکھ جو ہمارے نصیب میں لکھے گئے ہمیں ہلکے محسوس ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی زیست مبارکہ سے کچھ منتخب لمحات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ خیر کے اس کام میں مشغول رہے اور امت کے لیے راہ عمل متعین کی۔

[*36]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ صحابہ کو عیادت و تعزیت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے جو صبح کو کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جائے تو فرشتے شام تک اس کی مغفرت کی دُعا کرتے رہیں گے، اور جو کوئی شام کے وقت کسی مومن کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جائے تو اللہ رب العزت کے مقرر کئے ہوئے مقرب فرشتے صبح تک اس کی مغفرت کی دُعا کرتے رہیں گے۔

[*37]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے روز اللہ رب العزت اپنے بندوں سے سوال کرے گا؟

اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔

بندہ سوال کرے گا؟

اے اللہ رب العزت: تُو تو رب العالمین ہے تو کس طرح بیمار ہو سکتا ہے اور میں کس طرح تیری عیادت کرتا۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا مگر تو اس کی عیادت کے لیے نہیں گیا۔ اگر تو اس کی عیادت کے لیے جاتا تو مجھے وہیں پاتا۔

[*38]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

ہم کو علم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہیں۔ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے دوسرے کونے کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضرت سعد بن عبادہؓ کا گھر تھا اور اُن کا گھر بہت دور تھا۔وہ سخت گرمی کے دن تھے ہم دس لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے ہمارے پاس نہ تو سواری تھی اور نہ ہمارے پاؤں میں جوتے تھے، نہ ہی ہمارے پاس قمیضیں تھیں۔اور اسی حالت میں شورزدہ زمین پہ چلتے ہوئے ہم حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر پہنچے۔جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو حضرت سعدؓ کے گھر والے اُن کے پاس سے ہٹ گئے۔اور ہم لوگ اُن کے قریب ہوگئے۔صحیح بخاری میں یہی حدیث اس اضافے کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے قریب ہوئے وہ بے ہوش تھے رسول اللہ ﷺ اپنے محبوب صحابی کو اس حالت میں دیکھ کے رونے لگے۔ہم سب بھی رونے لگے اور حضرت سعدؓ کے گھر والے بھی رونے لگے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ کے لیے دُعا کی حضرت سعدؓ ہوش میں آگئے اور کچھ روز بعد بالکل صحت مند ہوگئے۔

[*39]

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہودیوں کا ایک نوعمر لڑکا مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لایا کرتا تھا۔اسلام کی حقانیت اُس کے دل میں گھر کر چکی تھی وہ اسلام قبول کرنا چاہتا تھا مگر اپنے باپ سے ڈرتا تھا جو ایک سخت گیر شخص تھا۔جب وہ لڑکا کئی دن تک مسجد نبوی میں دکھائی نہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے

صحابہ سے اُس کے متعلق دریافت کیا صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ تو سخت بیمار ہے ۔رسول اللہ ﷺ اسی وقت اٹھے اور اُس لڑکے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔رسول اللہ ﷺ نے اس کے سرہانے جا بیٹھے اُس کو تسلی دی وہ سخت بخار میں مبتلا تھا اُس کے جسم سے جیسے آگ نکل رہی ہو۔رسول اللہ ﷺ نے اس کو مخاطب کیا اور کہا بچے اسلام قبول کر لے یہی تیرے حق میں بہتر ہے۔اُس لڑکے نے اپنے باپ کی طرف اسفہامیہ نگاہوں سے دیکھا:

وہ بھی رو رہا تھا اور اُس کا باپ بھی رو رہا تھا۔

لڑکے کے باپ نے کہا:

جس طرح ابوالقاسم فرماتے ہیں اسی طرح کر۔[*40]

اُس لڑکے نے باپ کی اجازت ملتے ہی فوراً کلمہ پڑھ لیا۔

رسول اللہ ﷺ اٹھے اور فرمایا ساری تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس لڑکے کو جہنم کی آگ سے بچالیا۔

اُسی شام اس لڑکے نے انتقال فرمایا۔

[*41]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ساتھ تھے۔حضرت جابر بن عبداللہؓ کا گھر کافی دور تھا اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ پیدل ہی اِن کی عیادت لے لیے تشریف لے گئے۔رسول اللہ ﷺ اُن کے پاس پہنچے تو وہ بیماری کے باعث بے ہوش تھے۔رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو کیا اور کچھ پانی حضرت جابر بن عبداللہؓ کے منہ پہ چھڑکا۔وہ ہوش میں آ گئے۔حضرت جابرؓ کو ہوش آیا تو رسول اللہ ﷺ کو اپنے پاس بیٹھے پایا۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنا مال بانٹ دینا چاہتا ہوں میری راہنمائی فرمائیں۔صحابہ نے بیان کیا کہ فوراً

ہی رسول اللہ ﷺ پہ وحی کی کیفیت طاری ہوگئی اور وراثت کی آیات اتریں یعنی یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ...

[*42]

✡✡✡✡✡✡✡✡

دس ہجری میں رسول اللہ ﷺ حج کے لیے مکہ تشریف لائے۔ایک لاکھ سے زائد صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی اِن میں شامل تھے وہ مکہ میں بیمار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ اُن کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ روایت خود حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی زبانی بیان کی ہے انھوں نے فرمایا کہ:

میں مکہ میں سخت بیمار ہوگیا۔رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں نے عرض کی' یارسول اللہ ﷺ میری ایک ہی بیٹی ہے تو کیا میں ایک تہائی مال اُس کے لیے چھوڑ کر باقی دو تہائی مال کو صدقہ کرنے کی وصیت کرسکتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

تم صرف ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی وصیت کرسکتے ہو اگرچہ ایک تہائی بھی زیادہ ہی ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک میری پیشانی پہ رکھا پھر اس کو میرے پیٹ اور چہرے پہ بھی پھیرا۔

اس کے بعد میری صحت کے لیے دُعا فرمائی:

اے اللہ! سعد کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو کامل کر"۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی دُعا قبول کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرمائی۔میں رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک آج تک اپنے جگر میں محسوس کرتا ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب مکہ میں بیمار ہوئے تو اس بارے میں کئی روایات بیان کی جاتی

ہیں مثال کے طور پہ یہ روایت۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا بھلا تم لوگ عربوں کے نامور حکیم حارث بن کلدہ ثقفی کو کیوں نہیں بلاتے۔

لوگوں نے حکیم العرب کو بلا لیا۔

حارث بن کلدہ ثقفی نے کہا:

انھیں حریرہ کھلایا جائے یہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حریرہ کھلایا گیا تو وہ صحت مند ہو گئے۔

[*43]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت قرۃ بن ایاسؓ سے روایت ہے کہ:

مسجد نبوی میں صحابہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے جس کا منظر یوں ہوتا کہ کوئی آ رہا ہے کچھ دیر بیٹھا پھر چلا گیا کوئی اور آ گیا تاہم اس مجلس میں کچھ لوگ مستقل بیٹھنے والے بھی تھے جو اُس وقت تک بیٹھے رہتے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ موجود رہتے۔ ایک صحابی تشریف لاتے تو اُن کے ساتھ اُن کا چھ سات سالہ بچا بھی آیا کرتا جو کبھی یہاں نظر آتا تو کبھی وہاں نظر آتا کبھی کبھار وہ رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک کی طرف بھی آ جاتا [*44]۔

کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ اس بچے کو پکڑ کر اپنے پاس بھی بٹھا لیا کرتے۔

پھر کچھ دن بعد یوں ہوا کہ نہ تو وہ صحابی نظر آتے اور نہ ہی اِن کا بیٹا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے اِن کے متعلق دریافت فرمایا تو صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ اُس شخص کا بیٹا جسے آپ نے بھی دیکھا ہوا ہے وہ انتقال کر گیا ہے جس کا اُس شخص کو بہت دکھ ہوا ہے اسی لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی محفل میں نہیں آ رہا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں اس شخص سے اُس کے بیٹے کی تعزیت کرنا چاہتا ہوں مجھے اس کے گھر لے چلو صحابہ رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کو تسلی دی اور فرمایا:

کیا تم نہیں چاہتے کہ تمھارا بچہ تم سے پہلے جنت میں جائے اور جب تم وہاں پہنچو تو وہ تمھارے لیے جنت کا دروازہ کھولے اور تمھارا انتظار کرے۔

اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ کی رضا میں راضی ہوں میں اس بات پہ خوش ہوں کہ میرا بیٹا جنت میں ہے اور میرے لیے دروازہ کھولے گا۔

[*45]

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا کہ:

رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن ثابتؓ انصاری بیمار پڑ گئے ہیں تو رسول اللہ ﷺ عیادت کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس صحابی کو کئی بار پکارا مگر انھیں کوئی ہوش نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہو گیا کہ اُن کے صحابی کا آخری وقت آ گیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوربیع (حضرت عبداللہ کی کنیت) بخدا اب ہم تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکتے حضرت عبداللہؓ کے گھر والوں نے رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ سن لیے حضرت عبداللہؓ کے گھر کی خواتین زور زور سے رونے لگیں۔

صحابہ نے انھیں منع کیا اور انھیں یاد دلایا کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ سب کرنا مناسب نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو منع کر دیا اور فرمایا:

انھیں رونے دو مگر اِن سے کہنا جب عبداللہؓ انتقال کر جائے تو صبر سے کام لیں۔

حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ کی بیٹی نے روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے کہا، یارسول اللہ ﷺ میرے باپ کی خواہش تھی کہ وہ شہید ہوں انھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جنگ پہ نکلنے کے لیے پوری تیاری کی تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

بیٹی غمزدہ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے انھیں اِن کی نیت کا ثواب پہنچا دیا ہے۔

[*46]

✡✡✡✡✡✡✡✡

نو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک جلیل القدر ساتھی حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنا کے روانہ کیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ یمن تشریف لے گئے قضائے الٰہی سے یمن میں اُن کا بیٹا وفات پا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے اُن کے نام تعزیتی خط تحریر کرایا۔ خط کا ترجمہ ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یہ خط محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے معاذ بن جبلؓ کے نام تحریر کیا جاتا ہے۔ تم پہ سلامتی ہو، میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اور اس کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ امابعد! اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عظیم سے نوازے اور ہمیں اور تمھیں شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری جانیں مال اور اہل و عیال سب اللہ کی خوشگوار نعمتیں ہیں اور یہ

ہمارے پاس اللہ کی امانتیں ہیں ۔جب تک یہ تمھارے پاس رہیں تمھارے لیے مسرت کا باعث ہوں اور اِن کے چلے جانے سے اللہ انھیں اجرعظیم سے نوازے۔ تمھارے لیے اللہ کی رحمت اور ہدایت ہو اگر تم نے اجر آخرت کی نیت سے صبر کیا پس تم صبر کرو اور دیکھو کہ تمھاری بے قراری اور بے صبری سے مرنے والا لوٹ کے نہیں آ نے والا اور نہ ہی وہ غم دور ہوسکتا ہے جو تمہیں پیش آیا ہو اور تمھارے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے اسے تو بہر حال پیش آنا ہی تھا۔

[*47]

✡ ✡ ✡

صداقت وامانت

رسول اللہ ﷺ نے صدق وامانت کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔صدق سے مراد راست گفتاری یعنی سچ بولنا اور امانت سے مراد امانت کو خیانت سے پاک رکھنا ہے۔اللہ تعالیٰ کے انبیاء ورسل صدق وامانت سے مزین ہوتے ہیں کہ یہ شرف انسانی کا باعث ہے اور اعلیٰ اخلاق میں صدق وامانت جیسے اوصاف یقینی ہیں صدق وامانت کی بنیاد پہ ہی انسان کے قول وفعل کا انحصار ہے ۔اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں میں دوسرے مکارم اخلاق کی طرح یہ دو صفتیں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ بالفاظ دیگر انبیاء ورسل کے سیرت وکردار کا لازمی حصہ ہوتی ہیں اور اِن کی فطرت ہی میں ودیعت کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی شانِ صدق وامانت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی آپ ﷺ اہل مکہ میں صدیق وامین کے نام سے مشہور تھے۔رسول اللہ ﷺ کے صدق وامانت کا گواہ تو خود قرآن ہے۔

ارشاد ہوا کہ:

وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی...

(القرآن الحکیم سورۃ النجم ۴/ ۵۳)

ترجمہ؛

”وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ ایک وحی ہے جو اس پہ نازل کی جاتی ہے“۔

رسول اللہ ﷺ کی قوم اگرچہ بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دشمن ہوگئی تھی اور آپ ﷺ کو ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔لیکن اس حالت میں بھی کسی شخص کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ جھوٹے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کو انھوں نے شخصی طور پہ کبھی جھوٹا نہیں کہا بلکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کی جتنی بھی تکذیب کی وہ محض نبی ہونے کی حیثیت سے کی۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کو صادق اور امین تو کہتے مگر رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کا انکار کرتے اور اس انکار کا سبب اور کچھ نہ تھا بجز اُن کی جاہلیت اور قبائلی تعصب کے۔اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کاہن کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، ساحر کہا طرح طرح کے بہتان لگائے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ کسی کو رسول اللہ ﷺ کو کاذب کہنے کی ہمت نہ ہوئی بلکہ اس کے برعکس اِن کے دل میں یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ سچے ہیں۔علامہ ابن ہشامؒ نے لکھا ہے کہ جب قریش اکٹھے ہو کے بیٹھتے تو رسول اللہ ﷺ کے خلاف باتیں کرتے اور سوچتے کہ اسلام سے کس طرح نمٹا جائے۔وہ جانتے تھے کہ اسلام اُن کے اقتدار کے لیے خطرہ ہے اور اُن کے نوجوانوں میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت بھی انھیں اسلام کے خلاف عملی اقدام کرنے پہ مجبور کرتی تھی۔چنانچہ اسی طرح کی ایک مجلس میں نضر بن حارث نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہ کہا کہ:

”اے قوم قریش! تم محمد (ﷺ) کے بارے میں جو باتیں بیان کرتے ہو اور جو تدبیریں کر رہے ہو وہ سب بے کار ہیں۔ وہ تمھارے سامنے بچہ تھا پھر تمھارے درمیان ہی جوان ہوا۔وہ تم سب سے صادقِ القول اور سب سے بڑھ کے امین ہے۔ اب جب کہ اس کے بال سفید ہونے کو آئے ہیں تو تم اُن کو ساحر کہتے ہو، کاہن کہتے ہو، شاعر کہتے ہو، مجنون کہتے ہو، خدا کی قسم ہم شاعروں کو بھی جانتے ہیں، ساحروں کو بھی دیکھا ہے، ہم نے بہت سے مجنون بھی دیکھے ہیں، ہم کاہنوں کے پاس بھی بیٹھے ہیں۔خدا کی قسم محمد میں ایسی کوئی بات نہیں جو تم کہتے ہو لہٰذا کوئی اور بات سوچو“۔

[*48]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابوجہل کی اسلام سے دشمنی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔اپنی زندگی میں ہر پل وہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پہ کمربستہ رہا۔وہ رسول اللہ ﷺ کا بدترین دشمن تھا اس کے باوجود اُسے رسول اللہ ﷺ کی صداقت وامانت کا اعتراف کرنا پڑا۔

حضرت علیؓ نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

''اے محمد! ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ جو چیز آپ لے کے آئے ہیں اسے جھٹلاتے ہیں''۔

[*49]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک دفعہ ابوجہل اور اخنس بن شریک دونوں کسی جگہ اکٹھے ہوئے دونوں ہی رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے اور اسلام کے مخالفین میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا؟

اے عمرو! ایمانداری سے بتانا کیا محمد جھوٹے ہیں؟

ابوجہل نے جواب دیا:

خدا کی قسم! بالکل نہیں۔

مگر یہ بھی تو دیکھو کہ قصی کی اولاد میں سے لوا، حجابا، سقایہ تو پہلے ہی اِن کے پاس ہیں اب یہ کہتے ہیں کہ رسالت بھی ہم میں ہے تو بتاؤ باقی قریش کے لیے کیا بچا۔

[*50]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کا صدق وامانت عام نہیں بلکہ خاص تھا یعنی اِن اوصاف جلیلیہ کے جس مقام پہ آپ ﷺ فائز ہوئے کوئی دوسرا اس درجہ کمال کو کبھی نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے صدق وامانت کے چرچے صرف اہل مکہ تک محدود نہ تھے کہ بلکہ دور دراز کے ملکوں تک رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے تذکرے تھے۔

چنانچہ قیصر ہرقل روم نے جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق جانا تو اپنے لوگوں سے کہا:

ملک عرب کے لوگوں کو میرے سامنے پیش کرو۔

اتفاق سے سردار قریش اور رسول اللہ ﷺ کا بڑا دشمن ابوسفیان بھی تجارت کے سلسلے میں اِن دِنوں روم میں ہی تھا۔اور اسے ہی ہرقل کے سامنے پیش کیا گیا۔

ہرقل نے ابوسفیان سے پہلا سوال یہی کیا کہ تمھارے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کیا تم نے اسے کبھی جھوٹ بولتے دیکھا ہے۔

تو ابوسفیان کو مجبوراً کہنا پڑا:

نہیں ہم نے انھیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

[*51]

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ خود کبھی جھوٹ بولا نہ ہی اپنے صحابہ کو اس بات کی اجازت دی بلکہ اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو ہمیشہ سچ کی تلقین فرماتے رہے۔

فقہا نے کہا ہے کہ لوگ رواروی میں جھوٹ بول جاتے اور اس کو حقیر جانتے حالانکہ جھوٹ تو گنا ہ کبیرہ میں سے ہے اور انسان کی تمام پریشانیوں کی جڑ ہے۔جھوٹ تو جہنم میں لے جانا والا عمل ہے۔اور امانت میں خیانت بھی بڑا گناہ ہے لوگ اگر کسی کو امین نہیں سمجھتے تو اس شخص کو اپنے اعمال پہ نظر ثانی کرنی چاہیے۔رسول اللہ ﷺ کی صدق وامانت کا تو یہ حال تھا کہ جب اہل

قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ کو ہجرت فرما گئے تب بھی اہل قریش کی بہت سی امانتیں رسول اللہ ﷺ ہی کے پاس تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے پیچھے اسی مقصد کے لیے چھوڑا تھا کہ اہل مکہ کی امانتیں اُن تک پہنچاؤ اس کے بعد میرے پیچھے چلے آنا۔

[*52]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سچ بولتے تھے اس ضمن میں بہت سی احادیث ہم تک پہنچی ہیں چند احادیث تحریر کی جاتی ہیں تا کہ ہمارا تزکیہ ہو سکے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ:

جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے اور اس کے عیب کو ڈھانک لے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ کے فرشتے اس شخص پہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ [*53]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سچا اور امانت دار تاجر صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا۔

[*53]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت سفیان بن اسید خضرمیؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اس سے بڑی کوئی خیانت نہیں کہ تمھارا کوئی دوست تمھیں سچا سمجھتا ہواور تم اُس سے جھوٹی بات بیان کرو۔

[*54]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کا کوئی خطبہ ایسا نہیں سنا جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ نہ فرمایا ہو کہ جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں، جس کا عہد مضبوط نہیں اس کا دین نہیں۔

[*55]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑ لو اور ہمیشہ سچ ہی بولو۔ کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پہ ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک صدیق کا درجہ پا تا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ نافرمانی اور فسق و فجور کا راستہ دکھاتا ہے اور نافرمانی دوزخ میں پہنچاتی ہے اور جب آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک کذاب قرار پاتا ہے“۔

[*56]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت اشعث بن قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کہ جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مارلے گا روز قیامت وہ اللہ کے سامنے کوڑھی بن کے پیش ہوگا‘‘۔

[*57]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت خریم بن فاتکؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یادرکھو جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے۔

[*58]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جھوٹ بولنے سے رزق گھٹ جاتا ہے‘‘۔

[*59]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن کی طبیعت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔

[*60]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی عام بات چیت کو بھی بعض صحابہ لکھ لیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی یہی عادت تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک لبوں سے جو لفظ بھی سنتے اسے لکھ لیتے ۔بعض صحابہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کو ٹوکا کہ تم ایسا مت کیا کرو اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی غصے کے عالم میں کوئی بات فرما دیتے ہیں کبھی مذاقاً کوئی بات فرما دیتے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں تب میں رسول اللہ ﷺ کی باتیں لکھنے سے رُک گیا پھر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بیان کیا۔

میری بات سن کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

میں جو بھی کہوں تم لکھ لیا کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا‘‘۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس ضمن میں اور بھی بہت سی روایات موجود ہے جنھیں احادیث کی کتابوں سے دیکھا جاسکتا ہے ہمارا مقصد صرف اس قدر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مزاج سے آشنائی حاصل کرسکیں اور ہمیں صدق و امانت کے متعلق آگاہی حاصل ہو سکے اور ہم جان سکیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امانت میں خیانت کرنے کو اور جھوٹ بولنے کو کس قدر سخت برا جانا ہے اور اِس کوتاہی کی کس قدر سخت سزا بیان کی ہے۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ہمیشہ اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ وہ حق حلال کی روزی کمائیں پیشہ چاہے کوئی سا بھی ہو۔انسان جانتا ہے کہ وہ دیانت داری سے کام کر رہا ہے یا اپنے فرض سے کوتاہی کر رہا ہے۔آج کی دنیا میں لوگوں نے طرح طرح کے پیشے اختیار کر رکھے ہیں جن سے وہ روزی کماتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود انسان کے اندر ایک نظام وضع کر رکھا ہے جو انسان کو ملاوٹ کرنے پہ ملامت کرتا ہے،کم تولنے پہ اُس کے اندر

سے لعنت ملامت کی آواز آتی ہے اپنے فرائض سے کوتاہی اور غفلت برتنے پہ انسان کا ضمیر اُس کو ملامت کرتا ہے۔ مگر کم ہی انسان ہیں جو ہدایت کی روش اختیار کرتے ہیں حالانکہ انھیں علم ہوتا کہ وہ بددیانتی کر رہے ہیں جس کا انجام برا ہے اس کے باوجود وہ نفس کے بہکاوے میں آجاتے ہیں شیطان کی چال سمجھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں راتوں رات دولت مند بننے کا جنون پوری قوم کا المیہ بن چکا ہے اور مسابقت کی اسی دوڑ میں انسان نیک اور بد، حلال اور حرام کی تمیز کھو چکا ہے جو سراسر گھاٹے کا سودا ہے مگر انسان ہے کہ اُس کی کجروی اُسے جہنم کے گھڑے تک پہنچا کے دم لے گی۔ اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے اور ہمارے دلوں کو بے نیازی عطا فرمائے تاکہ ہم دنیا کی متاعِ قلیل کو آخرت کی نعمت کثیر پہ ترجیح دینے سے باز آجائیں۔

✡ ✡ ✡

عفو و درگزر

جیسا کہ اس سے قبل بھی بارہا بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل ہمیشہ اعلیٰ انسانی خصائص سے مزین ہوتے ہیں۔ انھی اعلیٰ انسانی خصائص میں ایک اعلیٰ وصف عفو درگزر بھی ہے جس کے معنی ہیں معاف کر دینا، درگزر کر دینا، دوسروں کی زیادتی بھول جانا، ذاتی انتقام سے گریز کرنا۔ عفو و درگزر بہترین اخلاقی وصف ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت درجہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی ہے۔

ارشاد ہوا کہ:

الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(القرآن الحکیم سورۃ آل عمران ۳/ ۱۳۴)

ترجمہ:

"اور وہ (جنت) اُن خداترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں خواہ خوشحال، جو غصے کو پی جانے والے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی شخص سے ذاتی انتقام نہ لیا بجز اس کے کہ کسی نے احکام الٰہی کی تفیضح کی ہو"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے امت کے لیے عفو و درگزر کے اتنے لاتعداد نشانات چھوڑے ہیں کہ احادیث وسیرت کی کتابیں اِن سے بھری پڑی ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے مزاج میں انتہا درجے کا تحمل پایا جاتا تھا۔اگرچہ کبھی کبھار رسول اللہ ﷺ کو غصہ آجایا کرتا تھا مگر آپ ﷺ نے اس عالم میں کبھی کوئی ایسا حکم جاری نہیں کیا جو دوسرے لوگوں کی ایذا کا باعث بنے۔رسول اللہ ﷺ نے جب اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دی تو کیا چھوٹا کیا بڑا، کیا اپنا کیا پرایا، کیا آزاد کیا غلام سب ہی رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہوگئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہایت پست اخلاقی رویہ اختیار کیا جو عام طور پہ عربوں کا معمول نہ تھا۔رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں وہ اپنی روایتوں تک کو بھلا چکے تھے جن میں رواداری اور مروّت جیسے اعلیٰ اخلاقی اوصاف شامل ہیں۔عرب معاشرے میں دشمنوں کے بارے میں بھی کئی اخلاقی اصول تھے مگر اُن بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اِن سب کو بھلا رکھا تھا نیچ ذات اور بے قیمت غلام تک رسول اللہ ﷺ کے چہرے پہ خاک ڈالنے سے نہ کتراتے تھے اور اعلیٰ سے اعلیٰ خاندان کے لوگ جو عرب معاشرے میں روایتوں کے امین جانے جاتے تھے وہ بھی اس پستی پہ اتر آئے کہ رسول اللہ ﷺ سے برا سلوک کرنے لگے۔

پھر جیسا کہ ہم جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے تمام دشمنوں کو رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں سرنگوں کر دیا۔یہ وہ وقت تھا جب رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے دشمنوں کو رسول

اللہ ﷺ کے اشارہ ابرو پہ قتل کر دیا جاتا تھا مگر رسول اللہ ﷺ نے اِن سب کو معاف کر دیا ۔رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی عربوں میں گزاری وہ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں تھے جنھوں نے آپ ﷺ کو اذیت پہنچائی مگر آپ ﷺ نے ہمیشہ عفوودرگزر کا دامن تھامے رکھا اور کسی شخص کو اس لیے قتل نہیں کرایا کہ وہ آپ ﷺ کا ذاتی دشمن تھا اگرچہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے دین کے دشمنوں کو آپ ﷺ نے خوب قتل کرایا اگرچہ جنگوں میں بھی خود رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو زخم نہیں لگایا۔رسول اللہ ﷺ کی زیست مبارک سے عفوودرگزر کے کچھ منتخب واقعات پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ عفوودرگزر سے مزین ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اہل مکہ نے کامل تیرہ سال تک رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کی۔وہ کون سی اذیت تھی جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ پہنچائی ہو۔وہ کون سی بری بات تھی جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہ کہی ہو،وہ کونسا مخالفانہ حربہ تھا جو انھوں نے اسلام کے خلاف اختیار نہ کیا ہو۔یہ اہل مکہ کا ظلم و جبر ہی تھا کہ صحابہ کو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں سمیت ملک حبشہ میں پناہ حاصل کرنا پڑی۔تب اہل قریش کا عناد مزید بڑھ گیا۔وہ حضرت ابو طالب سے خائف تھے مگر جب انھوں نے وفات پائی تو وہ اور بھی شیر ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو بے دریغ اور آئے دن ایذا پہنچانے لگے تب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ مسلمان مدینے کو ہجرت کر جائیں انھوں نے لوگوں کو مدینہ جانے سے بھی روکا۔مسلمان چوری چھپے،دو دو چار چار کر کے مدینے پہنچے۔رات کے اندھیرے میں انھوں نے اپنے وطن کو چھوڑا پھر مکہ کے تمام سرکردہ لوگ اکٹھے ہو گئے اور انھوں نے کہا اس سے قبل کہ کسی رات کو رسول اللہ ﷺ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائیں اور کچھ سال بعد عربوں کو لے کر ہم پہ چڑھ دوڑیں ہمیں اُن کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے ۔چنانچہ وہ سر جھوڑ کے بیٹھے اور فیصلہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو آج ہی رات قتل کر دیا

جائے۔اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے منصوبوں کو الٹ دیا اور رسول اللہ ﷺ اُن کے سروں پہ خاک ڈال کے اللہ تعالیٰ کے نظر نہ آنے والے لشکروں کے حصار میں مدینہ روانہ ہو گئے۔پھر آٹھ سال گزرے کہ رسول اللہ ﷺ مجاہدین اسلام کا مہیب لشکر لے کر شہر مکہ کے باہر خیمہ زن ہوئے۔اگلے روز بغیر کسی مزاحمت کے شہر مکہ فتح کر لیا گیا رسول اللہ ﷺ پوری شان سے شہر مکہ میں داخل ہوئے اگرچہ احساس عجز سے رسول اللہ ﷺ کا سر اس قدر جھکا جاتا تھا کہ بار بار اونٹنی کی کوہان سے چھو جاتا تھا۔چنانچہ اب رسول اللہ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کے قدموں میں تھے اور اُس فیصلے کے منتظر تھے جو اللہ کے رسول اُن کے حق میں کرتے۔کفار مکہ کو رہ رہ کے وہ سب ظلم ستم یاد آرہے تھے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ پہ کیے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کے دروازوں پہ اپنے بازو پھیلا رکھے تھے آپ ﷺ نے اپنے بدترین دشمنوں کو معاف کرتے ہوئے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو میں نے تم لوگوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟

اہل قریش میں سے کچھ لوگ اٹھے اور گویا ہوئے۔

ہم تو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ آپ ہمارے شریف بھائی کے بیٹے ہیں ہم نے آپ کو ہمیشہ تحمل اختیار کرنے والا اور نرم مزاج پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک نظر اِن لوگوں پہ ڈالی اور فرمایا:

جاؤ میں نے تم سب کو معاف کیا،تم پہ کوئی الزام نہیں،تم سب آزاد ہو۔

[*61]

عمیر بن وہب رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔بدر میں اہل قریش کو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔قریش سخت نالاں تھے اُن بڑے بڑے سردار قتل کر دیئے گئے۔چنانچہ اہل قریش نے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی انھوں نے عمیر بن وہب کو تیار کیا کہ وہ مدینے جائے اور دھوکے سے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دے۔

عمیر بن وہب تیار ہو گیا اُس نے ایک زہر آلود خنجر بھی اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

وہ مدینہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اسے پکڑ لیا انھوں نے زہر آلود خنجر بھی برآمد کر لیا۔صحابہ نے اسے جکڑ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔

عمیر بن وہب کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اسے قتل کر دیا جائے گا۔اور یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اس لیے کہ مجرم کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا تھا اور اُس نے اپنی سازش کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔

جب اسے نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف چنداں توجہ نہ کی ایک نگاہ غلط ڈالتے ہوئے فرمایا:

اسے چھوڑ دو یہ بات پہ قادر نہ تھا جو اس کے دل میں تھی۔

عمیر بن وہب کے لیے جہاں یہ فیصلہ حیران کن تھا وہیں اس کے لیے خوشی کا باعث بھی تھا کہ اس کی جان بچ گئی۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم ملتے ہی صحابہ نے اسے چھوڑ دیا اور عمیر بن وہب دربار رسالت سے باہر نکل آیا لیکن اب اس کے اندر ایک ایسا شور تھا جو اسے رسول اللہ ﷺ کی شان عفو سے آشنا کرا رہا تھا اُس کے دل کی دنیا بدل چکی تھی۔

وہ انھی قدموں پہ واپس ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اسے دیکھا تو اُس کی طرف لپکے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو منع فرمادیا:

حضرت وہب بن عمیرؓ رسول اللہ ﷺ کے سامنے باادب بیٹھ گئے اپنے قصوروں کا اعتراف کیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی انھیں اپنے دامن رحمت میں جگہ دیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اُن کے ایمان لانے سے بہت خوشی ہوئی

[*62]

رسول اللہ ﷺ دس نبوی میں اہل طائف کو دین حق کی دعوت دینے کے لیے طائف تشریف لے گئے ۔ اہل طائف نے دعوت حق کے مخالف رسول اللہ ﷺ سے بدترین سلوک کیا۔ طائف کے حکمرانوں نے اوباش نوجوانوں کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پہ پتھر برسائے۔ اُن کے پتھروں نے رسول اللہ ﷺ کی ٹانگوں پہ زخم کر دیئے جن سے رس رس کر خون آپ ﷺ کے جوتوں میں جمع ہوتا تھا۔ یہ ظلم عظیم تھا اور اہل طائف کی شقاوت قلبی کا آئینہ تھا جو اُن کی بے حسی پہ دلیل ہے۔ پھر وقت بدل گئے زمانے نے کروٹ لی تمام عرب ایک ایک کر کے رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں سرنگوں ہوتے رہے ایک ایک شہر ایک ایک قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی غلامی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ مکہ کے بعد عربوں کے لڑاکا ترین قبیلے بنو ہوازن کو بھی شکست ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دُعا کی اے اللہ بنو ثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انھیں میرے پاس لے آ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ محاصرہ اٹھا کر مدینہ چلے آئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا۔

اہل طائف خود ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اہل طائف کے خیمے مسجد نبوی کے صحن میں لگائیں جائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کو نہایت عزت بخشی۔ اِن کے آرام وراحت کا خود خیال رکھا۔ آپ ﷺ خود اُن کے خیموں میں تشریف لے جاتے اُن سے بات چیت کرتے رسول اللہ ﷺ نے انھیں کبھی یاد دلانے کی کوشش نہیں کہ تم وہی لوگ ہو جنھوں نے میرے ساتھ بدترین سلوک کیا تھا اب وقت کا دھارا الٹا بہہ رہا تھا رسول اللہ ﷺ اگر چاہتے تو آپ ﷺ کے ادنیٰ سے اشارے سے بنو ثقیف کے سارے سردار قتل کر دیئے جاتے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے نہ تو کبھی ذاتی انتقام لیا تھا اور نہ ہی کسی اسلام قبول کرنے والے کو اُس کا ماضی یاد دلایا تھا۔ اہل طائف جتنے دن مدینہ میں رہے رسول اللہ ﷺ نے اُن سے نہایت عمدہ سلوک کیا جس کا نتیجہ

یہ نکلا کہ بنو ثقیف جیسے اکھڑ لوگ بھی اسلام سے اپنے دامن سجا کے رخصت ہوئے اور سب رسول اللہ ﷺ کی عفوودرگزر کی عادت کا نتیجہ تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

منظر غزوہ اُحد کا ہے رسول اللہ ﷺ زخمی ہیں کفار نے رسول اللہ ﷺ کے دانتوں کو زخمی کر دیا تھا گڑھے میں گرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے کئی دانت شہید ہو گئے تھے۔

عارض مبارک سے بھی خون بہہ رہا تھا اور سر مبارک بھی زخمی تھا۔

صحابہ سے یہ صورت حال برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ آپ اِن بدبختوں کے لیے بددُعا کیوں نہیں کرتے۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابی کی طرف دیکھا دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

اے اللہ! میری قوم کو معاف کرے یہ مجھے نہیں جانتے"۔

اور یہ اِنتہائے عفو تھی۔ ایسا درجہ کمال نہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے دیکھا گیا نہ بعد میں دیکھا جا سکے گا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اہل مکہ آپ ﷺ کے دشمن تھے۔ قریش کم و بیش سبھی رسول اللہ ﷺ کے رشتے دار تھے اُن کی اذیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کی صورت نجات دلائی مگر ابھی عشق کے امتحان اور بھی تھے۔ اس لیے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو دو دشمن عطا کئے گئے بہ باطن یہ دشمن اس قدر پست تھے کہ اِن سے کسی بات کی بھی توقع کی جا سکتی تھی۔ اُن میں اول تو وہ یہودی تھے جن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب و نبوت عطا کی تھی اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو جانتے پہچانتے انکار کیا

تھا۔حق اُن پہ واضح ہو چکا تھا اس لیے اُن کے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔مگر اُن بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کیا جو اُن کے سیاہ باطن کی دلیل تھا اور دوسرا گروہ منافقین کا تھا جو اس قدر پوشیدہ دشمن تھے جیسے کہ آستین کا سانپ ہوتا ہے۔صحابہ فرماتے ہیں ہم منافقین کی سرگرمیوں سے عاجز آچکے تھے ہمیں پتہ ہی نہ چلتا کہ ہم اپنے جس ساتھی کے ساتھ مسلمان بھائی سمجھتے ہوئے دُکھ سکھ کر رہے ہیں شام کو پتہ چلتا کہ وہ تو منافق تھا۔منافقین نے واقعتاً رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچائی اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ منافق سینہ زمین پہ بسنے والے انسانوں میں سب سے رزیل ترین انسانی گروہ تھا جو انسانوں نے آج تک دیکھا ہو اُن سے کسی بھی قسم کی اخلاقی پستی کی توقع کی جاسکتی تھی اُن کی زندگی کا مقصد ہی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اذیت پہچانا تھا۔واقعہ افک اسی کی ایک مثال ہے۔واقعہ افک جو رسول اللہ ﷺ کے لیے سخت اذیت کا باعث بنا تھا۔اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے حلم وتحمل سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دشمنوں کو نیچا دکھا دیا۔اس واقعہ کی تمام تر تفصیلات اپنی جگہ گزر چکی ہیں یہاں ہم بطور تذکرہ اس کا ذکر کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اپنے اُن دشمنوں تک کو معاف فرما دیا تھا جنھوں نے ناموس رسالت پہ ہاتھ ڈالا تھا۔رسول اللہ ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کی زوجہ حضرت عائشہؓ پہ تہمت لگانے میں عبداللہ بن ابی کا ہاتھ تھا اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صبر وتحمل سے کام لیا اور اپنے اِن بدترین دشمنوں کو معاف فرما دیا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بے گناہی کے لیے سترہ آیات اتاریں جو قیامت تک منافقین کے چہروں اور باطن کی سیاہی کی گواہ رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کا سینہ ٹھنڈا فرما دیا۔منافقین مدینہ منہ چھپائے پھرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا۔آپ ﷺ نے اِن لوگوں کو اللہ کے لیے معاف کر دیا اور آپ ﷺ کی شان عفو کی رفعت پہ تو نگاہ کریں کہ کائنات کا یہ ذلیل ترین شخص عبداللہ بن ابی اس واقعہ کے چند ماہ بعد ہی انتقال کر جاتا ہے۔تو اُس کا مومن بیٹا رسول اللہ ﷺ سے

نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کرتا ہے رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے ہیں۔ صحابہ چیخ اٹھتے ہیں یا رسول اللہ یہ وہ شخص ہے جس نے آپ ﷺ پہ قاتلانہ حملہ کرایا، یا رسول اللہ ﷺ رُک جائیں یہ وہ شخص ہے جس نے آپ کی ناموس پہ ہاتھ ڈالا، آپ ﷺ اٹھے تو حضرت عمر نے بلند آواز میں بات کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس منافق کی لیے نماز کے لیے نہ نکلیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ کی شان عفو اسی بات کی متقاضی تھی کہ دشمن کو معاف کر دیا جائے آپ ﷺ نے یہ کہہ کر صحابہ کو خاموش کرا دیا کہ دیکھو بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ستر بار اس کے لیے دعائے مغفرت کروں تو اللہ اسے بخش دے گا تو میں ستر مرتبہ سے زائد اس کے لیے دُعا کرتا۔

ایک اور منظر صحابہ کی نگاہوں کا منتظر تھا۔

منافق اعظم عبداللہ بن ابی کا بیٹا عبداللہ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنا کرتہ اتار دیں تا کہ میں اپنے باپ کو پہنا کے دفن کر سکوں رسول اللہ ﷺ نے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا اور اپنا کرتہ اتار کے اُس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

صحابہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے مگر خاموش تھے کہ انھیں کوئی اختیار نہ تھا سارا اختیار تو خود رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔

پھر آپ ﷺ اُس شخص کے جنازے پہ گئے اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے کسی صحابی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ نماز کے لیے نہ نکلے اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے جو بات رسول اللہ ﷺ نے کہہ دی وہی آخری بات ہے۔

یہ الگ بات کہ قرآن حکیم میں اترنے والی آیات نے اس بات کو کھول دیا کہ اُس کو معاف نہیں کیا جائے گا جس نے رسول اللہ ﷺ کو کوئی اذیت پہنچائی ہو۔ بتا دیا گیا کہ اس بد باطن کو معاف نہیں کیا جا رہا اس لیے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی شان عفو بہت بلند ہے تو اللہ تعالیٰ اُن سے زیادہ غیرت کھانے والا ہے اس لیے یہ کس طرح ممکن تھا کہ اُس شخص کو دوزخ کے مہیب

شعلوں کی نظر نہ کیا جاتا جس کی زندگی کا لمحہ لمحہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مشکلات پیدا کرنے میں گزرا تھا اس لیے فرما دیا گیا کہ منافقوں کے لیے آپ ستر بار استغفار کریں یا اس سے زیادہ مرتبہ میں اُن کو کسی صورت معاف کرنے والا نہیں ہوں۔ ساتھ میں رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العزت کی جانب سے حکم دیا گیا کہ چونکہ میں نے اِن منافقوں کو کسی صورت معاف نہیں کرنا اس لیے آئندہ آپ کسی منافق کی نماز جنازہ مت پڑھائیں۔

رسول اللہ ﷺ کی شان عفو کے کیا کہنے کہ عبداللہ بن ابی سے بڑھ کے اور کوئی آپ ﷺ کا دشمن نہ ہوگا مگر آپ ﷺ نے اُس بد بخت کے مومن بیٹے کی دلجوئی کے لیے کیا کیا نہیں کیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ منافقین نے جب حضرت عائشہؓ کے خلاف تہمت کا بازار گرم کیا تو اُس کی زد میں کئی راسخ العقیدہ مسلمان بھی آ گئے۔ جن میں مسطح بھی شامل تھے جس نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچائی بلکہ ابوبکرؓ صدیق جن کا وہ دیا کھاتا تھا اُن کا بھی اس نے لحاظ نہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق جذباتی ہو گئے اور یہ فطری بات تھی وہ شخص جو اُن سے لے کر کھاتا تھا وہ بھی اُن منافقین کے ساتھ شامل ہو گیا جنھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی کے لیے بری بات کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے قسم کھا لی کہ آئندہ وہ اس شخص کو ایک پائی بھی نہ دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس فیصلے کو ناپسند کیا اور سورہ نور میں آیات اتاریں کہ اُس نے جو کیا سو کیا مگر آپ کا مقام اس سے بلند تر ہے جو آپ نے کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنی قسم توڑ دی قسم کا کفارہ ادا کیا اور ساتھ ہی مسطح کی اعانت بھی جاری کر دی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اِن بد بختوں کو معاف کر دیا تھا کہ آخر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں بہت سا وقت گزارا تھا اس لیے اُن کی شان عفو بھی درجہ کمال کو پہنچی ہوئی تھی ایک بار کسی نے اُن کے سامنے ہی حضرت حسان بن ثابتؓ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

اس طرح تو مت کہو وہ اپنے اشعار سے رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کیا کرتے تھے اور بات کرنے والا شخص اس شان عفو پہ ششدر رہ گیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ثمامہ بن اثالؓ کا تعلق نجد سے تھا۔ وہ یمامہ میں مقیم عرب قبیلے بنو حنیفہ کا رئیس اعلیٰ تھا اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش سے اُس کا الحاق تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے سرداروں سے اس کے ذاتی اور تجارتی مراسم تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل نجد کے خلاف ایک فوجی مہم بھیجی۔

رسول اللہ ﷺ کے یہ صحابہ جب واپسی کے سفر میں تھے تو ثمامہ بن اثالؓ اُن کے ہتھے چڑھ گیا۔

صحابہ کو علم نہ تھا کہ وہ عربوں کا کوئی اہم شخص ہے وہ اسے ایک عام قیدی ہی سمجھتے رہے تاہم انھوں نے ثمامہ کو باندھ رکھا تھا اور اپنے قیدی کے سلسلے میں کسی تساہل سے کام نہ لیا تھا۔

مہم کے لوگ مدینہ پہنچ گئے انھوں نے اپنا قیدی رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا رسول اللہ ﷺ ثمامہ کو دیکھ کے مسکرا دیئے اور صحابہ کو حکم دیا اس قیدی کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دو۔

رسول اللہ ﷺ شاید ثمامہ کو پہچانتے ہوں یا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ثمامہ کی بابت آگاہ کر دیا ہو بات جو بھی ہو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تم نہیں جانتے یہ کون ہے مگر میں ضرور جانتا ہوں یہ کون ہے۔

صحابہ کو جب علم ہوا کہ نادانستہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دشمنوں میں سے ایک اہم اور طاقتور شخص کو گرفتار کیا ہے تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا وہ عربوں کا سردار ہے خبردار اُس کے لیے عمدہ کھانے کا اہتمام کرنا۔

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پہ عمل کیا اور ثمامہ بن اثال کے لیے عمدہ کھانا مہیا کیا۔

اگلی صبح رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو ثمامہ سے کہا:

ثمامہ اسلام قبول کرلو یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

ثمامہ نے جواب دیا:

اے محمد! اگر آپ مجھے قتل کرائیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کرائیں گے جو اس کا حقدار ہے۔ اور اگر آپ مجھ پہ احسان کریں گے تو ایک ایسے شخص پہ احسان کریں گے جو احسانوں کو یاد رکھنے والا ہے اور اگر آپ فدیہ چاہتے ہیں تو جس قدر مانگیں اُسی قدر عطا کیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔

ثمامہ بن اثال اسی طرح بندھا رہا۔

صحابہ حکم رسالت کے باعث اس کو عمدہ کھانا کھلاتے رہے۔

ثمامہ کے لیے یہ سب کچھ قدرے حیران کر دینے والا تھا وہ سارا دن رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے قول وعمل کا مشاہدہ کرتا رہتا۔ وہ صحابہ کی وارفتگی پہ حیران ہو جاتا۔

اگلے روز جب رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے تو پھر ثمامہ کے پاس رکے اور فرمایا:

ثمامہ تو اسلام قبول کرلے کہ یہی تیرے لیے بہتر ہے۔

ثمامہ نے انکار کیا اور کل والی باتیں دھرائیں۔

رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور صحابہ کو نماز پڑھانے لگے۔

ثمامہ بن اثال کے متعلق ابھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا رسول اللہ ﷺ کے دل میں کیا ہے کوئی اس سے آگاہ نہ تھا۔

ثمامہ بن اثال اُسی طرح بندھا ہوا تھا اور تیسری رات بھی گزر گئی۔

تیسرے روز رسول اللہ ﷺ صحابہ کو فجر کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو حسب معمول ثمامہ کے پاس رکے جو اسی ستون سے بندھا ہوا تھا جس سے اُس کو پہلے روز باندھا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اُس کے قریب رُکے اور فرمایا:

ثمامہ تمھارے لیے یہی بہتر تھا کہ تم اسلام قبول کر لیتے۔

ثمامہ نے پھر انکار کیا اور کل والی بات دہرائی۔

رسول اللہ ﷺ نے پاس کھڑے صحابی کو حکم دیا اس کو کھول دو اور ثمامہ بن اثال سے فرمایا:

تم ہماری طرف سے آزاد ہو جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔

ثمامہ بن اثال کو حیران و پریشان چھوڑ کے رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے اور صحابہ کو فجر کی نماز پڑھانے لگے۔

ثمامہ کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ حیران تھا اور اُس کی حیرت کے کئی اسباب تھے۔ اس لیے کہ یہ سب عرب کی معروف روایات کے خلاف تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا دشمن تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف اُس نے کئی بار قریش کی مدد کی تھی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے لشکریوں کے ہاتھ لگ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بظاہر اُسے قید میں رکھا مگر در حقیقت اُس کی خوب خاطر تواضع کی گئی۔ کسی مسلمان نے اُسے برا بھلا نہیں کہا۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اُس سے فدیہ تک طلب نہیں کیا اور فرمایا جاؤ تم آزاد ہو، یہ سب کیا تھا۔ دراصل تو یہ رسول اللہ ﷺ کی شانِ عفو تھی۔ مگر ثمامہ رسول اللہ ﷺ کے درجات سے آگاہ نہ تھا اس لیے اُس کی حیرت بجا تھی۔ مگر یہ بھی تو حقیقت تھی کہ وہ کوئی عام آدمی نہ تھا۔ اپنے قبیلے کا رئیس تھا اور اُس قبیلہ بھی طاقتور تھا۔ وہ خود بھی صاحب دانش آدمی تھا کہ عرب کبھی کسی بے وقوف کو اپنا سردار نہ بناتے تھے پھر بات اُس کی سمجھ میں آگئی کہ رسول اللہ ﷺ تو صرف اُس کی ہدایت کے طالب تھے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو اُس سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اس لیے مسلسل تین دن جب اُس نے ہدایت قبول کرنے سے انکار کیا تو اسے آزاد کر دیا گیا۔ مگر وہ آزاد نہیں ہوا تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت نے اسے قیدی بنا لیا تھا اُس نے مدینے کے ایک باغ میں غسل کیا اور پاک صاف ہو کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور سچے دل

سے اسلام قبول کیا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابوسفیان مکہ فتح ہونے سے پہلے مسلمانوں کا سخت دشمن تھا۔وہ قریش کا سردار تھااور قریش رسول اللہ ﷺ سے دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔حالانکہ یہ آپ ہی کا خاندان تھا۔ سوائے جنگ بدر کے باقی جنگوں میں ابوسفیان ہی اہل کفر کا سردار تھا۔ابوسفیان نے اپنا ایک جاسوس مدینے بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کی خبریں اُن تک پہنچائے۔اُس کا نام فرات بن حیان تھا ۔مسلمانوں نے اسے ایک جاسوس کی حیثیت سے پہچان لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل کا حکم جاری کیا۔مسلمان اسے قتل گاہ کی طرف لے کر چل دیئے۔ابھی وہ راستے ہی میں تھے اور ایک انصاری محلے میں پہنچے تھے کہ فرات بن حیان نے شور مچا دیا۔

مجھے چھوڑ دو میں مسلمان ہوں، مجھے چھوڑ دو میں مسلمان ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پریشان ہوگئے اور رک گئے ۔یہ صورت حال اُن کے لیے نئی تھی ۔چنانچہ وہ اسے قتل کرنے سے باز رہے اور اسے ساتھ لے کر دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے سارا ماجرہ بیان کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اسے چھوڑ دو۔

صحابہ نے کہا! یارسول اللہ ﷺ یہ تو ایک ظاہری بات ہے کہ اُس نے موت کے ڈر سے یہ ڈرامہ کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں اس کے ایمان کا معاملہ اللہ پہ چھوڑتا ہوں۔

صحابہ اسے چھوڑ دیا۔فرات بن حیان اپنی اس آزادی پہ خوش تھا۔مگر اُس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی شان عفو اپنے نشان چھوڑ گئی تھی۔عہد جاہلیت میں وہ اُن شعرا میں شامل رہا تھا جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔اسے اپنی ایک ایک زیادتیاں یاد آرہی تھیں جو اُس نے مسلمانوں سے روا رکھی تھیں۔مسلمان بھی اِن سب باتوں کو جانتے تھے۔مگر اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا تھا۔چند روز اپنے ضمیر کے اسی بوجھ کے ساتھ گزارنے کے بعد آخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہا:

یارسول اللہ ﷺ یہ سچ ہے کہ اُس روز میں مسلمان نہیں ہوا تھا بلکہ اپنی جان بچانے کے لیے مجھے صرف یہی بات سمجھ میں آئی تھی۔مگر اب میں سچے دل سے اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔یارسول اللہ ﷺ میرے سارے قصور معاف کر دیں۔نبی اکرم ﷺ نے اُسے معاف کر دیا۔صحابہ نے بیان کیا ہے کہ اس کے بعد فرات بن حیان ؓ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

توکل علی اللہ

بعض لوگوں کو توکل کے معنی میں اشتباہ ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں انسان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ بیٹھا رہے اور اللہ پہ توکل رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اگرچہ یہ بات توکل کے اصل تصور کے برعکس ہے۔ حقیقت میں توکل وہی ہے جس کا علم ہمیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچا ہے۔ آپ ﷺ ایک غزوے میں تھے کہ ایک مسلمان جلدی سے آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اُس نے اپنا اونٹ بٹھایا اور اتر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس صحابی سے فرمایا:

اپنے اونٹ کو تو باندھ لے کہیں بھاگ جائے گا۔

صحابی نے جواب دیا: میں نے توکل کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پہلے اس کا گھٹنا باندھ اس کے بعد توکل کر۔

چنانچہ اس سے یہ سبق ہم تک پہنچا کہ اگرچہ اللہ پہ بھروسہ کرنا بھی ضروری ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل دی ہے۔ ہاتھ پاؤں دیئے ہیں تو ہمیں عقلی تدبیر کرنی چاہیے اور ہاتھ پاؤں سے عمل کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اللہ کی ذات پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ اللہ پہ بھروسہ کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے آدمی جو بھی کام کرتا ہو اسے دل وجان سے ایمانداری

کے ساتھ کرتا رہے۔اس کے بعد اپنی کوشش کے نتیجے کو اللہ پہ چھوڑ دے۔اور اللہ سے بھلائی کی امید رکھے۔اللہ تعالیٰ جب اسے اس کی محنت کا پھل عطا فرمائے تو وہ اسے اپنی محنت کا ثمر نہیں بلکہ اللہ کا فضل قرار دے۔اللہ تعالیٰ نے کوشش اور جدوجہد کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ میں کسی کی جدوجہد کو ضائع کرنے والا ہرگز نہیں ہوں۔توکل کی ایک صورت یہ ہے کہ جب انسان پہ کوئی مصیبت آئے تو وہ مردانہ وار اس کا مقابلہ کرے اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے۔یعنی اگر کوئی ظالم اس کے درپے ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پہ بھروسا کرے اور ہر حال میں اس ظالم کا مقابلہ کرے فقہا نے کہا ہے اگر چہ وہ ظالم سے مقابلے کی طاقت نہ رکھتا ہو تب بھی وہ ظلم کے مقابل اللہ کے بھروسے پہ اُٹھ کھڑا ہو۔

اللہ تعالیٰ یقینی طور پہ اس کی پشت پہ ہے اور اس کی مدد کرنے والا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا توکل اتنا کامل اور قوی تھا کہ اس کی نظیر پیش کرنی مشکل ہے آپ ﷺ پہ بڑے بڑے مشکل اور کٹھن وقت آئے،مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹے۔لیکن آپ ﷺ کا قلب اطہر کبھی اضطراب یا کسی وسوسے سے آشنا نہ ہوا۔صحابہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے کہ اللہ پہ اعتماد ہی تو میرا خزانہ ہے۔چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی کے کسی بھی دور پہ نگاہ ڈالیں۔آپ ﷺ کا اللہ پہ توکل پوری شان کے ساتھ جلوہ گر نظر آئے گا۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا شدید امتحان شروع ہو گیا تھا۔

جو اللہ تعالیٰ پہ پختہ بھروسے کا متقاضی تھا۔رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہل کفر نے انتہائی شدید مخالفت کا رویہ اختیار کیا۔اور اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔تاہم رسول اللہ ﷺ کو اہل قریش کی عداوت کی ذرا برابر بھی پرواہ نہ تھی۔بلکہ آپ ﷺ بغیر کسی ڈر خطرے کے لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے رہے۔آپ ﷺ تنہا ہی حرم پاک میں تشریف لے جاتے اور بلند آواز سے اللہ کا کلام پڑھتے۔کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش نے انھیں شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔مگر آپ ﷺ بے دھڑک حرم پاک میں

تشریف لے گئے اور معمول کے مطابق اپنی عبادت کی۔ یہ اللہ تعالیٰ پہ آپ کا توکل تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کا عزم وحوصلہ ہی تھا کہ کفار آپ ﷺ سے گریزاں رہے اور انھیں آپ ﷺ پہ حملہ کرنے جرأت نہ ہوئی۔

ایک بار جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کو بہت مجبور کر دیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا:

اے بھتیجے: اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈال میں بوڑھا اور کمزور ہوں مجھ پہ اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا کہ میں اٹھا سکوں۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

عم محترم: واللہ یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پہ سورج رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پہ چاند تب بھی میں تبلیغ حق سے باز نہیں آؤں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا اس راہ میں میری جان چلی جائے۔

چنانچہ اپنے بھتیجے کا توکل اور عزم راسخ دیکھ کر حضرت ابو طالب نے کہا:

بھتیجے! جو تیرا جی چاہے کر، جس بات کو تو پسند کرے کہہ دے، خدا کی قسم میں کسی صورت تم کو دشمنوں کے حوالے کرنے والا نہیں ہوں۔

[*63]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے توکل کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ جس رات رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور قریش آپ کے تعاقب میں تھے تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ صدیق کے ساتھ غار ثور میں پناہ گزیں ہو گئے۔ قریش اُن کا تعاقب کرتے ہوئے عین غار کے دھانے پہ پہنچ گئے۔

اس صورت حال میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کا پریشان ہوجانا فطری امر تھا۔

چنانچہ انھوں نے بے ساختہ کہا:

یارسول اللہ ﷺ اگر انھوں نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں پالیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے نہایت اطمینان سے کے ساتھ جواب دیا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

ابوبکرؓ پریشان مت ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اور واقعی اسی طرح ہوا۔ کفار اپنے پاؤں کی طرف دیکھنا بھول گئے اور رسول اللہ ﷺ کا اللہ پہ توکل سچ نکلا۔ کفار نامراد لوٹ گئے۔ بلکہ وہ تو ہمیشہ ہی نامراد رہے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں شکست پہ شکستیں کھاتے رہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی مشرکین مکہ یہود مدینہ اور منافقین رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں اہل حق اور اہل کفر کے مابین کئی خونی معرکے پیش آئے۔ بقول علامہ شبلیؒ مسائل کے ہجوم اور مصائب کی بھر مار کے باوجود آپ ﷺ کے توکل کا بلند جلوہ نظر آتا ہے۔ نہ کبھی آپ ﷺ دشمن کی تعداد کو خاطر میں لائے نہ کبھی آپ ﷺ نے اِن کے ساز وسامان اور عسکری قوت کی پرواہ کی۔ روزمرہ کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ کا توکل مثالی تھا۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہ کی تھی۔

[*64]

✡✡✡✡✡✡✡✡

جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو ہجرت کی تو ابتدا میں کئی سالوں تک صحابہ اپنے شہر کا پہرہ دیا کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کے حجرے کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ایک بار آپ ﷺ کسی غزوہ میں تھے۔آپ ﷺ نے اپنے خیمے سے سر مبارک نکال کے دیکھا کہ صحابہ آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے مستعد ہیں اور جاگ رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے اِنھیں فرمایا:

جاؤ اور جا کے سو جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے۔

[*65]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ صحابہ سے فرمایا کرتے اگر تم لوگ اللہ پہ ایسا توکل کرو کہ جیسا کہ اُس پہ توکل کرنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمھیں اس طرح روزی دے گا جیسے کہ وہ پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ کے ساتھ واپس آتے ہیں۔

[*66]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت ہے جو اُن سے ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ ہم سے فرمایا کرتے کہ جس شخص کو خواہش ہو کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ پہ توکل کرے۔جس شخص کی خواہش ہو کہ وہ سب سے زیادہ غنی ہو جائے اسے چاہیے کہ وہ اس پہ بھروسا کرے جو اللہ کے پاس ہے اُس پہ بھروسہ نہ کرے جو اس کے ہاتھ میں ہے۔اور جس کی خواہش ہو کہ وہ سب سے زیادہ معزز ہو جائے اسے

چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے۔

[*67]

✡ ✡ ✡

زہد وقناعت

رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی سادگی میں بسر ہوئی۔آپ ﷺ کو دنیا کے مال ومنال سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔بعض مستشرکین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ میں رہے پیغمبر تھے مدینہ میں جا کر بادشاہ بن گئے ۔اِن بدبختوں کو کون بتائے کہ شاہ دوجہان نے جب اس دارِ فانی سے کوچ کیا تو آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی ساہوکار کے ہاں محض چند صاع جو کے عوض رہن تھی اور جن کپڑوں میں رسول اللہ ﷺ کو کفن دیا گیا اُس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے ۔اگرچہ اُس وقت تک سارا عرب فتح ہو چکا تھا۔شام، بحرین وعدن کے سارے علاقے اسلامی مملکت کے زیر سائے آچکے تھے اور مدینہ کی سرزمین میں سیم وزر کا سیلاب آچکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اکثر وبیشتر فاقہ کشی کا سامنا کیا تھا جس کی وجہ مال وزر کی کمی نہ تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ کا طبعی میلان اسی طرف تھا۔رسول اللہ ﷺ دنیا کی زیب وزینت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے۔صحابہ فرماتے ہیں ہم سے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے کہ آدم کے بیٹے کو چند چیزوں کے سوا کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کے لیے مکان، پہننے کے لیے کپڑے اور کھانے کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی ۔یہ زہد وقناعت ہی تھی جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دی اسلام نے اگرچہ مال ودولت کو برا نہیں کہا مگر مال ودولت کے حقوق ادا کرنے کی سختی سے تلقین کی ہے۔کئی صحابہ کے پاس بھی بہت مال ودولت تھا لیکن وہ اسی قدر انفاق فی سبیل اللہ

میں خرچ کیا کرتے تھے۔اگرچہ خودرسول اللہ ﷺ نے اچھے کپڑے بھی پہنے اوراچھا کھانا بھی کھایا مگر یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ مبادا آپ کی قوم بھی راہبانیت کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ جسے آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔

دنیا کی بے ثباتی کا احساس اس قدر شدید تھا کہ ایک دفعہ گلی سے گرزے تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر کی مرمت کررہے ہیں۔

آپ ﷺ نے دریافت کیا عبداللہ یہ کیا؟

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ میں اپنے گھر کی دیوار کی مرمت کررہا ہوں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتنی مہلت کہاں ہے۔[*68]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کے گھر کی حالت سے حضرت عائشہؓ سے بڑھ کے اور کون واقف ہوسکتا تھا ۔انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے شب وروز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور ہمیں بھوکا ہی سونا پڑتا تھا۔

مزید فرمایا کہ:

کئی کئی دن گزر جاتے ہمیں شام کا کھانا نصیب نہ ہوتا اور ہم ایسے ہی سو رہتے۔اور کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ ہمارے گھروں میں پیہم دو دو ماہ تک چولہا نہ جلتا تھا کہ جب پکانے کے لیے کچھ نہ ہو تو انسان چولہا کس لیے جلائے۔

یہ سن کر حضرت عروہ بن زبیرؓ نے پوچھا؟

پھر آخر گزر بسر کیسے ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا گھر میں کھجوریں ہوتی تھیں وہ کھالیتے اور پانی پی کے اللہ

تعالیٰ کا شکرادا کرتے۔ ہاں کبھی کبھی ہمارے ہمسائے رسول اللہ ﷺ کے لیے بکری کا دودھ بھیجتے جسے ہم پی لیتے۔

[*69]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں۔
رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی کبھی چپاتی نہ کھائی اس لیے کہ گندم عربوں میں ناپید تھی اور سفید آٹا جسے میدہ بھی کہا جاتا ہے مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ بلکہ ہماری تو کبھی نظر سے بھی نہ گزرا تھا۔اور یہ باتیں رسول اللہ ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہؓ نے حضرت سہل بن سعدؓ کو بتائیں جو اس واقعہ کے راوی ہیں۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعدؓ نے سوال کیا؟
کیا آپ کے پاس چھلنیاں نہ تھیں کہ آپ آٹے کو چھان لیتیں جس کے بعد وہ صاف ہو جاتا۔
حضرت عائشہؓ نے مسکرا کے جواب دیا:
نہیں بیٹا تب چھلنیاں کہاں تھیں ہم تو جو کے موٹے آٹے کو پھونک مارتے جتنا بھوسہ اڑنا ہوتا اُڑ جاتا باقی کو گوندھ کے ہم روٹی بنا لیتے۔

[*70]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سارا مدنی دور گزارا ہے۔ مجھے نہیں یاد کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا کھایا ہو حتیٰ کہ آپ ﷺ کی وفات کا وقت آ گیا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حالت یہ تھی کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی مہمان اترا جو بھوکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو بھیجا کے ہمارے گھر جاؤ اور پوچھو کیا کھانے کے لیے کچھ ہے؟

وہ پہلے میرے پاس آیا میں نے کہا:

میرے پاس تو صرف پانی ہے۔

اس کے بعد وہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی آٹھوں بیویوں کے پاس باری باری گئے مگر کسی کے گھر میں بھی سوائے پانی کے حلق سے نیچے اتارنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔

[*71]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے خدمت گزار حضرت انسؓ سے روایت کہ میں مسجد پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے اپنے پیٹ کے گرد کس کے کپڑا باندھا ہوا تھا۔

میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کس لیے ہے؟

تو آپ ﷺ نے جواب دیا بھوک کی وجہ سے۔

[*72]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ میں مسجد نبوی میں گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بھوک کی وجہ سے بے قرار ہیں اور مسجد میں لیٹے ہوئے ہیں اور بار بار کروٹیں لے رہے ہیں۔ ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ہمیں خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو آپ ﷺ کی آواز بھوکے رہنے کی کمزوری کی وجہ سے مدھم پڑ جاتی اور ہم جان جاتے کہ رسول اللہ ﷺ کئی دن سے بھوکے ہیں۔ چنانچہ اُس دن جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں بے قراری کی حالت میں کروٹیں بدلتے دیکھا تو مجھ سے برداشت نہ ہوسکا اور میں فوراً اپنے گھر کی

طرف بھاگا۔

اپنی بیوی سے دریافت کیا کھانے کے لیے کچھ ہے اُس نے جواب دیا گندم ہے اگر کہو تو روٹیاں بنا دیتی ہوں۔

میں نے اُسے کہا:

فوراًروٹیاں بنالو اس لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز مدہم پڑ گئی ہے۔ پتہ نہیں انھوں نے کتنے دنوں سے کھانا نہیں کھایا۔ تم روٹیاں بناؤ اس دوران میں بکری کے بچے کو ذبح کرتا ہوں۔

چنانچہ یہ دونوں میاں بیوی کھانے تیار کرنے لگے۔

حضرت ابوطلحہؓ اس دوران رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دے آئے تھے۔

جب کھانا تیار ہونے کے قریب تھا تب رسول اللہ ﷺ اپنے کئی صحابہ کے ساتھ تشریف لائے اور کھانا کھایا جس سے مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔

[*73]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک اور روایت میں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے کئی دن سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ جب بھوک کی بے قراری حد سے بڑھی تو عین دوپہر گھر سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی دور گئے ہوں گے حضرت ابوبکرؓ کھڑے دکھائی دیئے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا بھوک سے وجہ سے نکل آیا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ انھیں لے کر چل دیئے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے حضرت عمرؓ بھی اِن سے آ ملے۔

رسول اللہ ﷺ نے اِن سے بھی اس بھری دوپہر میں باہر نکلنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا:

بھوک کی بے قراری کی وجہ سے نکل آیا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر چلے آئے جو اکثر و بیشتر رسول اللہ ﷺ کے لیے دودھ رکھ چھوڑا کرتے تھے مگر اُس دن رسول اللہ ﷺ چونکہ وقت پہ نہیں پہنچے تھے اس لیے حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وہ دودھ اپنے بچوں کو پلا دیا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ اُس بھری دوپہر کو اپنے صحابہ کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر پہنچے تو وہ اپنے نخلستان کو تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی بیوی نے جب اِن مقدس مہمانوں کو اپنے دروازے پہ پایا تو انھیں خوب اچھی طرح خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ تشریف رکھیں ابوایوبؓ ابھی آجاتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نخلستان مدینے سے زیادہ دور نہ تھا اس لیے ایک بچے نے انھیں مہمانوں کی اطلاع کی تو وہ فوراً ہی پہنچ گئے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اپنے مہمانوں سے پوچھا کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں تو مہمانوں نے کہا ہم بھوکے ہیں اور کھانا کھائیں گے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے نخلستان سے لایا ہوا تیار کھجوروں کا ایک خوشہ اپنے مہمانوں کے آگے رکھا اور عرض کی کھانے کی تیاری میں کچھ وقت لگے گا تب تک آپ اِن کھجوروں کو کھائیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا شمار مدینہ کے امیر لوگوں میں ہوتا تھا اسی لیے رسول اللہ اُن کے مہمان بنے تھے۔حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فوراً ہی ایک بکرا ذبح کیا۔آدھے بکرے کو بھونا گیا اور آدھے بکرے کے کباب بنائے گئے۔دیگر کئی کھانے بھی تیار کیے گئے۔جن میں میٹھا خاص طور پہ شامل تھا۔اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے تو ابتدا میں کئی مہینے رسول اللہ ﷺ کا قیام حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر میں ہی رہا تھا اس لیے یہ

گھرانہ رسول اللہ ﷺ کی پسند ناپسند سے بخوبی واقف تھا۔

گھنٹہ بھر بعد کھانا تیار ہو گیا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے کئی طرح کے کھانے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پرو دیئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک روٹی لی اور اُس پہ تھوڑا گوشت رکھا اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کی ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے فرمایا یہ کھانا میری بیٹی فاطمہؓ کو دے آؤ میں جانتا ہوں کہ اُس نے بھی کئی دن سے کچھ نہیں کھایا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کھانوں پہ نگاہ کی اور اپنے سامنے اتنے سارے کھانے دیکھ کے آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا:

قیامت کے روز جن نعمتوں کے بارے میں سوال ہو گا یہ وہی چیزیں تو ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھایا۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب کسی کے گھر سے کھانا کھاتے تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے میزبان کے لیے خیر و برکت کی دُعا ضرور کرتے۔ چنانچہ اُس روز بھی رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھانے کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

یہ اُس مبارک عہد کی باتیں ہیں جب انسان کے پیشِ نظر صرف آخرت کی کامیابی تھی اور لوگ اس دنیا کو پرکاہ سے بھی زیادہ اہمیت دینے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے۔

آیئے اسوہ رسول کو نگاہ میں رکھ کے دیکھیں کہ ہمارے دامن میں کیا ہے۔ ہم مسلمان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے محبت کا دعویٰ بھی ہے۔ مگر وہ محبت اُس وقت کہاں جاتی ہے جب ہم طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں اور ہمارا ہمسایہ بھوکا سوتا ہے۔ تب وہ محبت کہاں جا سوتی ہے جب بڑی بڑی دعوتوں میں ہم اپنی پلیٹ میں اس قدر گوشت ڈال لیتے ہیں کہ اُس سے آدھا بھی ہم سے نہیں کھایا جاتا اور ہم باقی گوشت ضائع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ اُس خیمے کے باہر بہت سے بھوکے پیٹ اس بات کے منتظر ہوتے ہیں کہ اگر کچھ بچ گیا تو انھیں بھی مل جائے گا۔ مگر ہم اس قدر کھانا ضائع کر دیتے ہیں کہ شاید ہی اِن انسانوں کے پیٹ میں بھی کچھ جاتا ہو۔ جو ہماری

ہی طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر ہمارے ہم مذہب بھی ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ بے کس ہیں اُن کے کپڑے میلے ہیں اور کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہمیں سادگی کی طرف بلاتا ہے۔ دنیا سے بے رغبتی کی دعوت دیتا ہے، اخلاق کی عمدگی کی طرف بلاتا ہے صلہ رحمی کی طرف بلاتا ہے، نرمی کی طرف بلاتا ہے، رحم کرنے کی دعوت دیتا ہے اور یہ سب اعمال انسان کے شرف کی ضمانت ہیں۔ انفرادی سطح پہ تو صورت حال شاید قدرے مختلف ہو مگر اجتماعی سطح پہ مسلمان معاشرے اِن اخلاقی اوصاف سے عاری نظر آتے ہیں۔ جن کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دن رات امت کو بلایا ہے یہی وہ امور خیر ہیں جن کو اپنانے سے آدمی انسان بنتا ہے۔ ورنہ اس ہجوم آدم میں شرف کی پہچان کھو جاتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، صاحب کتاب ہیں، رسول اللہ ﷺ کی سنت ہماری راہنمائی کے لیے موجود ہے۔ اس کے باوجود ہمارے اجتماعی رویے دین کی بنیادی اساس سے اس قدر دور کیوں ہیں؟ یہی وہ سوال ہے جس کا جواب اسوہ رسول میں ہے اور اسے ہی ہم بھولے بیٹھے ہیں۔ اللہ ہم پہ رحم فرمائے۔

✡ ✡ ✡

مہمان نوازی

مہمان نوازی عربوں کے اُن قدیمی شعار میں شامل تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور سے اُن کے ہاں چلے آ رہے تھے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہر عرب مہمان نواز تھا۔ عربوں کے خصائص کے ضمن میں اس کا تفصیلی تذکرہ گزر چکا ہے یہاں ہم صرف رسول اللہ ﷺ کی مہمانداری پہ نگاہ ڈالیں گے۔ قبل ازیں بارہا یہ بیان گزر چکا ہے کہ عام انسانوں میں شرف کے جو اعمال پائے جاتے انبیا و رسل کو اِنھی اعمال میں درجہ کمال عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی مہمان نوازی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ خاص طور پہ آپ ﷺ کی زندگی کے آخری کئی سال تو مہمانوں کی خاطر داری میں ہی گزرے۔ اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دعوتی وفود یا فوجی دستوں کا انتظار کرنے کے بجائے عربوں نے خود ہی اس بات کو سمجھ لیا تھا کہ اب سلام ہی خطہ عرب کا دین ہوگا اس لیے وہ جوق در جوق مدینہ میں اترتے رہے۔ حضرت رملہ رضی اللہ عنہا جو اہل مدینہ میں سے تھیں ایک صحابیہ تھیں اُن کا گھر بہت بڑا اور حویلی نما تھا۔ اس لیے عربوں کے بڑے بڑے قبیلوں سے آنے والے وفود انھی کے گھر ٹھہرائے جاتے۔ صحابہ اُن کی خاطر مدارت کرتے۔ اُن کو کھانا کھلایا جاتا۔ جب وہ اسلام قبول کر لیتے اور اپنے وطن کو واپس ہونے کا ارادہ کرتے تو رسول اللہ ﷺ اِن کو تحائف دیتے اور اُن کے ساتھ محبت سے پیش آتے۔ اسی طرح اُم شریک انصاریہ تھیں وہ بھی ایک دولت مند خاتون تھیں اُن کا تعلق انصارِ مدینہ سے تھا اُن کا گھر بھی بہت بڑا تھا جہاں مہمانوں کے قافلے اترتے تھے

۔بعض لوگوں کو رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں بھی ٹھہرایا کرتے جیسے کہ بنو ثقیف کے لوگوں کو مسجد نبوی کے صحن میں خیمے لگا کے ٹھہرایا گیا۔رسول اللہ ﷺ اسلام کے اِن مہمانوں کی خود خاطر مدارت کیا کرتے تھے ۔ یوں بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے رسول اللہ ﷺ انھیں کچھ کھائے پئے بغیر نہ جانے دیتے تھے۔رسول اللہ ﷺ سچے فیاض تھے اس لیے آپ ﷺ کی فیاضی میں کافر و مومن کا بھی کوئی فرق نہ تھا آپ ﷺ یکساں سب کی مہمان نوازی کرتے تھے ۔چنانچہ جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں خود اپنے ہاں اتارا اور بہ نفس نفیس اُن کی مہمانداری کرتے رہے۔اسی طرح دوسرے مہمانوں کا حال تھا ایک کافر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی میں بھوکا ہوں ۔رسول اللہ ﷺ نے بکری کا دودھ منگایا اور اسے پینے کے لیے دیا مگر وہ سیر نہ ہوا رسول اللہ ﷺ نے ایک اور بکری منگوائی اور اُس کا دودھ اس کافر کو پیش کیا مگر وہ سیر نہ ہوا حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے سات بکریاں منگوائی گئیں تب کہیں جا کر وہ سیر ہوا۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی مہمان آجاتا تو رسول اللہ ﷺ جو کچھ بھی کھانے کے لیے ہوتا اسے پیش کر دیتے جس کے بعد گھر والوں کو بھوکا سونا پڑتا۔

صحابہ میں سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا گروہ تھا۔وہ سب مسلمانوں کے عام مہمان تھے۔لیکن زیادہ تر اُن کی میزبانی خود رسول اللہ ﷺ ہی کیا کرتے تھے۔ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آمیوں کا کھانا ہو وہ اصحاب صفہ میں سے تین لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس تین لوگوں کو کھانا کھلانے کی گنجائش ہو وہ پانچ لوگوں کو اپنے ساتھ لے جائے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھ دس لوگوں کو لے لیا اور

کھانا کھلانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئے ۔سنن ابی داؤد میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ایک پیالہ تھا جو اس قدر بھاری تھا کہ چار لوگ اسے مشکل کے ساتھ اٹھاتے تھے ۔ جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ مسجد میں لایا جاتا اور اسے اصحاب صفہ کے چبوترے کے قریب استوار کیا جاتا۔اصحاب صفہ اس میں سے کھاتے رہتے یہاں تک کہ جب مجمع زیادہ

ہوجاتا تو رسول اللہ ﷺ کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا۔ حضرت مقداد بن اسودؓ کا بیان ہے کہ میں اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے ہماری بینائی جاتی رہی تھی۔ ہم نے خود کو لوگوں پہ پیش کیا مگر کسی نے ہمارے تکفل کی ہامی نہ بھری۔ آخر ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے دولت خانے پہ لے گئے اور تین بکریوں کو ہمارے سامنے کیا اور حکم دیا اِن بکریوں کا دودھ پی لیا کرنا۔

✡ ✡ ✡

رہبانیت سے اجتناب

رہبانیت فطرت سے بغاوت ہے۔ حقیقت سے فرار ہے۔ فرائض سے کوتاہی ہے۔ اعمال میں تساہل ہے جس کی وجہ سے اسلام نے رہبانیت کی مخالفت کی جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو عربوں میں موجود عیسائی رہبانیت کی طرف مائل تھے اور اسے نیکیوں کا درجہ کمال جانتے تھے۔ رہبانیت سے مراد ترک دنیا ہے ترک لذات ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ خاندانی اور سماجی نظام کی نفی ہے راہب عورت کے قریب نہیں آتے جس سے اُن کی نسل منقطع ہو جاتی ہے۔ وہ شہروں اور آبادیوں سے دور ویرانوں، جنگلوں اور غاروں میں اللہ کی عبادت کرتے اور ہر دم خود کو اسی امر میں مشغول رکھنے کی کوشش کرتے۔ بعض راہب اور ننیں (جو عورتیں رہبانیت اختیار کریں) گرجوں میں اکٹھے ہی گوشہ نشین ہو جاتے اور بظاہر تجرد کی زندگی گزارتے۔ لیکن یہ طرز زندگی چونکہ قانون فطرت کے خلاف تھا اس لیے اُن کے اندر شرمناک اخلاقی برائیاں جنم لے لیتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں زہد و قناعت کو اعلیٰ درجے کی اخلاقی صفت قرار دیا ہے وہاں رہبانیت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور صحابہ کو رہبانیت سے اجتناب برتنے کی تلقین فرمائی ہے۔ زہد و قناعت تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر دنیا کی لذتوں میں اس قدر نہ کھو جائے کہ آخرت اُس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ چنانچہ زہد گناہوں سے بچنے اور سادہ زندگی گزانے کا نام ہے اور قناعت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے دیا ہے اُس کا شکر ادا کیا جائے اور جو کچھ اُس نے اپنی کسی مصلحت کی بنا پہ روک لیا ہے اُس کا شکوہ نہ کیا

جائے۔ذیل میں کچھ روایات پیش کی جاتی ہیں جن میں راہبانیت سے رُک جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کسی غزوے پہ تشریف لے گئے۔راستے میں کسی جگہ قیام فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے دیکھا ہے، ایک غار ہے جس میں انسان آرام وسکوون کے ساتھ رہ سکتا ہے، ساتھ ہی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ رواں ہے ہر سو پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔انھوں نے یہ سب دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ! مجھے ایک غار مل گیا ہے جس میں رشتہ حیات برقرار رکھنے کے تمام لوازم موجود ہیں آپ ﷺ مجھے اجازت دیں تو میں یہیں رُک جاؤں اور گوشہ نشین ہو جاؤں۔

رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا:

نہیں! میں یہودیت اور نصرانیت لے کر نہیں آیا میں تو دین ابراہیم لے کر آیا ہوں جس میں سہولت اور آسانی ہے۔

[*74]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی ضمن میں ایک اور روایت میں ہے کہ:

حضرت عثمان بن مظعونؓ رسول اللہ ﷺ کے مقرب صحابی تھے۔انھوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے اعضائے شہوت کو کاٹ ڈالیں یا خصی ہو جائیں۔دنیا کی تمام لذتوں کو ترک کر دیں اور تارک دنیا ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کو اِن باتوں کا علم ہو تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو طلب کیا اور

فرمایا:

جو شخص جان بوجھ کر اپنے اعضائے شہوت کو فنا کرے گا وہ میری امت میں نہیں اٹھے گا۔کیا تمھارے لیے میری ذات کا اسوہ کافی نہیں کہ میں نکاح بھی کرتا ہوں اپنی بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں گوشت بھی کھاتا ہوں۔روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔

بیان کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی فہمائش کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ اپنے ہر اس ارادے سے باز آ گئے جس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

[*75]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے زاہد و عابد تھے۔اُن کو عبادت کا اس قدر شوق تھا کہ ساری ساری رات نوافل میں گزار دیتے۔اور سارا سارا دن روزے سے رہتے۔وہ اپنے اہل وعیال سے دور ہو گئے اور ہمہ وقت یادالٰہی میں گزارنے لگے۔وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔

اُن کے والد حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے بیٹے کی اس رہبانیت سے پریشان تھے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہؓ کی شکایت کی۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو طلب کیا اور اُن کے شب و روز کے بارے میں استفار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جو سچ تھا وہ کہہ دیا۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبداللہؓ یہ سب چھوڑ دو اور میرا طریقہ اختیار کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے دریافت کیا رسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”روزہ بھی رکھا کرو، ناغہ بھی کیا کرو، رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمھارے جسم کا بھی تم پہ حق ہے، تمھاری آنکھ کا بھی تم پہ حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی تم پہ حق ہے تمھارے مہمانوں کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے دوستوں کا بھی تم پہ حق ہے، ہمیشہ روزہ رکھنا تو ایسے ہے جیسے کسی نے روز رکھا ہی نہ ہو، چنانچہ مہینے میں تین روزے رکھ لینا کافی ہیں اور یہ تین روزے ایسے ہیں جیسے تو نے ہمیشہ روزہ رکھا ہو۔ اور مہینے میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو یہ کافی ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ کی قدرت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پھر تم داؤدؑ کا طریقہ اختیار کرلو۔ جو ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک روز ناغہ کرتے تھے اور سات راتوں میں قرآن ختم کرلیا کرو۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نہیں اس سے زیادہ نہیں۔

حضرت عبداللہ خاموش ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا۔

[*76]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت عثمان بن مظعونؓ ہی کے بارے میں ایک اور روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ رات بھر نماز پڑھتے ہیں اور دن بھر روزے سے رہتے ہیں۔ عبادت کے لیے انھوں نے گھر میں ہی ایک حجرہ بنالیا تھا۔ وہ بیوی بچوں سے بے نیاز ہوچکے تھے، وہ حجرے میں ہی معتکف رہا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اُن کے اس طرزِ عمل کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت

عثمان بن مظعونؓ اپنے حجرے میں ہی مقیم ہیں اور عبادت میں مشغول ہیں۔رسول اللہ ﷺ اُن کے حجرے کی چوکھٹ میں کھڑے ہوگئے اور حضرت عثمان بن مظعونؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

اے عثمانؓ: اللہ تعالیٰ نے مجھے رہبانیت کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا۔اللہ کے نزدیک دین حنیف ہی تمام ادیان سے بہتر ہے یہ آسان بھی ہے اور سہل بھی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

یہی روایت مسند ابی داؤد میں ذراسی تبدیلی کے ساتھ درج ہوئی ہے؛

بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی عبادت کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ کو طلب کیا اور فرمایا:

عثمانؓ! کیا تم کو میری سنت پہ عمل کرنا پسند نہیں۔

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا :

یارسول اللہ ﷺ: میرے ماں باپ آپ پہ قربان ہوں آپ کی سنت ہی تو مشعل راہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو سنو

میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، عثمان اللہ سے ڈرو۔تمہاری بیوی کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے مہمان کا بھی تم پہ حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تم پہ حق ہے، اس لیے تم روزہ بھی رکھو، اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو۔

[*77]

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

ایک بار میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں ایک جوان آدمی ہوں میں اپنے نفس سے پریشان ہوں کہیں میں گناہ میں ملوث نہ ہو جاؤں۔ میں شادی کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ مجھے خصی ہونے کی اجازت دی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ کی بات کو سنا: مگر سکوت اختیار کیا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے دوبارہ عرض کی؛

رسول اللہ ﷺ پھر بھی خاموش رہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پھر اپنی بات کہی۔

تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہؓ! اللہ کا حکم اٹل ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

یعنی تمہارے خصی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جو اللہ کو منظور ہوگا وہ ہو کے رہے گا۔ پھر جلد ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہؓ کے لیے ایسے سامان پیدا کر دیا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی شادی ایک امیر خاتون سے ہوگئی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ابن سعدؒ نے اس ضمن میں یہ روایت بیان کی ہے کہ:

حضرت کہمس الہلالیؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ وہ مدینہ سے کہیں دور دراز کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مبلغین کی دعوت پہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے بعد وہ مدینہ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پہ اپنے اسلام کی تجدید کی۔ اس کے بعد واپس چلے گئے اور اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

وہ عبادت سے بہت محبت کرتے تھے اس لیے اپنے وطن گئے تو دن رات عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ رات بھر نوافل پڑھتے رہتے، دن کو روزہ رکھتے۔ اور اسی معمول پہ طویل عرصہ تک قائم رہے جس کی وجہ سے اُن کی صحت بہت گر گئی۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔

کوئی ایک سال بعد رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لیے مدینے تشریف لائے۔

رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا مگر رسول اللہ ﷺ اُن کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ اُن کی حالت ہی بدل گئی تھی شدید مشقت کی وجہ سے وہ بہت لاغر ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا ؟تم کون ہو۔

انھوں نے جواب دیا:

یارسول اللہ ﷺ میں پچھلے سال ہی تو آپ سے ملا تھا اور اسلام قبول کیا تھا کیا آپ مجھے بھول گئے ہیں میرا نام کہمس الہلالی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو یاد آ گیا۔تاہم آپ ﷺ نے فرمایا:

مگر تمہیں ہوا کیا ہے؟

حضرت کہمسؓ الہلالی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ یہ سب تو عبادت کی کثرت کی وجہ سے ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قدرے غصے سے انھیں مخاطب کیا اور فرمایا:

تمھیں اس قدر تکلیف اٹھانے کا حکم کس نے دیا تھا۔

پھر میں کیا کروں۔حضرت کہمسؓ نے سوال کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

پورے مہینے میں بس ایک روزہ کافی ہے۔

حضرت کہمسؓ نے فرمایا مگر میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

چلو تین سہی مگر اس سے زیادہ نہیں۔

[*78]

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح ایک دفعہ کچھ صحابہ ازواج مطہرات کے پاس حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت فرمایا:

رسول اللہ ﷺ کی بیویوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نماز بھی پڑھتے ہیں سوتے بھی ہیں۔گھر کے کام بھی کرتے ہیں اور دیگر امور میں بھی مشغول رہتے ہیں۔

صحابہ کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ عبادت کرتے ہوں گے مگر انھیں یہ جان کے حیرت ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر عبادت نہیں کرتے جس قدر کہ اِن کا خیال تھا۔

تاہم پھر انھوں نے سوچا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔

چنانچہ انھوں نے آپس میں اس بات کا تذکرہ کیا۔

پھر اُن میں سے ایک بولا:

میں تو اب دن رات اللہ کی عبادت میں ہی گزاروں گا تاکہ میرا اللہ مجھ سے راضی ہوجائے۔

دوسرا بولا:

میں تو اب مسلسل روزے رکھوں گا حتی کہ میرا رب مجھ سے راضی ہوا جائے۔

تیسرا بولا:

میں عمر بھر شادی نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ اللہ کی عبادت کروں گا۔

رسول اللہ ﷺ حجرے کے اندر ہی تھے اپنے اِن صحابہ کی باتوں کو سن رہے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے آواز دے کہ اِن تینوں صحابہ کو بلا لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اِن سے فرمایا:

”واللہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، مگر میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، تو یاد رکھو تم میں سے جو میرے طریقے پہ نہیں چلتا وہ میری جماعت سے خارج ہوگیا“۔

[*79]

رہبانیت کے حوالے سے بہت سی حدیثیں ہیں۔ہم نے تو صرف انتخاب پیش کیا ہے۔یاد رہے کہ ہندوؤں کے قریب ہونے کی وجہ سے ہم پاکستانی مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلام کی تعلیمات میں قدرے تفاوت آ گیا ہے اور ہم بہت سے اُن لوگوں کو جانتے ہیں جنھوں نے ہندوؤں سے جوگی ازم کو اپنایا اور راہبانیت کی طرف مائل ہوئے۔سادہ لوح مسلمان انھیں قابل عزت اور صاحب تقویٰ جانتے ہیں حالانکہ اُن کے منکوں اور گندے کپڑوں سے آتی بو ہی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ وہ اسلام کی تعلیم طہارت سے کس قدر دور ہیں۔یہی معاملہ کچھ طریقت کا بھی ہے کہ بعض نادانوں نے شریعت کی موجودگی کے باوجود طریقت کے رسم و رواج کو وضع کیا اور لوگوں کی گمراہی کا سامان کیا۔تصوف بذات خود کوئی بری چیز نہیں تاہم ہمارے ہاں جس تصوف کو رواج دیا گیا اسلام سے اُسے کوئی علاقہ نہیں اللہ ہمیں ہدایت عطا فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کے دیئے ہوئے سیدھے سادھے اور آسان دین کی پیروی اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

رقت قلبی

حقیقت یہی ہے کہ جو کچھ اللہ کے رسول جانتے ہیں عام لوگوں کو اس کا کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ اسی لیے انبیاء ورسل سنجیدہ اور بردبار ہوتے ہیں، کم ہنسنے والے اور زیادہ رونے والے ہوتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے اللہ کے ہاں جس قدر درجے تھے اُس سے کون واقف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ صاحب ''قاب قوسین'' ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عرشوں کی سیر کرائی ہے۔رسول اللہ ﷺ کو حوض کوثر عطا فرمایا ہے، رسول اللہ ﷺ کے گناہ بخش دیئے گئے ہیں۔اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ پہ خشیت الٰہی کا اس قدر اثر تھا کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر فکر آخرت میں مغموم رہتے اور دن بھر میں ستر یا سو دفعہ استغفار کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بھی فکر آخرت کی شدید تلقین کی۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو انسان کا اس دنیا میں کیا ہوا عمل اسی صورت راست روی اختیار کرسکتا ہے اگر انسان کے دل میں روز محشر اپنے خالق کے سامنے پیش ہونے کا خوف ہو۔اس کے بعد ہی انسان کے عمل میں وہ نکھار آجاتا ہے جس کے بعد انسان بھلائی کی اُن راہوں کو اختیار کرلیتا ہے جس میں اُس کی نجات ہے۔فکر آخرت ہی سے انسان اسلام کا اصل حق ادا کرسکتا ہے اور فکر آخرت کا عقیدہ ہی انسان کو پکا اور سچا مسلمان بناتا ہے۔دوسری صورت میں انسان کا عمل کبھی خیر کی طرف اور کبھی شر کی طرف جھکتا رہتا ہے اور آخرکار انسان مکمل طور پہ شیطان کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جاتا ہے اور فکر آخرت سے بے پرواہ ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں بالآخر اُس کی دنیا بھی ذلت آمیز بنادی جاتی ہے

اور روزِ محشر اپنے اللہ کو پیش کرنے کے لیے اُس کے دامن میں بھی کچھ نہیں بچتا اور وہ خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور جس نے زادِراہ کا خیال نہ کیا ذلت اُس کا مقدر بن جاتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو فکر آخرت کی اس قدر تاکید کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بار بار رو دیتے تھے۔ اس ضمن میں ذخیرہ روایت سے رسول اللہ ﷺ کی چند منتخب احادیث پیش کی جاتی ہیں کہ شاید کسی مسلمان کے دل میں روزِ محشر کی کامیابی کا احساس کروٹ لے کے جاگے تو ہماری یہ جہد و سعی ثمر بار ہو جائے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ تم نہیں دیکھتے، جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے، جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے خدا کی قسم اگر تمھیں اِن باتوں کا علم ہو جائے جن کو میں جانتا ہوں تو اس کے بعد تم کبھی نہ ہنستے بلکہ اکثر روتے ہی رہتے۔

[*80]

✡✡✡✡✡✡✡✡

سنن ابی ماجہ کی روایت ہے کہ!

رسول اللہ ﷺ جب کبھی آندھی یا طوفان کے آثار دیکھتے یا سیاہ بادلوں کے غول چڑھ آتے تو مضطرب ہو جاتے کہ کہیں یہ کسی طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں۔ ایسے وقت اگر آپ ﷺ کوئی ضروری کام کر رہے ہوتے تو اُسے چھوڑ دیتے اور قبلہ رو ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے۔

اے اللہ! میں تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہوں۔

[*81]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک دن ایسا ہی واقعہ پیش آیا تو اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی:

یارسول اللہ ﷺ!

آپ کے اضطراب کا کیا سبب ہے؟

آپ ﷺ فرمایا: کیا معلوم کہ قوم ہود والی مصیبت ہمیں نہ پیش آجائے۔ اس قوم نے بادل دیکھ کے کہا تھا یہ ہمارے کھیتوں کو سیراب کردے گا لیکن حقیقت میں وہ عذاب الٰہی تھا۔

[*82]

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک دفعہ مسجد میں دیہاتیوں کا بہت ہجوم ہوگیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھیرے میں لے لیا۔ آپ ﷺ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ پسینے میں تر بتر ہوگئے۔ انصار و مہاجرین نے آپ ﷺ کی تکلیف کو محسوس کر لیا انھوں نے بزور بازو اِن دیہاتیوں کو رسول اللہ ﷺ سے الگ کیا اور رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ اِن دیہاتیوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر زچ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے لبوں سے اِن کے لیے بدعا نکل گئی۔ تاہم تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ کو اس بات کا احساس ہوا تو آپ ﷺ نے قبلہ رخ ہو کے دوبارہ دُعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی۔

یارب العزت: میں ایک انسان ہی تو ہوں اگر تیرے کسی بندے سے مجھ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اُس کو معاف کردینا۔

[*83]

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ نے بیان کیا ہے کہ!

رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز پڑھایا کرتے تو جب قرآن کی وہ سورتیں پڑھتے جن میں آخرت کا

ذکر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ نماز میں ہی رونا شروع کر دیتے اور اتنا روتے کہ ایسا لگتا جیسے کوئی ہانڈی ابل رہی ہو اور ہم بھی رونے لگتے۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کی ریش مبارک پہ نگاہ ڈالی اور فرمایا:

یارسول اللہ ﷺ:

آپ کے بال تو پکنے لگے (یعنی سفید ہونے لگے)

تو نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا؛

ہاں ابوبکرؓ مجھے، سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ عم یتسالون اور سورہ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔

[*84]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ ایک غزوے سے واپس آئے تو راستے میں ایک پڑاؤ پہ کچھ لوگوں کو بیٹھے پایا۔ آپ ﷺ نے اِن لوگوں سے پوچھا وہ کون ہیں؟

انھوں نے جواب دیا ہم مسلمان ہیں۔

اُن کے قریب ہی ایک عورت آگ سلگا رہی تھی پاس میں اُس کا ننھا بچہ کھیل رہا تھا۔

پھر وہ اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا:

آپ اللہ کے سچے رسول ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: بے شک

اُس عورت نے سوال کیا یارسول اللہ ﷺ کیا اللہ اپنے بندوں پہ اُس سے زیادہ مہربان نہیں جتنا ایک ماں اپنے بچے پہ مہربان ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: بے شک

عورت نے کہا:

جب میں اپنے بچے کو کسی صورت آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتی تو اللہ اپنے بندوں کو کس طرح آگ میں ڈالے گا؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

اللہ اپنے بندوں کو آگ میں نہیں ڈالنا چاہتا مگر بندے خود کو آگ میں گرا لیتے ہیں اللہ صرف سرکش اور نافرمان بندوں کو آگ میں ڈالے گا۔

[*85]

✡✡✡✡✡✡✡✡

صحابہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بہت زود رنج تھے اور آپ ﷺ کو بہت جلد رونا آجاتا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیکھا تو رونے لگے۔

کچھ صحابہ حقیقت سے ناواقف تھے اس لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح رونے پہ حیرت کا اظہار کیا۔

صحابہ نے اُن کو حقیقت بتائی کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے ایک امیر اور تاجر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کا یہ حال تھا جس گلی سے گزر جاتے وہ گلی خوشبوؤں سے بھر جاتی وہ اس قدر خوشبو لگایا کرتے تھے۔ شہر مکہ میں اُن کا لباس سب سے قیمتی اور اُجلا ہوا کرتا اور وہ نہایت مہنگے جوتے پہنا کرتے۔ پھر انھوں نے اسلام قبول کیا تو اُن کے گھر والوں نے اُن سے سب کچھ چھین کر اُن کو گھر سے نکال دیا۔ آج جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو دیکھا تو اُن کے بال پراگندہ تھے۔ آنکھوں میں رت جگوں کی سرخی تھی اور اُن کے کھدر کے موٹے لباس پہ آگے پیچھے کئی پیوند لگے تھے اور وہ پاؤں سے ننگے تھے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ سے اپنے محبوب صحابی حضرت مصعب بن عمیرؓ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور آپ ﷺ رو دیئے۔

[*86]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ایک صحابی دور جاہلیت کی باتیں کر رہے تھے۔وہ اپنے اُس پچھتاوے کو بیان کر رہے تھے جو انھیں اپنی بچی کو دفن کرنے کے بعد ہوا تھا۔وہ کہہ رہے تھے اسلام سے قبل ہمارے دل اس قدر سخت تھے کہ کسی جانور کا دل بھی اس قدر سخت نہ ہوگا۔وہ بیان کر رہے تھے کہ میں صحرا میں گیا اور ایک گڑھا کھودا۔اس کے بعد میں گھر آیا اپنی پانچ سالہ بچی کو ساتھ لیا جو مجھ سے بہت محبت کرتی تھی۔وہ خوشی خوشی میری انگلی تھامے جدھر اُس کو لے جاتا میرے ساتھ چل پڑتی تھی۔اُس دن بھی اُن نے کوئی اعتراض نہ کیا اور میرے ساتھ چل دی۔

میں اُسے لے کر اُس گڑھے کے کنارے پہنچا اور اسے کہا:

اُدھر دیکھو اُس نے اُدھر دیکھا تو میں نے اسے گڑھے میں دھکا دے دیا۔

وہ چیخ رہی تھی مگر میں اُس پہ ریت ڈال رہا تھا۔

اُس کا آخری فقرہ جو مجھ تک پہنچا وہ یہ تھا۔

اے میرے باپ تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا:

یا رسول اللہ ﷺ اُس کی یہ صدا میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے مجھے چین نہیں لینے دیتی۔

میں رات کو سوتا ہوں مگر وہی صدا مجھے جگا دیتی ہے۔

میرے کانوں میں اُس کا آخری فقرہ گونج جاتا ہے۔

اے میرے باپ تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔

اس کے بعد مجھے نیند نہیں آتی یا میں اس خوف سے نہیں سوتا کہ خواب میں وہ پھر مجھے کہے گی۔

اے میرے باپ تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔

وہ شخص یہ واقعہ سنا رہا تھا اور ساتھ ہی رو رہا تھا۔

خود رسول اللہ ﷺ اس قدر روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے بھیگ گئی۔

صحابہ بھی رو رہے تھے۔ پوری مجلس میں کوئی نہ تھا جس کی آنکھوں سے آنسوں نہ گرے ہوں۔
صحابہ کہتے کئی دنوں تک ہمارے کانوں میں اُس معصوم بچی کی صدا گونجتی رہی ۔
اے میرے باپ تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔

[*87]

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ اپنے کسی صحابی کی نماز جنازہ کے لیے گئے۔
نماز کے بعد اُس صحابی کی قبر پہ بیٹھ گئے۔
آپ ﷺ پہ رقت طاری ہوگئی، آپ ﷺ اس قدر روئے کہ ریش مبارک بھیگ گئی۔
آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:
اس وقت کی تیاری کرلو جو عنقریب تم پہ بھی آنے والا ہے۔اس وقت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔
صحابہ نے کہا:
رسول اللہ ﷺ کو روتے دیکھ کر ہم بھی خود پہ قابو نہ رکھ سکے رسول اللہ ﷺ بھی رو رہے تھے ہم سب بھی رونے لگے۔[*88]

✡✡✡

شانِ ایثار

ایثار اصل میں تو سخاوت ہی کی قبیل سے ہے۔ ایثار احسان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ سخاوت تو یہ ہے کہ لوگوں پہ اپنا مال بے دریغ خرچ کیا جائے، احسان یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ نیکی کی جائے اُن کے لیے آسانی پیدا کی جائے اُن کی مشکلات میں اُن کے ساتھ کھڑا ہوا جائے۔ اور ایثار یہ ہے کہ کسی کی خاطر قربانی کی جائے۔ یوں سمجھیں کہ آپ ضرورت کی کوئی چیز خریدنے کے لیے گھر سے نکلے ہیں راستے میں کوئی دوست آپ کو ملتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے قرض دو میرا بچہ سخت بیمار ہے آپ سوچتے ہیں جو چیز خریدنے کے لیے میں گھر سے نکلا ہوں اگر وہ نہ بھی خریدوں تو چند دن نکل جائیں گے مگر اُس بچے کا علاج نہ ہوا تو وہ مر جائے گا اور یہ ایسا نقصان ہے جو کبھی پورا نہ ہوگا۔ آپ اپنی ضرورت کی رقم جیب سے نکالتے ہیں اور اپنے دوست کے ہاتھ پہ رکھ دیتے ہیں۔ یہی ایثار یہ ہے کہ اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کے دوسروں کی مدد کی جائے۔ یہ سب سے اعلیٰ اخلاقی صفت ہے۔ ایثار سے اللہ پاک بہت خوش ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی ایثار و احسان سے عبارت ہے۔ زیست مبارک کا لمحہ لمحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ایثار و وفا میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی بڑھ نہیں سکتا۔ ابھی پیچھے میں نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت تحریر کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کئی بار ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان آجاتے اور گھر میں صرف اسی قدر کھانا ہوتا جسے یا ہم کھا سکتے یا وہ مہمان کھا سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کھانا مہمان کو کھلا دیتے اور ہم لوگ بھوکے سو رہتے۔ یہی وہ شانِ ایثار ہے جس کی بنا پہ

رسول اللہ ﷺ کا اخلاق سب سے برتر قرار پایا۔ اپنی امت کو بھی رسول اللہ ﷺ نے ایثار و احسان ہی کی تاکید کی ہے۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کی اور اُس کو خوش کردیا تو دراصل اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اللہ اُسے اپنی جنت میں داخل کرے گا''۔

رسول اللہ ﷺ کی ایثار وسخاوت کے چند واقعات ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بنی غفار کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہوا' گھر میں صرف بکری کا دودھ تھا جسے رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خدمت میں پیش کردیا گیا اور خود فاقہ کیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں بہت فکرمند ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پچھلی رات بھی فاقہ کیا تھا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

مدینہ میں ایک شخص نے شادی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا:

ولیمہ کر۔

اُس شخص نے جواب دیا یارسول اللہ ﷺ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جاؤ اور میرے گھر سے کچھ لے آؤ۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر آیا اور سوال کیا۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اُس وقت ہمارے گھر میں آٹے کی ایک ٹوکری کے سوا کچھ بھی نہ تھا میں نے وہی اُسے پکڑادی اور اس رات بھی ہم خود بھوکا سوئے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کی چادر پھٹی ہوئی تھی نئی چادر خریدنے کی استطاعت نہ تھی اور سردی کا موسم تھا۔ آپ ﷺ کی ایک صحابیہ نے آپ ﷺ کی پھٹی ہوئی چادر دیکھی تو اپنی چادر اتار کے رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے چادر قبول فرمالی اور اُس خاتون کے حق میں دُعائے خیر کی اس کے بعد چادر اوڑھ لی۔

رسول اللہ ﷺ چادر اوڑھ کے ابھی سیدھے ہو کے بیٹھے ہی تھے کہ ایک صحابی تشریف لائے اور نئی چادر دیکھ کے فرمایا:

یارسول اللہ ﷺ یہ چادر مجھے عنایت فرمادیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اُسی وقت چادر اتار کے اس صحابی کے حوالے کر دی حالانکہ آپ ﷺ خود اس کی شدید ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ یہی شانِ ایثار تھی جو آپ ﷺ کو اُن اخلاقی رفعتوں تک لے گئی جن کا تصور بھی ممکن نہیں۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک مرتبہ ایک قبیلے نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کے اپنی غربت کی شکایت کی اور مدد کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت انھیں دینے کو کچھ بھی نہ تھا۔ تاہم آپ ﷺ اُن سے خندہ پیشانی سے پیش آئے اور اُن سے کہا اللہ کے در سے امید رکھو اللہ تمھاری مدد کا سامان کر دے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو ایک یہودی کے پاس بھیجا کہ اُس سے قرض لے کے آئیں۔ حضرت بلالؓ قرض لے کے واپس آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرض کی رقم اِن لوگوں کو دے دی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

رسول اللہ ﷺ کو اپنی بیٹی فاطمہؓ سے بہت شدید محبت تھی۔ جب وہ آتیں تو آپ ﷺ اُٹھ کے

اِن کا استقبال کرتے۔اُن کا ماتھا چومتے اورانھیں اپنے پاس بٹھاتے۔مگرحضرت فاطمہؓ کی غربت کا یہ حال تھا چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹھے پڑ گئے تھے۔ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے غلام آئے۔حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ سے درخواست کریں کہ وہ تمھیں ایک غلام عطا کر دیں تاکہ وہ تمھاری مدد کر دیا کرے۔حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور مدعا بیان کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یہ سچ ہے کہ میرے پاس غلام آئے ہیں مگر بیٹی میں اِن غلاموں میں سے تمھیں غلام نہیں دے سکتا اس لیے کہ اصحاب صفہ کا ابھی تک کوئی انتظام نہیں ہوا وہ بے چارے بہت مصیبت میں ہیں اس لیے تو صبر کر اور اپنے اللہ سے استعانت مانگ۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

بخاری میں یہی روایت الفاظ کی کچھ تبدیلی اور اضافے کے ساتھ مروی ہے۔

فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں اور غلام کی فرمائش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

فاطمہؓ میں تجھے اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔

ضرور یا رسول اللہ ﷺ: حضرت فاطمہؓ نے کہا۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

جب نماز پڑھ لو تو تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہہ لیا کرو اللہ تمہیں کفایت کرے گا۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

فیضان نبوی کی صحبت کا نتیجہ تھا اصحاب رسول بہت ایثار و اخلاق والے بن گئے تھے۔چنانچہ

قریش کی سختیوں کے باعث جب اہل مکہ ہجرت کر کے خالی ہاتھ مدینہ پہنچے تو اُن کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔مگر انصار مدینہ نے اخوت وایثار کی ایسی ایسی مثالیں پیش کیں کہ تاریخ میں ڈھونڈ ے سے بھی ایسی مثالیں نہیں ملتیں۔رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے آنے والے ہر صحابی کو کسی نہ کسی انصاری کے ساتھ رشتہ اخوت میں پرو دیا۔جب انصار مدینہ کو بھائی مل گئے تو جیسے انھیں دنیا کی ہر خوشی مل گئی ہو۔بعض انصاریوں نے اپنے بھائی سے کہا۔میرا یہ باغ آج سے تمھارا ہوا۔مگر مہاجرین کی پریشانی یہ تھی کہ وہ تجارت پیشہ تھے اور زراعت سے نابلد تھے اُن کے انصاری بھائیوں نے اس کا یہ حل ڈھونڈا کہ کام بھی وہ خود کرتے مگر اُس باغ کی آمدنی اپنے انصاری بھائی کو دیتے۔

کئی انصاری اپنے بھائی کو اپنے گھر میں لائے اور اُس سے کہا:

میرے پاس یہ اور یہ جائیداد ہے میں نے اسے اپنے اور تمھارے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے۔بعض تو یہاں تک چلے گئے کہ ایک انصاری نے اپنے بھائی سے کہا میری دو بیویاں ہیں جس سے تم نکاح کرنا چاہو میں اُسے طلاق دے دیتا ہوں ۔ مکہ کے مہاجر نے اُن کی درخواست شکریے کے ساتھ مسترد کر دی۔اس طرح اہل مکہ اور اہل مدینہ آپس میں اُن گہرے رشتوں میں پیوست ہو گئے جو خونی رشتوں پہ بھی بھاری پڑنے لگے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

جنگ بدر میں جب قریش کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہوگئی تو ایک انصاری ایک قریشی کو باندھ رہا تھا قریب سے ایک مسلمان گزرا تو قریشی نے اسے پکارا اور کہا اے میرے بھائی میری مدد کرو وہ اس مسلمان کا سگا بھائی تھا مگر کفر پہ قائم تھا۔مسلمان مہاجر نے کہا تم میرے بھائی نہیں ہو بلکہ جو تمھیں باندھ رہا ہے دراصل تو یہ میرا بھائی ہے اور یہی وہ رشتہ اخوت تھا جس نے مسلمانوں کی نوزائیدہ ریاست کو استحکام بخشا اور قریش سارے عربوں اور مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں کی مدد کے باوجود ریاست مدینہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔اخوت اور محبت کے یہ

دن اسی طرح گزرتے رہے۔حتی کہ خیبر فتح ہوا تب مہاجرین نے انصاری مسلمانوں کے نخلستان اُن کو واپس کر دیئے۔مگر انصاری مسلمانوں نے جس ایثار کا مظاہرہ کیا تھا وہ اِن دلوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا تھا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ زندگی میں اور آپ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ انصار و مہاجرین باہم اس رشتہ اخوت کے قوی احساس میں بندھے رہے اور اُن فتنوں سے دور رہے جو رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد اسلام کو پیش آئے بلکہ انصار مدینہ بعد میں خلفائے رسول کے دست و بازو بنے اور اِن فتنوں کے فرو کرنے میں مسلمانوں کے ہم قدم رہے جو عربوں نے اٹھائے تھے اگرچہ جلد ہی اِن فتنوں کا سر کچل دیا گیا اور ریاست مدینہ مستحکم ہو گئی۔

افصح العرب

کسی بھی دور میں کسی بھی قوم میں جب اللہ کا کوئی پیغمبر اترتا ہے تو وہ اپنے مخاطبین سے جملہ امور میں برتر ہوتا ہے۔ اُس کا تعلق وقت کے اعلیٰ خاندان سے ہوتا ہے۔ وہ علم، اخلاق، تواضع، شجاعت، سخاوت، دعوت، عقل، دانش، تحمل اور سب سے بڑھ کے وحی سے مزین ہوتا ہے جس کی وجہ سے نبی معاشرے میں منفرد و ممتاز مقام پہ فائز ہوتا ہے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ میں مبعوث ہوئے تو اُن میں بہت سی خرابیاں جڑ پکڑ چکی تھیں۔ اُن کی سب سے بڑی گمراہی بت پرستی تھی جس نے انھیں دین توحید سے بھٹکا دیا تھا۔ حالانکہ وہ خود کو حضرت ابراہیمؑ کا پیروکار بتاتے تھے۔ عرب معاشرہ عقائدی گمراہیوں کے علاوہ بہت سی سماجی برائیوں کا شکار بھی ہو چکا تھا۔ جن میں شراب نوشی، قمار بازی، بے حیائی، سود خوری راہزنی، باہمی جنگ و جدال اور دختر کشی شامل ہیں۔ تاہم اِن ساری خرابیوں کے باوجود اہل عرب میں بہت سی خصوصیات بھی موجود تھیں جس کی وجہ سے وہ معاصر اقوام میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اُن میں شہامت و شجاعت، حریت پسندی، مساوات، مہمان نوازی، سخاوت بڑوں کا احترام جیسی بہت سی خصوصیات موجود تھیں۔ عرب صاف گو تھے جو اُن کی زبان پہ ہوتا وہی اُن کے دل میں ہوتا۔ وہ منافقت اور دوغلے پن سے محفوظ تھے وہ یا تو کھلے دوست ہوتے یا کھلے دشمن۔ اگرچہ عام طور پہ اُن کے ہاں نوشت و خواند کا رواج نہ تھا مگر اس کے باوجود اُن کا حافظہ غیر معلولی طور

پہ تیز ہوتا۔مگر یہ ساری خوبیاں ایک طرف اور اُن کی زبان دانی ایک طرف جو اہل عرب کا فخر تھا ۔اہل عرب دوسری قوموں کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے اور خود اُن کو اپنی زبان دانی پہ فخر تھا اور شعرو ادب اِن کی متاعِ حیات تھا۔عربی زبان کا شمار دنیا کی قدیم ترین اور وسیع ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔اس زبان کی وسعت، جامعیت اور ہمہ گیری کی کوئی انتہا نہیں۔بعض اوقات ایک ہی چیز کے لیے ایک سے لے کر تین سو تک الفاظ موجود ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ زندگی کے ہر بدلتے لمحہ کے احساس کو اجاگر کرنے کے لیے اُن کی زبان ممد و معاون تھی اس لیے اہل عرب نے اتنے اشعار کہے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔یہ بات بلا کسی خوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ وسعت کے اعتبار سے شعر و ادب کے میدان میں کوئی اور زبان عربی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔چنانچہ اہل عرب کا بچہ بچہ فصیح و بلیغ اور معیاری زبان جانتا تھا یہی بچے بڑے ہو کر نامور شاعر بنتے تھے۔عربوں کے جس قبیلے کے پاس عمدہ شاعر نہ ہو اُس کی حالت یتیم کی سی تصور کی جاتی تھی۔چنانچہ مختلف قبائل کے شعرا اور خطبا اپنے قبیلے کی عصمت کی مدافعت کرتے اور اپنے قبیلے کو عرب شعرا کی ہجو سے محفوظ رکھتے۔عرب معاشرے میں شاعروں اور خطیبوں کو بہت بلند مقام حاصل تھا۔اُن کے شعرا لب و لہجے میں منفرد اور خطبا شعلہ بیانی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

چنانچہ عہد جاہلیت میں عربوں کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحت لسانی تھا۔اُس دور میں ایسے ایسے نامور شعرا اور خطبا پیدا ہوئے جن کی طاقت لسانی اور سحر البیانی نے ایک عالم کو متاثر کر رکھا تھا۔کئی شعرا کے کلام کو آبِ زر سے لکھ کر کعبہ کی دیواروں پہ آویزاں کیا جاتا تھا۔چنانچہ زبان و بیان اور فصاحت و بلاغت کے عین اُس عہدِ فخر میں رسول اللہ ﷺ پہ قرآن نازل ہونا شروع ہوتا ہے تو اہل عرب کے شاعر خطیب اور حکما جو اسلوبِ زبان و ادب کے ہر پہلو سے واقف تھے دانتوں سے اپنی انگلیاں چبا لیتے ہیں کہ یہ اُن کے ساتھ کیا ہو گیا۔ اور جب رسول اللہ ﷺ اُن کو بتاتے ہیں کہ یہ اللہ رب العزت کا کلام ہے تو اگرچہ اہل عرب نے اس سے انکار کیا مگر حقیقت میں وہ آگاہ تھے کہ وہ کلام جس نے اِن کی زبان و بیان میں

برتری کا سر نیچا کیا ہے کسی انسان کا کلام ہر گز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر گزر چکا ہے انبیاء و رسل کی ذات تمام کمالات و صفات کی جامع ہوتی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ذات بھی فصاحت و بلاغت اور حسن بیان میں اپنی قوم کے لوگوں سے بڑھی ہوئی تھی اس کے دو پہلو ہیں اول تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو قرآن کا لافانی معجزہ عطا کیا گیا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام عرب فصحاء کو حیران و ششدر کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے چیلنج کے باوجود وہ قرآن حکیم میں اترنے والی سورتوں جیسی ایک صورت بھی نہ لا سکے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے قرآن سنتے اور اس کی لسانی برتری کا اعتراف کرتے رہتے۔

دوم یہ کہ ذاتی طور پہ بھی رسول اللہ ﷺ کو تمام فصحائے عرب پہ لسانی برتری عطا کی گئی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ نے تحدیث نعمت کے طور پہ فرمایا ہے۔

اَنَا افْصَحُ الْعَرَبِ۔

یعنی میں عربوں میں سب سے بڑھ کے فصیح البیان ہوں۔

رسول اللہ ﷺ لسانی برتری کی وجہ بیان کرتے ہوئے مورخین نے لکھا ہے کہ اگرچہ تمام عرب قبائل کو فصاحت و بلاغت کا دعویٰ تھا مگر اہل عرب اس بات کا برملا اعتراف کرتے تھے کہ عربوں میں لسانی برتری صرف دو قبائل ہی کو حاصل ہے اول قریش اور دوم بنو سعد (بنی بکر بن ہوازن) الخ۔ ان میں سے ایک خاندان (قریش) میں آپ ﷺ پیدا ہوئے اور دوسرے خاندان بنو سعد میں رسول اللہ ﷺ کا بچپن گزرا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو باقی تمام عربوں پہ فصاحت و بلاغت میں برتری حاصل تھی۔ قاضی عیاض نے ''الشفا'' میں رسول اللہ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں کیا خوب لکھا ہے۔

''اس طرح قریش میں ولادت اور بنو سعد میں پرورش کی وجہ سے آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت میں بادیہ نشینوں کی قوت بیان و مقابلہ، عمدہ لفظی اسلوب کے ساتھ شہری علاقے کے الفاظ کی چمک دمک اور اندازِ گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی۔ ان سب کے علاوہ تائید

الٰہی بھی آپ ﷺ کے شامل حال تھی جس کی امداد اس وحی ربانی سے ہوئی تھی جس کا احاطہ انسانی علم قدرت سے باہر ہے"۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی لسانی برتری کے بہت سے مضوعات مندرج ہیں۔

مثال کے طور پہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت محمد ﷺ سے عرض کی یارسول اللہ ﷺ: میں سارے عرب میں گھوما پھرا ہوں۔ میں نے بہت سے فصحائے عرب کی صحبت کی ہے مگر اس کے باوجود میں نے آپ سے بڑھ کے کسی کو فصیح البیان نہیں پایا۔ نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا:

مجھے تو میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور کیا خوب سکھایا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یارسول اللہ ﷺ مجھے حیرت ہے کہ آپ ﷺ ہم سب سے زیادہ فصیح البیان ہیں حالانکہ آپ ﷺ ہم سے کبھی الگ نہیں ہوئے یعنی کہیں آتے جاتے بھی نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے جواب دیا:

میری زبان تو اسماعیل علیہ السلام کی زبان ہے اور اسے جبرائیل علیہ السلام نے مجھے سکھایا ہے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

یارسول اللہ ﷺ کیا وجہ ہے کہ آپ ہم سب سے زیادہ فصیح البیان ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں میں تم سب سے زیادہ فصیح البیان ہوں اس لیے کہ میں قریش میں پیدا ہوا اور بنو سعد میں تربیت حاصل کی۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

چنانچہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے حسن تکلم کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی شانِ گفتگو یہ تھی کہ آپ ﷺ جب لوگوں کو مخاطب فرماتے تو تمام لسانی بلاغتیں اور فکری بلندیاں سر بگریباں نظر آتیں۔ آپ ﷺ کا یہی حسن کلام اور فکری اعجاز تھا کہ عرب آپ ﷺ کو کبھی شاعر کہتے تو کبھی ساحر۔

رسول اللہ ﷺ اگر چہ عام فہم اور سادہ گفتگو فرماتے تھے اس کے باوجود وہ دلآویز شریں مربوط اور مرتب ہوتی تھی۔ لہجے کا اتار چڑھاؤ مناسب تھا اور انداز گفتگو انتہائی متاثر کن تھا جس کی وجہ سے پہلی بار گفتگو سننے والا فوراً ہی متاثر ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جامع الکلام تھے یعنی آپ ﷺ کی گفتگو میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بلند آواز سے بات کرتے ۔ بلکہ صحابہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قدرتی طور پہ بلند آواز عطا فرمائی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ ٹھہر ٹھہر کے بات کرتے تھے اس طرح کہ اگر کوئی لکھنا چاہتا تو آسانی سے لکھ سکتا تھا اگر کوئی یاد کرنا چاہتا تو آسانی سے یاد کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ گفتگو میں اپنے مخاطب کی ذہنی استعداد کا ضرور خیال کرتے بدوی دیہاتیوں سے انھی کے لہجے میں باتے کرتے۔

چنانچہ بیان کیا گیا کہ آپ ﷺ کا حسن تکلم اور لسانی برتری صرف گفتار و کلام تک محدود نہ تھی بلکہ یہ انداز تکلم اقوال میں، مکالمات میں، خطبات میں، معاہدات میں، مکتوبات میں، فرامین میں ادعیہ میں وصایا میں ہر جگہ جلوہ گر نظر آتا ہے۔

اس ضمن میں سینکڑوں احادیث موجود ہیں جن کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فی الوقع افصح العرب تھے اور آپ ﷺ کی گفتار اور آپ ﷺ کے کلام کی ہر نوع جامعیت اور فصاحت و بلاغت کا شاہکار تھی گویا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں افصح العرب ہوں محض ایک

دعویٰ نہ تھا بلکہ اظہار حقیقت تھا۔اگرچہ اس ضمن میں بہت سی احادیث اور بہت سے واقعات درج کیے جاسکتے ہیں تاہم طوالت سے بچنے کے لیے ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کا صرف ایک مکالمہ پیش کرنے پہ اکتفاء کریں گے۔

✡✡✡✡✡✡✡✡

منظر عکاظ کے میلے کا ہے۔رسول اللہ ﷺ حسب معمول لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔رسول اللہ ﷺ نے ایک عرب سردار عمرو بن عبسہؓ کو مخاطب کیا۔عمرو بن عبسہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اس مقالمے میں لسانی برتری کے تمام پہلو اور فصاحت و بلاغت کا سارا حسن سمٹ آیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس عرب سردار کو اسلام کی دعوت دی۔

تو عمرو بن عسبہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا؟

مَا الِاسْلَامُ ؟

اسلام کیا ہے؟

طِیْبُ و الْکَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ

پاکیزہ گفتگو اور غربا کو کھانا کھلانا اسلام ہے۔رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

مَا الِایْمَانُ ؟

ایمان کیا ہے سوال کیا گیا؟

اَلصَّبْرُ وَا السَّمَاعَۃُ ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان صبر اور سیر چشمی ہے۔

اَیُّی الِاسْلَامِ اَفْضَلُ؟

کس کا اسلام افضل ہے؟ سوال کیا گیا۔

مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

اَیُّ الْاِیْمَانِ اَفْضَلُ؟

کونسا ایمان افضل ہے۔سوال کیا گیا؟

خُلُقٌ حَسَنٌ

جس کا اخلاق بہترین ہو۔

اَیُّ الصَّلٰوۃِ اَفْضَلُ؟

نماز کون سی افضل ہے سوال کیا گیا؟

طُوْلُ الْقُنُوْتِ ۔

جس کا قیام طویل ہو۔رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔

اَیُّ الْھِجَرَۃِ اَفْضَلُ؟

ہجرت کون سی افضل ہے۔سوال کیا گیا؟

اَنْ تَھْجُرَمَا کَرِہَ رَبُّکَ

جو چیز تیرے رب کو ناپسند ہو اُس سے رُک جانا۔

فَاَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟

جہاد کون سا افضل ہے۔سوال کیا گیا؟

مَنْ عُقِرَ جَوَادُہٗ وَ اُھْرِیْقَ دَمُہٗ

جس میں سوار کے ساتھ ساتھ گھوڑا بھی مارا جائے۔رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔

اَیُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ ؟

کون سا وقت افضل ہے سوال کیا گیا؟

جَوْفُ الَّیْلِ الْاٰخِرِ ۔

رات کا پچھلا پہر۔رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا۔

[*89]

صحابہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس گفتگو کے بعد عمرو بن عبسہؓ نے موقعہ پہ ہی اسلام قبول کرلیا تھا۔اس ضمن میں جتنا مقدر تھا لکھ دیا گیا اور یہ سب اللہ ہی کی توفیق سے ہے جس کے اذن کے بغیر کسی ویران راہگذر پہ پڑا کوئی خزاں رسیدہ پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا۔

✡ ✡ ✡

اشاریہ

*1

اِن آیات کا ترجمہ سید مودودیؒ کی کتاب تفہیم القرآن سے تحریر کیا گیا ہے۔

سیّد ابو الاعلی مودودیؒ ۔ تفہیم القران

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*2

یہ پیراگراف علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبی سے تحریر کیا گیا ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ

سیرت النبی (جلد چہارم ؛ ص ۷۴)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*3

اس امر پہ مزید معلومات کے لیے قرآن حکیم سے دیکھیں

(سورۃ رعد، سورۃ انعام ، سورۃ حشر ، سورۃ تغابن)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*4

ماخذ۔

سیرت النبی ۔ علامہ شبلی نعمانیؒ

حجۃ البالغہ ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*5

ماخوذ۔

سیرت النبی ﷺ ۔ علامہ شبلی نعمانیؒ جلد سوم

حجۃ البالغہ ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*6

ماخوذ۔

سیرت النبی ﷺ ۔

علامہ شبلی نعمانیؒ جلد سوم

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*7

بہ حوالہ جرنل آف فلاسفی، بابۃ 1933ء

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*8

جنوں کی بابت یہ روایات حدیث کی مختلف کتابوں سے تحریر کی گئیں تفصیلات کے لیے دیکھیں۔

بخاری ؛باب ذکر الجن۔ مسلم باب الحجر بقراۃالصبح ،

مسند احمد ، جامع ترمذی باب الا ستفقاء۔ و غیرہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*9

یہ وادیٔ مکہ کے دو پہاڑوں کے نام ہیں۔

ابن ہشامؒ

از سیرت ابن ہشام (جلد اول)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*10

ابو کشبہ ایک عرب تھا جس نے پہلے پہل بت پرستی سے انکار کیا وہ شعری ستارے کی پوجا کرتا تھا بیان کیا گیا ہے کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ کے آباء میں سے تھا۔

الروض الانف جلددوم

امام ابو القاسم عبدالرحمان بن عبداللہ سہیلیؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*11

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں موجود ہے۔

باب المعجزہ دیکھیں۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*12

یہ حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی و مشکواۃ میں موجود ہے۔

باب المعجزہ دیکھیں۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*13

حضرت انس بن مالکؓ کی یہ روایت بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے

دیکھیں باب المعجزہ۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*14

یہ روایت ہم نے جامع ترمذی سے تحریر کی ہے۔

دیکھیں باب المعجزہ۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*15

ماخوذ۔

سیرت النبیؐ۔ جلد سوم (سید سلیمان ندوی ؒ)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*16

بعض مورخین نے کئی بار شق صدر ہونے کی روایات بیان کی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن میں بہت سی روایات مستحکم نہیں ہیں۔

امام ابوالقاسم عبدالرحمان عبداللہ سہیلیؒ

الروض الانف جلد دوم

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*17

مہر نبوت کے متعلق ایک تفصیلی بحث اسی کتاب (سیرۃ النبیؐ) میں کہیں تحریر کی جا چکی ہے تفصیلات وہاں سے دیکھی جاسکتی ہیں ۔

افتخار احمد افتخار (سیرۃ المزمل ﷺ)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*18

براق کے متعلق بہت سی روایات ہیں، تمام روایات کو یہاں تحریر نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ برھان الدین حلبیؒ ۔ سیرت حلبیہ جلد دوم

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*19

دودھ پانی اور شراب پیش کی جانی والی یہ روایت نہایت مستحکم ہے اور اسے بہت سے محدثین نے درست کہا ہے۔

امام ابوالقاسم عبدالرحمان عبداللہ سہیلیؒ

الروض الانف جلد دوم

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*20

صحیح بخاری

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ

کتاب التوحید (باب صفۃ) دوجگہ درج کی گئی ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*21

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت سنن نسائی کتاب الجہاد سے تحریر کی گئی۔

سنن نسائی (باب کتاب الجہاد)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*22

سفر ہجرت میں رسول اکرم ﷺ کے اُم معبدؓ کے ہاں کچھ دیر کے قیام کا واقعہ ابن سعدؒ، ابن خزیمہؒ، امام طبرانیؒ، بیہقیؒ، بزازؒ، حاکمؒ، بغویؒ، ابن عبدالبرؒ اور کئی دوسرے ارباب علم نے مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے اسے تاریخ کبیر میں درج کیا ہے۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*23

رسول اللہ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے کے لیے صحیح مسلم، صحیح بخاری، مشکواۃ المصابیح، مسند دارمی، اسد الغابہ، سنن نسائی، سنن ابی داؤد اور سیرت ابن ہشام سے مدد لی گئی۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*24

حضرت حسان بن ثابتؓ کے یہ اشعار ہم نے جناب طالب ہاشمیؒ کی کتاب **"حسنت جمیع و خصالہ"** کی کتاب سے نقل کیے۔

(ص : ۱۳۴)

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*25

رسول اللہ ﷺ سے مروی حضرت ابو اسید ساعدیؓ کی یہ روایت سنن ابی داؤد سے تحریر کی گئی۔

سنن ابی داؤد (باب الادب)

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*26

یہ حدیث پاک مشکواۃ المصابیح سے منتخب کی گئی۔

مشکواۃ

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*27

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ باب وحی،، امام مسلمؒ نے بھی اس روایت کو اپنی صحیح میں درج ہے۔

مشکوۃ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*28

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو درج کیا ہے۔

مفسرین نے سورہ دخان کی تفسیر میں قریش پہ آنے والے اس بدترین قحط کا ماجرہ بیان کیا ہے۔

تفسیر سورہ دخان امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*29

حضرت ثمامہ بن اثالؓ اور اہل مکہ کی عداوت کا یہ واقعہ کئی مورخین نے درج کیا ہے ہم نے اسے سیرت ابن ہشام سے تحریر کیا ہے۔

سیرت ابن ھشام از ابن ھشامؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*30

اس ضمن میں ہم نے امام بخاریؒ کی روایت بھی درج کردی ہے۔طبقات ابن سعد اور مسند احمد کی روایت بھی درج کردی ہے۔دونوں میں اگرچہ کچھ فرق ہے مگر سبق ایک ہی ہے۔

صحیح بخاری ، مسند احمد ، طبقات ابن سعد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*31

حضرت نوفل بن حارثؓ والی روایت مستدرک حاکم سے درج کی گئی۔

مستدرك حاكم ۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*32

امام طبرانیؒ نے اس حدیث کو " **معجم الاوسط** " میں درج کیا ہے۔

مگر ہم نے اسے " **معارف الحدیث** " سے نقل کیا ہے جہاں اس حدیث کی تشریح بیان کی گئی ہے۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*33

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کو امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اور امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں درج کیا ہے گویا یہ ایک متفق علیہ روایت ہے جس میں کوئی ابطال نہیں۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

34*

حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کو ہم نے مشکواۃ المصابیح سے درج کیا ہے اگرچہ حدیث کی کئی کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*35

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس روایت کو ہم نے جامع ترمذی سے درج کیا ہے۔

جامع ترمذی

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*36

عیادت وتعزیت کے ضمن میں اِن باتوں کا تذکرہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، زادالمعاد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد سے کیا گیا۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*37

ہم نے یہ حدیث جامع ترمذی میں بھی دیکھی ہے تاہم اس کو سنن ابن داؤد سے تحریر کیا گیا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*38

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایات ہم نے صحیح مسلم سے درج کی ہے۔

(امام مسلم ـ ـ ـ صحیح مسلم)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*39

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے جبکہ امام بخاریؒ نے بھی اسے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

صحیح مسلم و صحیح بخاری

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*40

یہودی چونکہ رسول اللہ ﷺ پہ ایمان لانے سے گریزاں تھے اس لیے وہ آپ ﷺ کو آپ کی کنیت ابو القاسم کہہ کے پکارا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کہنے سے رُک جاتے تھے جیسا کہ اصحاب رسول آپ ﷺ کو پکارا کرتے۔

مولف ؛ (سیرۃ المزمل ﷺ) افتخار احمد افتخار

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*41

یہودی لڑکے کی اس روایت کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ (صحیح بخاری)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*42

امام بخاریؒ نے اس روایت کو صحیح بخاری میں درج کیا ہے۔ سنن ابی داؤد میں بھی یہ روایت

موجود ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*43

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مکہ میں آ کر بیمار ہو گئے اس ضمن میں کئی روایتیں تھوڑے تھوڑے فرق سے موجود ہیں۔ ہم نے یہ روایات صحیح بخاری کی کتاب المرضیٰ و الطب سے درج کی ہیں۔

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ (صحیح بخاری)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*44

یہ روایت سنن نسائی سے تحریر کی گئی ہے۔ راوی نے اُس صحابی کا نام بیان نہیں کیا جس کا بیٹا وفات پا گیا تھا۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*45

یہ روایت سنن نسائی سے تحریر کی گئی۔

سنن نسائی

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*46

رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن ثابت انصاریؓ کی عیادت کے لیے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ یہ روایت سنن ابی داؤد سے تحریر کی گئی۔

سنن ابی داؤد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*47

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے بیٹے کی تعزیت میں جو خط لکھا اس کا متن تو امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں تحریر کیا ہے۔ہم نے صرف ترجمے پہ اکتفاء کیا ہے۔

امام طبرانیؒ (المعجم الکبیر

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*48

نضر بن حارث کا یہ بیان سیرت ابن ہشام سے تحریر کیا گیا۔

سیرت ابن هشام از ابن هشام

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*49

حضرت علیؓ کی ابو جہل کے متعلق یہ روایت مستدرک حاکم سے تحریر کی گئی میں نے اسے جامع ترمذی میں بھی دیکھا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*50

اخنس بن شریک اور ابو جہل کا یہ واقعہ سیرت سرور عالم سے نقل کیا گیا یہی واقعہ علامہ طبریؒ نے اپنی تفسیر طبری میں بھی لکھا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*51

ابو سفیان اور قیصر روم کے درمیان یہ مکالمہ کثیر الروایت ہے تقریباً ہر مورخ نے اسے تحریر کیا ہے۔ہم نے اسے علامہ شبلی نعمانیؒ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*52

واقعات ہجرت میں حضرت علیؓ کا اہل مکہ کی امانتوں کے لیے رُک جانا بھی کثیر الروایت واقعہ ہے۔ہم نے اسے علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب سے تحریر کیا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ (سیرۃ النبی ﷺ)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*53

حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس روایت کو کئی محدثین نے درج کیا ہے۔اس روایت کو جامع ترمذی،مسند دارمی اور دارقطنی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*54

حضرت سفیان بن اسید حضرمیؓ کی یہ روایت سنن ابی داؤد سے تحریر کی گئی ہے۔

سنن ابی داؤد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*55

حضرت انسؓ کی یہ روایت کئی مورخین نے درج کی ہے ہم نے اسے مشکواۃ سے نقل کیا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*56

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ طویل روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحاح میں درج کی ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*57

حضرت اشعث بن قیسؓ سے مروی یہ روایت سنن ابی داؤد میں موجود ہے۔

سنن ابی داؤد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*58

حضرت خریم بن فاتکؓ کی یہ روایت سنن ابی داود میں موجود ہے۔ سنن ابن ماجہ سے بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*59

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت متفق علیہ ہے یعنی اس روایت کو امام مسلمؒ اور امام بخاریؒ دونوں نے تحریر کیا ہے ہم نے اسے مشکوٰۃ سے درج کیا ہے۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*60

حضرت ابوامامہ باہلیؓ کی اس روایت کو مسند احمد سے نقل کیا گیا ہے۔

مسند امام احمد بن حنبلؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*61

رسول اللہ ﷺ کی شان عفو کے متعلق یہ واقعات علامہ شبلی نعمانی کی سیرت النبیؐ سے تحریر کیا گیا۔

سیرۃ النبی ﷺ (علامہ شبلی نعمانیؒ)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*62

حضرت وہب بن عمیرؓ کے متعلق یہ روایت ''اسد الغابہ'' سے تحریر کی گئی ہے۔

اسدالغابہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*63

حضرت ابو طالب کا رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی کا عزم، واقعہ سیرۃ النبی ﷺ سے تحریر کیا گیا۔

سیرۃ النبی ﷺ (علامہ شبلی نعمانیؒ)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*64

حضرت انسؓ کی یہ روایت ''شمائل ترمذی'' سے منتخب کی گئی۔

شمائل ترمذی۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*65

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے ضمن میں بیان کی گئی یہ روایت جامع ترمذی سے منتخب کی گئی۔

جامع ترمذی۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*66

توکل علی اللہ کے متعلق حضرت عمر بن خطابؓ کی یہ روایت جامع ترمذی سے تحریر کی گئی۔

جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*67

توکل علی اللہ ہی کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت جامع ترمذی سے تحریر کی۔

جامع ترمذی ۔ سنن ابن ماجہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*68

زہد وقناعت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق یہ روایت جامع ترمذی سے تحریر کی گئی۔

جامع ترمذی (کتاب الزھد)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*69

زہد وقناعت کے متعلق حضرت عائشہؓ کی یہ روایت سنن ابن ماجہ سے تحریر کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*70

زہد وقناعت کے متعلق حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ''شمائل ترمذی'' سے تحریر کی گئی ہے۔

شمائل ترمذی۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*71

زہد وقناعت کے متعلق حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ''صحیح مسلم'' سے تحریر کی گئی ہے۔

صحیح مسلم ۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*72

زہد وقناعت کے متعلق حضرت انسؓ کی یہ روایت ''صحیح مسلم'' سے تحریر کی گئی ہے۔

صحیح مسلم ۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*73

زہد وقناعت کے متعلق حضرت ابوطلحہؓ کی یہ روایت ''صحیح مسلم'' سے تحریر کی گئی ہے۔

صحیح مسلم ۔

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*74

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں یہ روایت مسند اامام احمد بن حنبل سے درج کی گئی۔

امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد ۔ ج 5)

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*75

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی یہ روایت صحیح بخاری سے درج کی گئی۔

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ (صحیح بخاری)

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*76

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی یہ روایت صحیح بخاری سے درج کی گئی۔

صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، مسند احمد

❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑❑

*77

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی یہ روایت طبقات ابن سعد سے درج کی گئی۔

طبقات ابن سعد از ابن سعدؒ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*78

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں حضرت کہمس الہلالیؓ کی یہ روایت طبقات ابن سعد سے درج کی گئی۔

طبقات ابن سعد از ابن سعد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*79

رہبانیت سے اجتناب کے ضمن میں یہ روایت صحیح بخاری سے درج کی گئی۔

امام محمد بن عبداللہ بخاریؒ (صحیح بخاری ۔ کتاب النکاح)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*80

حضرت ابوذر غفاریؓ کی یہ روایت صحیح بخاری سے درج کی گئی اگرچہ اسے امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔

صحیح مسلم ، صحیح بخاری

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*81

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں یہ روایت سنن ابن ماجہ سے درج کی گئی۔

سنن ابن ماجه

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*82

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت صحیح بخاری سے تحریر کی گئی۔

صحیح مسلم ، صحیح بخاری

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*83

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں یہ روایت مسند امام احمد سے درج کی گئی۔

امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد)

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*84

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی یہ روایت جامع ترمذی شریف سے درج کی گئی۔

جامع ترمذی

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*85

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں یہ روایت سنن ابن ماجہ سے درج کی گئی۔

سنن ابن ماجه

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*86

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے متعلق یہ روایت شمائل ترمذی

سے درج کی گئی۔

شمائل ترمذی

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*87

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں بچی کو زندہ دفن کرنے کی یہ روایت مسند دارمی سے درج کی گئی۔

مسند دارمی۔

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*88

خشیت الٰہی اور رقت قلبی کے ضمن میں نماز جنازہ کی یہ روایت سنن ابن ماجہ سے درج کی گئی۔

سنن ابن ماجہ

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

*89

رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبسہؓ بن عمرو کے مابین ہونے والے اس مقالمے کو مشکواۃ میں روایت کیا گیا ہے۔

مشکواۃ المصابیح (کتاب الایمان) امام احمد بن حنبلؒ ۔ مسند احمد

□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□□

ماخذ و مصادر و مراجع

القرآن الحکیم

سیرۃ النبی ﷺ ***** مولانا شبلی نعمانیؒ

سنن ابی داؤد ***** امام ابی داؤدؒ

موطا امام مالک ***** امام محمد مالکؒ

مشکوٰۃ شریف ***** امام محمد رازیؒ

صحیح مسلم شریف ***** امام مسلمؒ

جامع ترمذی ***** امام ترمذیؒ

تاریخ ابن خلدون ***** علامہ ابن خلدونؒ

تاریخ الامم والملوک ***** امام ابن جریر طبریؒ

تاریخ اسلام ***** اکبر شاہ نجیب آبادیؒ

تاریخ اسلام ***** معین الدین شاہ ندویؒ

انسان کامل ***** محمد منیر قریشیؒ

مسلمان امتیں ***** ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سیرت ابن ہشام ***** ابن ہشامؒ

نقوش (رسول نمبر) ***** ادارہ

مجموعہ مضامین ***** پروفیسر احمد رفیق اختر

اسلام اور عصر حاضر	*****	مولانا وحید الدین خانؒ
ضیاالقرآن	*****	جسٹس محمد کرم شاہؒ
تفہیم القرآن	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
خلافت وملوکیت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
سنت کی آئینی حیثیت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
الجہاد فی الاسلام	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
خطبات	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
سیرت سرورکونین ﷺ	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
پردہ	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ
اسلام کے بنیادی تصوارت	*****	سیّد ابوالاعلی مودودیؒ

پیغمبر اعظم و آخرؐ	*****	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
محمد عربی ﷺ	*****	مولانا وحید الدین
محسن انسانیتؐ	*****	نعیم صدیقی
تدبر قرآن	*****	مولانا امین احسن اصلاحیؒ
کشت زربار	*****	پروفیسر احمد رفیق اختر
خطبات بہاولپوری	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
بلوغ الارب	*****	علامہ محمود شکری آلوسیؒ
العقد الفرید	*****	ابن عبدربہؒ
رویات تمدن قدیم	*****	سیّد علی عباس جلالپوری
الامینؐ	*****	محمد رفیق ڈوگر

سیرت الرسول ﷺ ***** محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ

کائنات اور انسان ***** علی عباس جلالپوریؒ

حجۃ البالغہ ***** شاہ ولی اللہ دہلویؒ

تمدن ہند ***** علی بلگرامیؒ

سیرت عائشہؓ ***** سیّد سلمان ندویؒ

تحقیق ماللہند ***** علامہ البیرونیؒ

کرم کی برسات ***** ڈاکٹر محمد خالد عاربی

ابوسفیانؓ ***** الطاف حسن گیلانی

تاریخ اسلام ***** شیخ محمد رفیق

تاریخ مدینہ ***** محمد صادق بہاولپوری

مقالات	*****	سرسید احمد خان
تاریخ اسلام	*****	حسن ابراہیم
جزیرۃ العرب	*****	علامہ ہمدانی
تاریخ اسلام	*****	ڈاکٹر حسن ابراہیم
المروج الذہب	*****	المسودیؒ
تفصیل الازمنہ	*****	یوسف بن عبد الملکؒ
العرب قبل از اسلام	*****	علامہ جرجی زیدانؒ
الروض الانف	*****	امام سہیلیؒ
شرح سنن ابی داؤد	*****	امام خطابیؒ
قانون اسلام	*****	سرسید احمد خانؒ

عہد نامہ قدیم

عہد نامہ جدید

احکام القرآن ***** امام رازیؒ

الاحکام السطانیہ ***** امام ماوردیؒ

کتاب المثالب ***** ابن ہشام

اعلام النبوۃ ***** امام ماوردیؒ

الطرق الحکمتیہ ***** علامہ ابن قیمؒ

البیان والتبیان ***** امام جاحظ

الکامل ***** علامہ ابن کثیرؒ

کتاب البیان ***** امام لیثیؒ

ضرب الامثال ***** میدانیؒ

کتاب العمدہ ***** علامہ ابن رشیقؒ

کتاب الاوائل ***** اسماعیل بن عبداللہ موصلیؒ

الوفاء ***** ابن جوزیؒ

مفردات القرآن ***** علامہ راغب اصفہانیؒ

الجامع الصغیر ***** امام سیوطیؒ

شرح المواہب اللدنیہ ***** امام زرقانیؒ

البیان والتعریف ***** ابراہیم بن محمد الحسینیؒ

الصحاح اللغتہ ***** امام جوہریؒ

مقاتل الفرسان ***** ابوعبیدہؒ

دیوان	*****	حضرت حسان بن ثابت ؓ
الشفاء	*****	قاضی عیاض ؒ
طبقات الکبری	*****	ابن سعد ؒ
سیرت حلبیہ	*****	امام حلبی ؒ
مدارج النبوۃ	*****	محدث دہلوی ؒ
جمع الوسائل	*****	ملا علی قاری ؒ
المواہب اللدنیہ	*****	امام قسطلانی ؒ
جواہر البحار	*****	امام بیہقی ؒ
السیرۃ النبویہ	*****	ابن عساکر ؒ
شعب الایمان	*****	امام بیہقی ؒ

المعجم الصغیر ***** امام طبرانیؒ

فتح الباری ***** ابن حجر عسقلانیؒ

اخبار مکہ ***** امام فاکہیؒ

الکفایہ فی العلم الراویہ ***** خطیب بغدادیؒ

التمہید ***** ابن عبدالبرؒ

الثقات ***** ابن حبانؒ

سبل الہدیٰ والرشاد ***** امام صالحیؒ

المنصف ***** ابن ابی شیبہؒ

شرح مسلم ***** امام نوویؒ

شمائل الرسول ***** امام ابن کثیرؒ

صفوۃ الصفوۃ ***** ابن جوزیؒ

امتاع الاسماع ***** امام طبرانی

میزان الاعتدال ***** امام ذہبیؒ

الاستیعا ب ***** ابن عبدالبرؒ

التفسیر الکبیر ***** امام رازیؒ

کتاب الزہد ***** ابن مبارکؒ

السنن ***** دارمیؒ

الآحادولمثانی ***** امام شیبانیؒ

المسند ***** ابن جعدؒ

السنن الکبریٰ ***** امام نسائیؒ

تہذیب الکمال	*****	امام مزیؒ
المسند	*****	اسحاق بن راہویہؒ
تہذیب الاسماء	*****	امام نوویؒ
الاصابہ	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
الریاض النضرۃ	*****	امام زرقانیؒ
شرح المؤطا	*****	طبرانیؒ
معجم الاوسط	*****	عبدالرزاقؒ
الادب المفرد	*****	امام بخاریؒ
لسان المیزان	*****	ابن حجر عسقلانیؒ
تذکرۃ الحفاظ	*****	امام ذہبیؒ

المسند	*****	ابوعوانہؒ
مسلمانوں کا ہزار سالہ اقتدار	*****	پروفیسر ارشد جاوید
رسول اکرمﷺ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
قرآن اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
رسول عربی اور عصر جدید	*****	سیّد محمد اسماعیلؒ
علم کی اسلامی تشکیل	*****	خورشید احمد ندیم
میزان	*****	جاوید احمد غامدی
شرح الشفا	*****	ملا علی قاریؒ
تاریخ الخمیس	*****	دیار بکریؒ
الایمان	*****	ابن مندہ ؒ

السنن	*****	ابن ماجہ ؒ
ترکۃ النبیؐ	*****	ابو اسماعیل بغدادیؒ
الرسولؐ	*****	عبدالحلیم محمود ؒ
روح المعانی	*****	علامہ محمود شکری آلوسی ؒ
قیامت اور جدید سائنس	*****	ڈاکٹر حشمت جاہ ؒ
الدیباج	*****	امام سیوطی ؒ
مکارم اخلاق	*****	ابن ابی الدنیاؒ
السنن الکبریٰ	*****	امام بیہقی ؒ
الخصائص الکبریٰ	*****	امام سیوطی ؒ
المسند	*****	امام احمد بن حنبل ؒ

الطبقات	*****	ابن خیاطؒ
الجامع الصحیح	*****	امام ترمذی
السنن	*****	ابوداؤدؒ
شرح معنی الآثار	*****	امام طحاویؒ
مجمع الزوائد	*****	ہیثمیؒ
فیض القدیر	*****	مناویؒ
الترغیب والترہیب	*****	منذریؒ
مشکل الآثار	*****	امام طحاویؒ
اسلامی ریاست	*****	پروفیسر خورشید احمدؒ
کیمیائے سعادت	*****	امام غزالیؒ

البیان فی التفسیر القران ***** ابن جریر طبریؒ

مشکوٰۃ المصابیح ***** الخطیبؒ

الجوامع السیاسیہ ***** امام ابن تیمیہؒ

بیان العلم وفضلہ ***** ابن عبدالبرؒ

تاریخ السلامی السیاسی ***** حسن ابراہیم الدکتورؒ

النظم الاسلامیہ ***** حسن ابراہیم الدکتورؒ

کتاب الخراج ***** الامام ابو یوسفؒ

تحفۃ الاشراف ***** المزیؒ

حسن المحاضرۃ ***** امام سیوطیؒ

مقائس اللغۃ ***** ابن فارسؒ

اعلام الموقین	*****	ابن قیمؒ
سنن الدارمی	*****	الدارمیؒ
الزھد	*****	امام احمد بن حنبلؒ
تفسیر ابن کثیر	*****	از ابن کثیرؒ
تاریخ الکامل	*****	ابن اثیرؒ
فتوح البلدان	*****	امام بلازریؒ
المذاہب الاربعہ	*****	عبدالرحمانؒ
کتاب النوبیہ	*****	ابن ہشامؒ
عیون الاخبار	*****	ابن قتیبہؒ
شذرات الذہب	*****	ابن عمادؒ

الشفاء	*****	قاضی عیاضؒ
غریب الحدیث	*****	امام ابن اثیرؒ
وفا الوفا	*****	امام سمہودیؒ
کتاب الاصنام	*****	ابن قتیبہ
لسان العرب	*****	ابن منظورؒ
الرسول القائد	*****	خطاب محمود شیثؒ
البدر الطالع	*****	امام شوکانیؒ
الاداب	*****	امام بیہقیؒ
دلائل النبوۃ	*****	ابن ندیمؒ
الشمائل	*****	امام ترمذیؒ

المنار	*****	رضا رشیدؒ
علم الراویہ	*****	خطیب بغدادیؒ
السنۃ قبل التدوین	*****	خطیب العجاجؒ
الکشاف	*****	زمخشریؒ
مسند الفردوس	*****	دیلمیؒ
معجم الکبیر	*****	طبرانیؒ
تفسیر درمنشور	*****	امام جلال الدین سیوطیؒ
المبسوط	*****	شمس الائمہؒ
المراسیل	*****	سجستانیؒ
غریب الحدیث	*****	خطابیؒ

صحیح ابن حبان	*****	از ابن حبانؒ
عمل الیوم ولیلۃ	*****	للنسائیؒ
تاریخ الادب الجاہلی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
مفتاح الجنۃ	*****	امام سیوطیؒ
علوم الحدیث	*****	صبحی صالحیؒ
شرح معانی الاثار	*****	امام الطحاویؒ
تاریخ الادب الاسلامی	*****	شوقی ضیف الدکتورؒ
شرح مسلم	*****	شبیر احمد عثمانیؒ
فلسفہ التشریخ فی الاسلم	*****	صبحی صالحیؒ
الاحدیث المھشر ہ	*****	شمس الدین سخاویؒ

حدیث دفاع	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
اسلامی طریق جنگ	*****	میجر جنرل اکبر خانؒ
الفیض القدیر	*****	المناویؒ
الکامل فی الضعفاء	*****	ابن عدیؒ
محاسن التاویل	*****	قاسمی جمال الدینؒ
مسلمانوں کا نظم مملکت	*****	حسن ابراہیمؒ
سود	*****	سیّد مودودیؒ
حیات محمدؐ	*****	محمد حسنین ہیکلؒ
الوثائق الساسیہ	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
تجدید احیائے دین	*****	سیّد مودودیؒ

الاحکام القرآن ***** محمد بن احمد قرطبیؒ

مسلم نشاۃ ثانیہ ***** ڈاکٹر محمد امین

مسلمان اور سائنس کی تحقیق ***** حبیب احمد صدیقیؒ

نامور مسلمان سائنس دان ***** حمید عسکریؒ

نظام الحکومت نبویہ ***** شیخ عبدالحیؒ

الاسلام والحضاوۃ العربیہ ***** کرد علیؒ

سائنس وطب میں مسلمانوں کا عروج ***** حفیظ الرحمٰن صدیقیؒ

فیض الباری ***** محمد انور شاہؒ

سو مسلم سائنس دان ***** رفیق انجمؒ

شاندار سائنسی کارنامے ***** زکریا ورقؒ

تخریج الحدیث	*****	مولانا محمد سعیدؒ
سنت کا تشریحی مقام	*****	محمد ادریس میرٹھیؒ
احادیث الموضوعہ	*****	ملا علی قاریؒ
ترجمان القرآن	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول عربیؐ	*****	مولانا ابوالکلام آزادؒ
رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
منصب امامت	*****	شاہ اسماعیل شہیدؒ
یورپ پر اسلام کے احسانات	*****	غلام جیلانی برقؒ
حسنت جمیع خصالہ	*****	طالب ہاشمیؒ
دعوت دین اور اس طریق کار	*****	امین احسن اصلاحیؒ

فی ظلال القرآن	*****	سیّد قطب شہید ؒ
احسن التفاسیر	*****	احمد حسن دہلویؒ
قصص الانبیاء	*****	محمد حفظ الرحمٰن ؒ
مدارج النبوہ	*****	معین فراحی ؒ
سیرت الرسول	*****	محمد بن عبدالواہاب ؒ
الرحیق المختوم	*****	صفی الرحمان مبارک پوریؒ
محمد عربیؐ	*****	محمد احمد برانق ؒ
اسلامی ریاست	*****	امین احسن اصلاحیؒ
ترجمان السنۃ	*****	بدر عالم میرٹھیؒ
اسلام کا معاشرتی نظام	*****	خالد علویؒ

اسلام کا سیاسی نظام	*****	محمد اسحٰق سندیلوی ؒ
تفہیمات	*****	سیّد مودودیؒ
سیرت نبویؐ	*****	ڈاکٹر مصطفیٰ صباحیؒ
پیغمبر انسانیت	*****	شاہ محمد جعفر پھلواریؒ
سیرت رسول عربی	*****	علامہ نور بخش توکلیؒ
خطبات مدارس	*****	سید سلیمان ندویؒ
عہد نبوی نظام حکمرانی	*****	ڈاکٹر حمید اللہؒ
سیرۃ المصطفیٰؐ	*****	محمد ادریس کاندھلویؒ
تاجدار دو عالمؐ	*****	عزائم عبدالرحمانؒ
اسلام کا اقتصادی نظام	*****	حفظ الرحمٰنؒ

معجزات سرورکونین	*****	طالب ہاشمیؒ
ارشادات دانائے کونین	*****	طالب ہاشمیؒ
منصب امامت	*****	طالب ہاشمیؒ
اخلاق پیغمبری	*****	طالب ہاشمیؒ
معارف الحدیث	*****	محمد منظور نعمانیؒ
فصاحت نبوی	*****	ڈاکٹر ظہور احمد اظہرؒ
رہبر کامل	*****	مولانا عبدالمجید خادمؒ
اسوہ رسول اکرمؐ	*****	ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ
اخلاق نبوی	*****	سیّد محمد اسحاقؒ
نبی رحمت	*****	سیّد ابوالحسن ندویؒ

محمد رسول اللہؐ	*****	شیخ محمد رضا مصری ؒ
محمد رسول اللہ ﷺ	*****	توفیق الحکم ؒ
پیغمبر انقلاب	*****	مولانا وحید الدین خان ؒ
عبقریت محمدؐ	*****	عباس محمود العقاد ؒ
نبی اکرمؐ کی معاشی زندگی	*****	ڈاکٹر نور محمد غفاری ؒ
خاندان نبوت	*****	محمد ادریس ؒ
معرکہ اسلام اور جاہلیت	*****	صدر الدین اصلاحی ؒ
مغازی رسولؐ	*****	حضرت عروہ بن زبیرؓ
تاریخ مکہ	*****	منظور احمد شاہ ؒ
منصب نبوت	*****	سیّد ابوالحسن ندوی ؒ

شمائل کبری	*****	عبدالحکیم خانؒ
سیرۃ اکبریٰ	*****	مولانا ابوالقاسمؒ
راہ عمل	*****	مولانا جلیل احسنؒ
زادراہ	*****	مولانا جلیل احسنؒ
وفود عرب	*****	طالب ہاشمیؒ
سیرت سیّدہ فاطمہؓ	*****	طالب ہاشمی
معارف القرآن	*****	مفتی محمد شفیعؒ
ترجمہ قرآن	*****	سیّدابوالاعلی مودودیؒ
البستان	*****	واثق باللہ
کتاب السماء ولغات	*****	امام نووی

محمد رسول اللہؐ	*****	محمد صادق ابراہیمؒ
رسول مبینؐ	*****	محمد احسان الحق سلیمانیؒ
سیرت محمدیؐ	*****	سرسید احمد خانؒ
سیرت سرورکونینؒ	*****	سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

WESTERN AUTHORS.

Dalbeer...Mater ,Eather,Motion.

J.G.Freezer... Man God and Immortalilty.

S. Hussan Naser... Islamic Science.

J.Heksely... Religion Without Revolation.

Philps Hitty... History of Arabs.

Springler...Fall of west.

Carbin... EN Iranien Islam.

Sir jamees jeen...Modren Islimic Thought.

Johan Wellosan...Philosophy of Reilgion.

R.I.Gulick..Muhammad The educator.

Cob..Islamic Contribution to word culture.

Briffault...The making of Humanity.

Bosworth... The Lagacy of Islam.

S, Charles Darwen...Origion of Species.

Mont Watt...History of Islamic Spain.

B.Russal...The Conquest of Happiness

Michael H Hart... The 100

M,White...The limitaaions of Sciens

Ameer Ali... The Spirit of Islam.

Edendton...The age of analysis.

James jeans...The Mysterious Univers.

Hanes Berg...Modren scientefec thought.

W Back...Modern Science & natur Life.

Zohansicy...Gentic and origen of Species.

Karal Marx...Das Kapital.

Lebon...The Erab Civilazation.

Genetic Code .... Issaac Asimov.

Trawleing...History of Religion.

B, Russiall History of civiliazation.

Freud... Toam and Tabuos.

Freud....Pleasure thinking.

Robert Semith....Religion of Erabs.

well deurant...The age of faith.

Walteare...The History of China.

Freud...His Dream & Sex Theories.

Pierre Lecomde... Human Destiny.

Pro, Brian..New Horizons in Psychology.

P.Nik... Fondamentals of Politics.

Glance at Historical Materialism.ASpirken.

Pro, Hageel... Wonder Of Life

Dr. Hehoom... Human Understanding.

Fraied.... Totam and Taboos

Fried.....Pleasure Thinking

Robert Smith...Religion of the semites.

RussallBurtrand ...The Conquest of Happiness.

JOHAN WILLSON ...Philosophy and Religion

Tyndall...Matter and Motion.

MORTEN WHITE....The Limitations of Science.

ARUTHOR ENDEKTAN...The age of Analysis

Sir Jameus Jeens...Modren Scitefic Thought.

Dob Zohans..Genetic and The origin of species.

Raney Grew...Civilization of the east.

Sir Leonard Woolley...Abraham.

Freazer...The Golden Bough.

Edward Mc Nall.... Westren Civilization.

Breufalt.... The Making of Humanity.

Dr, Dedat ... The Ultimate Miracle.

A. Curte...Discover Behind The iron Curtain.

Dr,Harwey Day...The Hidden Power of vibration.

Russal...History of Westren Philosophy.

Jon Stevens... Secred Calligraphy of east.

Dr,simith... Divin Origin.

B Russal...History of Arebs.

Dr,Zafar, Towards understandin Qurran.

DR, mir Aneesudin... The Holly Quran.

Dr M Taqi... The Noble Quran.

Asimov... Exploring the earth and cosmos.

S,Hawhing...A Brief History of Time.

Al,Gore ... Erth in Balance.

J.Sylvester... The Gene Age.

R.Hill.... Physical Methalogy.

David Burine... Micro Life.

STephen Jay Gold... The Panda Thumb.

Rachel Carson... Silent Spring.

Mir,Steween... Geodetic Survey.

J.Parker ... Erth Sciences.

Aavagardo.... Water Realities.

Lyantan Keith...Between Two Words.

Allan Baratan...Recovery and Recycil.

Oliver Owen... Natural Conservations.

A.J.Longly....Environment of Technology.

Richard Wedford....Envionmetel Management

Robert Raymond...Out of Fiery.

P.R.Trevidi....Energy Resources.

Dr.Shafi Hader... Four Tools for a Musilm.

Dr.Shafi Hader... Scince in Quraan.

M.A.Qazi.... Quranic Concept.

A.Ryabchikov....Changing Face of earth.

Dr.Shafi Hader... Deep Thinking.

S.Manzoor...Scientific Significance in Quraan.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Miracle Life.

Dr.Shafi Hader...Quraan and Fate of Cosmos.

Muhammad Shihabuddin nadvi... Cloning.

Syed Mubarak... Quranic Phlosephy.

Ellisow Hawks...Mysteries Of Science.

E.L.Abel... Moon Madnes.

Abdul Mobin Khan... Basic Immunology.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Life.

Dr.Shafi Hader...Creation Of Universe.

Barnaby Rogerson... The Prophet Muhammad

Ingird Mattson.... The Study of Qurran.

Dr, Mohammad Rana... History of Islam.

Adrinne Jansen... Asian Face Of Islam.

Thomos C,... Years of Innovation.

Erich.V, ... Miracles Of God.

I.A. Ibrahim... Understanding Islam.

Dr,Kazmi ...Guinness Concept.

Dr.Shafi Hader..Quraan and Quality Concepts

Judit Bower...Enviromental Systems.

Syed Mubarak...Quranic Therapy.

Shah Manzoor... Quranic Verses.

B.Person...History of Prophet Mohammad.